۳۰۷

سلسلۂ دار المصنفین

نمبر ۲۲

تذکرۂ شعرائے اردو

موسوم بہ

گلِ رعنا

یعنی

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ، اور اسکی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے باکمال اردو شعراء کے صحیح حالات، اور انکے منتخب اشعار، اور انکے ہر قسم کے کلام کے نمونے

از

مولانا حکیم سید عبد الحی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

باہتمام مسعود علی ندوی

مطبع معارف اعظم گڑھ میں طبع ہوا

طبع ثانی ۱۳۵۳ھ ہجری

کتبخانہ دار المصنفین اعظم گڈھ

کی

بعض کتابیں

شعر العجم

حصہ اول

فارسی شاعری کی تاریخ جس میں شاعری کی ابتدا بعد کی ترقیوں اور ان کے خصوصیات اور اسباب سے مفصل بحث کی گئی ہے، اور اسی کے ساتھ تمام مشہور شعراء (عباس مروزی سے نظامی تک) کے تذکرے اور ان کے کلام پر تنقید و تبصرہ ہے، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۵۸ صفحے قیمت ہے

حصہ دوم

شعرائے متوسطین کا تذکرہ (خواجہ فریدالدین عطار سے حافظ اور ابن یمین تک) مع تنقید کلام مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۰۲ صفحے، قیمت :- عہ

حصہ سوم

شعرائے متاخرین کا تذکرہ (فغانی سے ابوطالب کلیم تک) مع تنقید کلام، مطبوعہ معارف پریس

ضخامت ۲۳۰ صفحے،

قیمت :- عہ

حیدرآباد بک ڈپو، حیدرآباد دکن



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدنا محمد وعترتہ بعد وکل معلوم لک

اگلے زمانہ میں جن لوگوں کو کچھ بھی علمی مذاق ہوتا تھا وہ اپنے پاس ایک ایک بیاض رکھا کرتے تھے اس کی تقطیع کتابی ہوتی جس کا شیرازہ عرض میں کاغذوں کو موڑ کر باندھا جاتا ہے، کبھی طول میں کو موڑ کر بہی کی طرح باندھتے، وہ ایک سادی کتاب ہوتی جو ہر وقت پاس رہتی، چھاپہ خانہ تو نہیں تھا، کسی خوش قسمت کو خود لکھکر یا لکھوا کر کتابیں مل بھی جاتیں، تو اس زمانہ میں ... نہیں تھی، اور اس طرح سفر آسان اور سہل نہیں تھا، کتابوں کو اپنے ساتھ ساتھ سفر میں رکھنا دشوار ... اور رکھتے بھی تو سارا کتب خانہ کہاں کہاں لئے پھرتے، وہی سادی کتاب ساتھ رہتی، اسی ... بیاض کا ایک نام زاد السفر بھی تھا،

... بھی ایک طرح کا نہ تھا، جو طبیب ہوتے وہ بیاض پر اپنی مجربات یا کہیں سے کوئی مجرب نسخہ ... لکھتے جاتے، کوئی نادر کتاب طب کی کہیں مل جاتی تو اس میں سے ان نوادر کو ... لکھنا ضروری سمجھتے اسی بیاض پر قلمبند کر لیتے، عربی کی مثل ہے "العلم صید والکتابۃ قید" اکثر ہے کہ ایک بات کتابوں میں پڑھکر یاد ہو جاتی ہے، مگر چند روز میں ایسا ذہول ہو جاتا ہے کہ ... لانے سے بھی یاد نہیں آتی اس واسطے لکھ لینا آئندہ چل کر کام دیتا ہے"

قاضیون اور مفتیون کے پاس جو بیاضین ہوتین اس مین مفتی بہ مسئلے اور جب کتابون سے ... لکھ لیتے تاکہ موقع پر جب ضرورت پڑے تو ان سے کام لے سکین،

شعرا کی بیاضون مین شعر و سخن کے رموز، عروض و قافیہ کی ضرور... ری یادد... کے قصائد، غزلین، رباعیان، معمے، پہیلیان، تاریخین اور جہان کوئی مزہ دار شعر ... اد ... قلمبند ہوتے تھے۔

عام لوگ جو یک فنی نہین ہوتے، وہ بھی اپنے اپنے پاس بیا... بیاضین معجون مرکب ہوتی تھین، ایک حصہ مجرب نسخون کے لئے مخصوص ہے... اور تعویذون کے واسطے، ایک برجستہ اشعار اور دل نشین کلام کے لئے نظم ہو یا نثر، ایک... بزرگون، دوستون اور ناموران ملک کی تاریخہائے ولادت و وفات کے ... سطے ... غرض ایسی چیز ہوتی جس سے بیکاری کے وقت ہر مذاق کا آدمی اپنا دل بہلا سکتا، اور ضرورت ... ان یادداشتون سے کام لے سکتا ہے،

مین نے اپنے بچپن مین جن بزرگون اور عزیزون کو دیکھا ان بن کا ہر ایک ایک ... کا مالک تھا اور اس کو اپنی عمر بھر کی کمائی سمجھ کر اپنی جان کے برابر عزیز رکھتا، سید عبد الجلیل ... سن رسیدہ بزرگ میرے رشتہ کے نانا تھے، ان کی بیاض اتنی دلچسپ تھی کہ لوگ دور دور ... دیکھنے کو آتے، وہ بیاض کیا تھی، جام جہان نما تھا، ہندوستان کے عام انقلاب کی چشم دید تاریخ ... ملک کی موت و حیات کا ابھرا ہوا خاکہ، فقہ و حدیث کے نوادر اور مشکلات کا حل، شعر ... بہترین نمونہ، غرضکہ وہ ایک ہی کتاب ہر مذاق کے لوگون کے لئے دلچسپی کا باعث ... اور یہ

مین نے انھین بزرگون کے دامنِ تربیت مین پرورش پائی تھی مجھکو بھی ... شوق پیدا ہوا اور تقریبًا پچیس تیس برس کے سن تک رہا، جب زمانے نے انکھین پھیر لی...

کامون مین لگ گیا پھر خبر نہین رہی کہ وہ کہان ہے اور کس حالت مین ہے،

ندوۃ العلماء کے کامون سے جب فرصت ملتی، تو تصنیف و تالیف مین لگ جاتا، دن کے اجالے اور راتون کی تاریکی مین جو کام بن پڑتا وہ انھین دو چیزون مین محدود تھا، جنۃ المشرق کے نام سے ایک کتاب لکھی، جسمین ہندوستان کا جغرافیہ، ظہور اسلام سے لیکر غدر ۱۸۵۷ء تک کی اسلامی تاریخ، مسلمانون کا طریقہ حکمرانی اور امور نافعہ کا بقدر امکان تلاش و تحقیق سے ذکر کیا ہے، دوسری کتاب المعارف کے نام سے لکھی، جس مین علوم و فنون کی تاریخ اور ہندوستان مین جس علم کی جیسی مسلمانون نے خدمت کی ہے اور جو کتابین ان علوم مین یہان تصنیف ہوئی ہین انکی تفصیل دی ہے تیسری کتاب نزہۃ الخواطر آٹھ جلدون مین تصنیف کی جسمین ہندوستان کے علماء اور دوسرے نامورون کے حالات زندگی جنھون نے علم کی خدمتین کی ہین، بڑی کاوشون اور کاہشون سے فراہم کئے ہین، علاوہ ازین کے چند کتابین اور بھی لکھین جو فقہ و حدیث سے تعلق رکھتی ہین، مگر بدقسمتی سے یہ سب کتابین عربی مین تالیف کین جن کی اس ملک مین مانگ نہین، یہ سودا ہنوز دماغ مین موجود تھا کہ سال گذشتہ مین صحت نے بیوفائی کی اور سال کا سال مرض کے ابھاؤ مین گزر گیا، اس سال کچھ کام کرنے لگا تھا کہ پھر مرض کا اعادہ ہوا، مدتون کی عادت پڑی ہوئی کتاب بینی اور تصنیف و تالیف طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، مجبوراً طبیعت کو ایسی کتابون کے مطالعہ پر مائل کرنا پڑا جن سے دماغ پر زور نہ پڑے، انھین کتابون مین وہ بیاض بھی نکل آئی جو کسی زمانہ مین ہر وقت پیش نظر رہتی تھی، دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مشہور شاعرون کا کلام اس مین اتنا جمع ہو چکا ہے کہ اگر اس کو ترتیب دیکر شائع کر دیا جائے تو پڑھنے والون کو اس سے دلچسپی ہو سکتی ہے، اسی کے ساتھ خیال ہوا کہ جن کا کلام ہو ان کے مختصر مختصر حالات بھی لکھدیئے جائین، تذکرے جمع کئے اور کام شروع کیا، بات مین بات نکلتی آئی، اور وہ ایک خاصی کتاب بن گئی جس کا نام "گل رعنا" مین نے رکھدیا ہے،

امید ہے کہ بزرگانِ سخن فہم اس کی قدر افزائی فرمائین گے اور کیا عجب ہے کہ ا[illegible] طریقہ سے جس سرزمین کی مختلف حیثیتون سے مین نے اب تک خدمتین کی ہین اس کی ملکی ز[illegible]ن کی بھی یہ اچھی خدمت سمجھی جائے۔

غرض نقشیست کز ما یاد ماند　　　　که هستی را نمی بینم بقائے

مگر صاحبدلی روزے زرحمت　　　　کند بر حالِ این مسکین دعائے

عبد الحیٔ

٦ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۱ھ، لکھنؤ



مقدمہ

اردو زبان اور اردو شاعری کی تاریخ،

انسان کے دل مین کسی چیز کے دیکھنے یا سننے یا کسی حالت یا واقعہ کے پیش آنے سے ذوق و شوق، عشق و محبت، حیرت و استعجاب، طیش و غضب، رنج و غم وغیرہ کی جو کیفیتین پیدا ہوتی ہین انکو اس طرح سے موزون کرکے ادا کرنا کہ جو اثر اس کے دل مین ہے وہی دوسرون پر چھا جائے اس کا نام شاعری ہے،

اگر ایک مضمون کو ایک سطر مین لکھو اور نثر مین پڑھو پھر اسی مضمون کو فقط لفظون کے ایک خاص پس و پیش کے ساتھ لکھکر دیکھو، تو کچھ اور ہی عالم ہو جائے گا، اول تو وہ موزون ہو جاتا ہے، پھر کلام کا زور بڑھ جاتا ہے، تیسرے سیدھی سادی بات مین ایسا لطف پیدا ہو جاتا ہے کہ سب اسکو بار بار پڑھتے اور مزے لیتے ہین،

قدرتی شاعر ارادہ کرکے شعر کہنے کو خاص وقت مین بیٹھتا ہے، مگر حقیقت مین اُس کا دل اور اس کے خیالات ہر وقت اپنے کام مین لگے رہتے ہین، قدرت کے کارخانہ مین جو چیز اس کے حواس مین محسوس ہوتی ہے، اور اس سے جو کچھ اثر اس کی طبیعت اٹھاتی ہے، وہ ہر شخص کو نصیب نہین، خواہ لطف و شگفتگی ہو خواہ آزردگی یا بیزاری،

یہ ضرور ہے کہ جو کیفیت وہ آپ اٹھاتا ہے، اس کے لئے ڈھونڈھتا ہے کہ کیسے لفظ ہون اور کس طرح ان کو ترکیب دون تاکہ جو کیفیت اس کے دیکھنے سے میرے دل پر طاری ہے وہی کیفیت سننے والے کے دل پر چھا جائے، اور وہ بات کہون کہ جو اثر میرے دل پر ہوا ہے، وہی اس پر بھی ہو

یا جس طرح کا لطف مین نے اٹھایا ہے اسی طرح کا لطف اسے بھی حاصل ہو۔

جس طرح کوئی زمین اپنی قابلیت کے موافق بے کچھ نہ کچھ روئیدگی کے نہین رہ سکتی اسیطرح کوئی زبان اپنے اہلِ زبان کی حیثیت کے موافق نظم سے خالی نہین رہ سکتی، یا جس طرح سے روئیدگی کی رنگینی اور شادابی اپنی سرزمین کی خاصیت کو ظاہر کرتی ہو اسی طرح سے ' ہانون کے سلسلے مین ہر ایک نظم اپنی زبان اور اہلِ زبان کی شائستگی اور تہذیب علمی کے ساتھ لطافت طبع کے درجے دکھاتی ہو۔

زبان اردو کے ظہور پر خیال کرو اور اوس کی تصنیفات پڑھو تو اوس مین نثر۔ تے پہلے نظم آئیگی، جب ملکی زبانون نے اپنی وسعت اخلاق سے عربی فارسی الفاظ کے مہمانون کو جگہ دی تو طبیعتون مین اس قدرتی روئیدگی نے بھی زور کیا، لیکن وہ صدہا سال تک دوہرون کے رنگ مین ظہور کرتی رہی، یعنی فارسی کی بحرین اور فارسی کے خیالات ایک زمانہ تک اوس مین گھسنے نہین پائے۔[1]

جہان تک جہان بین کی گئی ہو سب سے پہلے امیر خسرو نے جنکی طبیعت اختراع مین اعلیٰ درجہ صنعت و ایجاد کا رکھتی تھی، ملک سخن مین برج بھاشا کی ترکیب سے انشا پردازی کا ایک طلسم خانہ کھولا، مکرنی، انمل، دوسخنی، قسم قسم کی گیت، اور پہیلیان، خاص اون کے آئینہ کمال کا جوہر ہیں خالق باری کو بھی اونھین کی طبع رسا کا نتیجہ سمجھو، تو اِس حیثیت سے اوس کو اردو نظم کی داغ بیل قرار دینا ایک حد تک ٹھیک ہو، مگر اس کی کیا سند ہے کہ یہ انھین کی تصنیف ہو، ایسی زبانی[2] باتین سے جو مکتبون کے ملا ایک دوسرے سے لیتے چلے آئے ہین، تاریخ کی بنیاد نہین پڑتی پہیلیون اور گیتون کی حالت دوسری ہو، ان کی بنیاد مضبوط چٹان پر قائم ہی، ہر زمانہ مین ہزار دن مرد اور

---

[1] آبحیات، [2] آبحیات،

عورتون نے نقل در نقل اونکو ہم تک پہنچایا ہی، اسیطرح سے امیر خسرو نے جو اختراعین موسیقی کے راگ و راگنیون مین کی ہین اونکی سند بڑی پکی ہی، بہر حال اسمین کچھ شبہہ نہین کہ اسکی داغ بیل امیر خسرو کی ڈالی ہوئی ہی،

خسرو کے بعد سلطان حسین شرقی نے جو فنِ موسیقی کا بے نظیر ماہر تھا اسمین برگ و بار پیدا کیے اوس نے دھرپد مین تصرف کیا، اور بجائے چار مصرعون کے دو مصرعے کر دیئے یا آہنگ مین تصرف کرکے اوس کا خیال اور چٹکلہ نام رکھا، یا حقیقت کے منہ سے نقاب ہٹا کر مجاز کو زیادہ کھول دیا، یہ اوس کے تصرفات براہ راست موسیقی کے راگ و راگنیون مین تھے، مگر ان کا اثر شاعری پر بھی پڑتا ہی جو مصرعی ترکیب بھاشا کی خصوصیات مین سے ہی، اسکو دور کرکے اوس نے گیتون کو غزل کے قریب کر دیا،

علاوہ اس کے امیر خسرو کے زمانہ مین جو زبان گیتون کی تھی، وہ شرقی کے زمانہ مین زیادہ منجھی تھی، اور عربی فارسی کی آمیزش اوس مین زیادہ ہوگئی تھی، امیر خسرو ترک تھے، اوس وقت ترکون کی بادشاہت تھی، فتوحات کا سیلاب ہندوستان مین بہہ رہا تھا اور یہان کے قدیم باشندون سے سخت کشمکش ہو رہی تھی، اپنی ملکی زبان، ملکی رواج، اور مذہب کو ہر ایک جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا بادشاہ سے لیکر ایک لشکری تک ترکی یا فارسی زبان بولتا اور اپنی زبان کو عزیز رکھتا تھا، پھر اسکو بھی دیکھو کہ اون مین اکثر تازہ وارد ہوتے تھے، بہت کم ایسے لوگ ہونگے جنکی دو پشتین بھی یہان گذری ہون، اس لئے، ہندی کے بعض حروف کا تلفظ بھی وہ اچھی طرح سے ادا نہ کر سکتے ہونگے، شرقی کی مل و نسل ہندوستان کی سرزمین سے تھی، زمانہ بھی فی الجملہ اطمینان و فراغت کا تھا، اوس کا لب و لہجہ، زبان کی لوچ قدرتی طور پر ہندوستانی تھی، اور اوس کے ملازمین و رعایا بھی سب ہندوستانی تھے اس لئے اپنی ملکی زبان سے ایک طرح کا انس ہونا، اون کے واسطے قدرتی امر تھا،

دوسرے دونون کے بعد سکندر لودی نے مصالح ملکی کے لحاظ سے ہندوؤن کو فارسی پڑھنے دلائی، تاکہ وہ دفتری زبان سیکھ کر ملکی کاروبار مین حصہ لے سکین، برہمن اور راجپوت جیسی

دھرماتما قومون نے انکار کیا، صرف اس قدر کامیابی ہوئی کہ کایتھون نے فارسی پڑھنے کی ٹھان لی، اور وہی ایک مدت تک سرکاری عہدون کے ٹھیکہ دار بنے رہے، جیسا کہ انگریزی سلطنت قائم ہونے پر مسلمانون نے انگریزی زبان سیکھنے کی پروا نہین کی، اور ہندؤن کی سب قومون نے اس مرتبہ اپنے پرانے تجربہ کی بنا پر فائدہ اٹھایا، نتیجہ یہ ہوا کہ سرکار کمپنی کی حکومت اٹھنے، اور قاضی مفتی، صدر امین، صدر الصدور کے عہدون کے ٹوٹنے یا نام اور کام بدل جانے کے بعد سے ہندؤن سرکاری خدمتین بھر گئین، اور مسلمان منہ دیکھتے کے دیکھتے رہگئے، بہر حال سکندر لودی کا یہ حکم بھی اس بات کا ایک ذریعہ ہو گیا کہ خود ہندؤن کی زبان پر عربی اور فارسی کے الفاظ چڑھ گئے، سیدھے مسلمانون کی زبانون پر ملکی زبانون نے قابو پالیا، اور باہمی میل جول کیوجہ سے اونمین روانی پیدا ہو گئی، بابر شاہ ہندوستان آتا ہی تو باوجودیکہ وہ ایک ٹھیٹ مغل ہی، ڈال کا ٹوٹا ہوا، وہ بھی اس سے متاثر ہوتا ہی، اوس کے ترکی دیوان کا جو نسخہ نواب رامپور کے کتبخانہ مین ہی وہ سنہ ۹۳۵ھ کا لکھا ہوا ہے، اوس مین ایک شعر ہی جس کا ایک پورا مصرع اور دوسرے مصرع کا ایک ٹکڑا اردو مین ہی کتاب خط نسخ مین لکھی ہوئی ہی، اوس کے رسم الخط کے موافق مین اس شعر کو نقل کرتا ہون،

مجکا نہ ہوا کچ ہوس مانک و موتی، فقرا علیغہ بس بولغوسیدور پانی و روٹی

بابر کے پوتے اکبر شاہ کے زمانہ مین یہ میل وجول اور بھی بڑھ گیا، بادشاہ کی زمانہ سازی سے ہندو، نیا گھر کی مالک بن بیٹھین، ہندؤن کے سارے رسم و رواج بادشاہ نے اختیار کر لئے، پیشانی پر قشقہ لگایا، ہاتھون مین راکھی باندھی، راکھی بندھن کی رسم سال بسال دھوم دھام سے ہونے لگی، راجہ ٹوڈرمل دیوان اور بیربر مصاحب ہوئے، راجپوتانہ مین کسی جگہ سسرال بنائی گئی، کہین ہمدھیانہ قائم ہوا،

سلہ عجب مین ایسا ہو گیا تھا، میرے معزز دوست حافظ احمد علی خان شوق سپرنٹنڈنٹ کارخانجات سرکار رامپور نے مہربانی سے [illegible] کی سیر کرائی اور اس کتاب کو خصوصیت سے دکھایا، مین ترکی زبان نہین جانتا، انھون نے جو مطلب دوسرے مصرع کا بتایا وہ یہ تھا کہ "فقرا کو پانی اور روٹی کافی ہے"

فارسی شعرا کے دوش بدوش کبیشرون اور گویون نے بھی جگہ پائی، اون کو اگر ملک الشعرا کا خطاب دیا گیا، تو ان کو کب راج اور کب رائے بنایا گیا، گھوڑون ہاتھیون اور ہتھیارون کے نام ہندی رکھے گئے،

جو چیزین ہندوستان کی پیداوار تھین اون کے نام قدرتی طور پر ہندی تھے وہ سب زبانون پر چڑھ گئے، اور فارسی عبارتون مین بھی ہندی الفاظ بے تکلف استعمال کئے جانے لگے، شاہ بہروکہ، درشن، پھول کٹار، کپہورہ مرصع، جم دھر کٹار، تلوار، گھوڑا، ہاتھی، پالکی، نالکی، جھالر، ... چوکی، سرچوکی، دیسکھ، دیس پانڈیہ، پٹیل، پٹواری، رائے، راو، راجہ، مہاراجہ، چودھری، پہر دوپہر، گھڑی، گھڑیال، ڈالی، گھاٹ، گھرواڑہ، بیوپاری، اور اسی طرح کے صدہا الفاظ، سلاطین مغلیہ کی شاہی زبان مین ملے جلے نظر آتے ہین،

اکبر شاہ جہانگیر کو پیار سے شیخو جیو، مراد کو پہاڑی راجہ اور فیضی کو شیخ جیو کہتا تھا ایک دن فیضی حسب الحکم حضور مین کچھ لکھ رہا تھا، بیربر بات کرنے لگا، اکبر شاہ نے آہستہ سے کہا "حرف نزنید شیخ جیو مینویسد" آرام بانو اوس کی چہیتی بیٹی تھی، مرتے وقت جہانگیر سے وصیت کرتا ہے،

"باین خواہر خود کہ لاڈلہ من است بعد از من باید بروشے سلوک کنی کہ من با و میکنم"

جہانگیر بادشاہ کی رنگیلی طبیعت سے تم واقف ہو، اوس نے شراب کا نام رام رنگی رکھا تھا، شاہجہان بچپن مین باپ کو شاہ بھائی اور دادا کو شاہ بابا کہتا تھا، مراد بخش شاہ شجاع کو بھائی جیو کہتا تھا، ایک خط مین عالمگیر کو لکھتا ہے؛

"اگر این طرز پسند خاطر اقدس صاحب وقبلہ بھائی جیو رادہ ہو درین باب متفق ساختہ در یک ساعت و یک وقت از جاہائے خود وا نہ مطلب می باید شد"

عالمگیر نے کلمات طیبات مین کثرت سے ہندی الفاظ استعمال کئے ہین جستہ جستہ فقرے اوس کے

بھی ملاحظہ ہون، فرزند عالیجاہ (محمد اعظم) کو لکھتے ہین :-

مزہ کھچڑی بریانی شما در زمستان یاد می آید۔۔۔ ڈالی انبہ مرسلہ آن فرزند بذائقہ پدر پیر خوشگوار آمد براے نام انبہ گمنام استدعا نمودہ اند چون آن فرزند جودت طبع دارند، روا دار تکلیف پدر پیر چرا میشوند، بہرحال سدھارس و رسنا بلاس نامیدہ شدہ۔۔۔۔۔۔ خود بدولت بنفس نفیس چہار گھڑی آخر شب از خواب گاہ بر آمدہ۔۔۔۔۔۔ نماز صبح ادا کردہ جھروکۂ درشن تشریف می آورند و در نشینان را بسعادت دیدار فیض آثار نواختہ بعد بر آمدن چہار گھڑی روز دیوان عام می فرمودند ۔۔۔۔۔ تا قریب دو پہر این معاملات در پیش می بود۔۔۔۔۔۔ درین ضمن کرسی لچکراہ نیز منظر گذشت ۔۔۔۔۔ بر اسپ نیتو فرو چو اچپنڈن کہ بتواتر سوار میشوند، ظاہرا از سواری آنہا محظوظ اند۔۔۔۔۔ شادیانۂ فتح نواز ند، و حرف ایام طفولیت یاد دارند، کہ بابا جی دھون دھون ۔۔۔۔۔ قلعۂ پرنالہ باسم نول تارہ موسوم شد، ۔۔۔۔۔ از توپ و رہکلہ و بان و رام جنگی و جزائر و گھڑ نال، و شتر نال و گجنال، و سواران با براق و اسپان و فیلان با برگستوانہاے براق و دیگر لوازم طمطراق آنقدر کہ باید بکہ نباید ملاحظہ شد۔۔۔۔۔۔ حدود فوجداری خود چنان از قطاع الطریق خالی و از امن پر سازد کہ مسافرین و متردین و تاجر و بیوپاری بلا وسواس آمد و رفت کنند :-

اِس مشتے نمونہ از خروارے سے تم سمجھ سکتے ہو کہ ہندی کے کتنے الفاظ اون کی زبان پر چڑھ گئے تھے، اور پیار و محبت کے موقعون پر وہ کس بے تکلفی سے اون کو کام مین لاتے تھے،

جہانگیر بادشاہ کے زمانہ مین غواصی ایک شاعر تھا اوس نے مولانا نخشی کے طوطی نامہ کو بکٹ کہانی کے طور پر نظم کیا تھا، اوس زمانہ کے دستور کے موافق کچھ ہندی کچھ فارسی ملی جلی نظم تھی میر حسن شعراے ریختہ کے تذکرے مین غواصی کا ذکر کرتے ہین، اور کہتے ہین کہ مین نے اوس کتاب کو دیکھا تھا مگر کوئی شعر اسوقت یاد نہین، اگر اوس کے دو چار شعر بھی ملجاتے تو پتہ چل جاتا کہ اوس زمانہ مین زبان کی

کیا حالت تھی،

میر حسن نے تذکرہ مین اسی عہد کے ایک اور شاعر کا ذکر کیا ہی جس کا تخلص خاکی تھا، وہ کہتے ہین کہ یہ دلی مین درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا، اس سے زیادہ اس کا کچھ حال معلوم نہین، مگر اوس کا ایک شعر کسی پیرمرد سے سنا ہوا اب تک یاد ہے،

ٹھانی ہے اپنے من مین ابتو یہی سرجن ۔۔۔ تجھ پیم کی گلی مین خاکی کو خاک ہونا،

اگر درحقیقت یہ اسی زمانہ کا شاعر تھا، اور یہ شعر اسی کا ہی جس کی شہادت کا توڑا ایک مجہول الحال پیرمرد پر ہوتا ہی تو خاکی کو دکن کا بادشاہ ماننا پڑیگا، جو خاک چھانتا ہوا دلی پہنچ گیا ہوگا،

جہانگیر ابراہیم عادل شاہ کا ہمعصر ہے، اوس وقت دلی مین اردو شاعری کا سراغ نہین ملتا، دکن مین اوس کی بنیادین قائم ہو رہی تھین، مگر اوس وقت زبان جس عالم طفولیت مین تھی اُس کا نمونہ محمد قطب شاہ، محمد قلی قطب شاہ، اور مولانا نصرتی کے اشعار پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہی،

خاکی[1] کا جو شعر میر حسن نے اپنے تذکرہ مین نقل کیا ہے، اوس کی زبان شمس ولی اللہ اور اون کے ہمعصر شعرا کی زبان ہی، اس وجہ سے میری قطعی رائے یہ ہے کہ میر حسن کو دھوکہ ہوا ہی یا کاتب کا سہو القلم ہے، بجائے جہانگیر کے عالمگیر ہونا چاہئے تھا،

---

[1] سید محمد بن جمال الدین، قادری ایک بزرگ شمس ولی اللہ کے ہمعصر تھے، خاکی تخلص تھا، اون کا مکمل دیوان مولانا حبیب الرحمان خان شروانی کے کتبخانہ مین موجود ہی، یہ دیوان ردیف دار ہی، علاوہ غزلون کے مثنوی اور مستزاد بھی ہی، ایک دو ریختیان بھی ہین، جو ہندی شاعری کا نمونہ ہین، مناجات بھی ہی، نعت بھی، اول سے آخر تک کلام عارفانہ رنگ مین ڈوبا ہوا ہی، مقطعون مین کثرت سے اپنے پیر کا نام لیتے ہین، زبان وہی ہی جو ولی کے دیگر ہمعصرون کی ہی، اس دیوان کے علاوہ ایک مثنوی اونکی فیض عام ہے، جو ۱۱۱۱ھ مین لکھی ہی، جس سال ولی نے وہ مجلس لکھی تھی، یہ ساڑھے سولہ جز کی کتاب ہی، اور سید عبد الرزاق چیف ٹرانسلیٹر نگیور کے کتبخانہ مین موجود ہے، میرا گمان غالب یہ ہی کہ میر حسن نے خاکی کا جو شعر نقل کیا ہی وہ انھین کا ہی، (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ)،

تاہم اس مین کچھ شبہہ نہین کہ اکبر و جہانگیر کے طرز حکومت سے کایستھون کے سوا ہندوستان کی اور قومون کی بھڑک بھی جاتی رہی تھی، وہ بھی فارسی پڑھنے لگے تھے اون کا میل جول مسلمانون سے بہت بڑھ گیا تھا اسی میل جول کا نتیجہ ہے کہ مخلوط زبان نے ایک قدم اور آگے بڑھایا پھر بھی وہ بازارون اور بے لطف صحبتون یا گیتون تک محدود رہی،

اوس زمانہ مین شاہی زبان فارسی تھی، بادشاہی فرمانون سے لیکر دفترون کے احکام تک اُسی زبان مین جاری ہوتے تھے، اسی مین عرائض اور مقدمے کے کل فرائض طے ہوتے تھے، اسی مین عام طور پر خط و کتابت ہوتی تھی، کیا ہندو کیا مسلمان سب کے دلون پر اوس کا رعب و اقتدار اس قدر چھایا ہوا تھا کہ ملکی زبان کو بے علمی کی علامت جانتے تھے،

اس وجہ سے اُردو زبان کو علمی دربار تک رسائی نہین ہوئی، اور مدت دراز تک دارالملک اور اوس کے گرد و پیش کے شہرون اور قصبون مین فارسی کا سکہ روان رہا، لیکن اطراف ملک کی یہ حالت نہین تھی وہان کچھ ایسے اسباب پیدا ہوتے گئے کہ مخلوط زبان (اردو) کی جڑ مضبوط ہوتی گئی،

دکن مین محمد شاہ تغلق کی بے عنوانیون سے بہمنیون کی جو عظیم الشان سلطنت قائم ہوگئی اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) علامہ شروانی نے مہربانی کر کے اون کے دیوان سے کچھ اشعار منتخب کر کے بھیجے ہین جو ملاحظہ طلب ہین:

جائز نہین تھی ہجر کے شب کی شکایتین ۔۔۔ مجکون خصوص آج تو نقدِ وصال تھا،

اپنے معشوق سنگ ہو رہنا ۔۔۔ ایک دل ایک رنگ ہو رہنا

خوش یہی حال ہو فقیری کا ۔۔۔ نفس و دل بیچ جنگ ہو رہنا،

جن نے مے کو پیا کے نوش کیا ۔۔۔ اوس کے حق مین ہوا ہو شربت تلخ

اور علاء الدین حسن گانگو کے نام قرعۂ سلطنت پڑا اوس نے شروع سے برہمنون کو مالی و ملکی عہدے دیکر حکومت مین دخیل کر لیا، مال کا دفتر ملکی زبان مین ہونے سے بہت سرعت کے ساتھ ملکی اور فارسی زبانین مخلوط ہو گئین،

فیروز شاہ کے بیٹون کے زمانے مین ظفرخان[۵۲] گجرات بھیجے گئے، دلی کی سلطنت اس وقت

۵۱ حسن گانگو ایک مفلوک الحال امیر زادہ تھا، اپنے خاندان کی تباہی کے بعد ملتان سے دلی آیا، یہان اسکا کوئی شناسا نہ تھا اتفاقاً جمنا کے کنارے گانگو پنڈت جو دربار شاہی کا منجم تھا اس کو مل گیا اور اس نے حسن کو پریشان اور خستہ پاکر اسکی سرپرستی کی، اور چند روز اپنے گھر مین مہمان رکھکر محمد شاہ تغلق کے دربار مین اوس کو باریاب کر دیا، حسن مین وہ تمام صفتین موجود تھین جو اقبال مندون مین ہوا کرتی ہین، دربار شاہی امیران صدہ مین اوس کو جگہ مل گئی، چند روز کے بعد بکری ای باغ وغیرہ مقامات اوسکو جاگیر مین ملے اور دکن کی تعیناتی ہو گئی، محمد شاہ تغلق کی سخت مزاجی سے امرائے شاہی سب پریشان رہتے تھے ایکبار کسی بات پر ناراض ہو کر دکن کے امرا نے بغاوت کر دی، بادشاہ نے بہت کوشش کی مگر وہ بغاوت کا استیصال نہ کر سکا، بڑھتے بڑھتے یہانتک نوبت پہنچی کہ علاء الدین حسن کو لوگون نے اپنا بادشاہ بنا کر گلبرگہ مین ایک جداگانہ سلطنت قائم کر لی، حسن نے گانگو پنڈت کو بلا کر صدر محاسب (اکونٹنٹ جنرل) کا عہدہ دیا اور اس خوبی سے ملک کا انتظام کیا کہ جو حصے اب تک اسلامی اقتدار سے باہر تھے وہ سب اوسکے قلمرو مین داخل ہو گئے، اسی طرح گانگو پنڈت نے زراعت و محاصل ملک کی افزایش مین پوری تندہی اور محنت سے خدمتین انجام دین جسکی وجہ سے اہل ملک مرفہ الحال اور خزانہ شاہی مالامال ہو گیا، حسن پہلا بادشاہ ہے جسنے برہمنون کو مالی صیغے دیکر شریک دولت بنایا، جبتک سلطنت بہمنیہ قائم رہی اور اوس کے بعد طوائف الملوکی کے زمانہ مین بھی برہمنون کے متعلق یہ صیغے ہمیشہ رہتے رہے اسی وجہ سے اوس ملک مین برہمنون کا رعب اقتدار بہ نسبت دوسرے ملکون کے زیادہ قائم ہو گیا ہے اور اب بھی صوبہ مدراس مین یہ اثر نمایان ہے،

۵۲ ظفرخان کے باپ کا نام سہارن تھا، ٹانک انکی قومیت تھی جسکو کہا جاتا ہے کہ کھتریون کی ایک شاخ ہے، سہارن فیروز شاہ تغلق کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے اور اپنی کارگذاری اور خوش قسمتی سے امارت کے درجہ تک پہنچے، وجیہ الملک انکو خطاب ملا، انکے بیٹے ظفرخان نے ان سے زیادہ ترقی کی، وہ ۷۹۳ھ مین گجرات کی حکومت پر سرافراز ہوئے، دلی کی سلطنت فیروز شاہ کے بیٹون اور پوتون کی نااہلی سے روز بروز برباد ہوتی گئی، اور گجرات مین انکی حسن کارگذاری سے انکی طاقت بڑھتی گئی، چند روز مین فیروز شاہ کی اولاد برباد ہو گئی اور ظفرخان کی اولاد نے تقریباً دو سو برس تک نہایت کروفر سے سلطنت کی،

لاش کی حیثیت رکھتی تھی، اونھون نے گجرات کو تسخیر کرکے ایک پایدار حکومت کی بنیاد ڈالی ہو تقریباً دو سو برس تک اون کے خاندان مین رہی، بانیِ خاندان کی اصل و نسل ہندوستان کی سرزمین سے تھی، اور ملکی زبان اون کی مادری زبان تھی، مگر شاہی دفتر فارسی مین تھا، اور کاروبار بھی سب فارسی زبان مین ہوتے تھے،

تاہم اس مین کچھ شبہہ نہین کہ ملکیون سے وہ ملکی زبان مین بات چیت کرتے اور بے تکلف صحبتون مین وہ اسی کو کام مین لاتے تھے، مگر جس زبان مین وہ گفتگو کرتے تھے وہ خالص گجراتی زبان نہ ہوتی تھی زیادہ چھان مین کرنے سے مشایخ کے ملفوظات اور بادشاہون کے سوانح مین جستہ جستہ ایسے فقرے ملتے ہین جو کسی کسی موقع پر اون کی زبان سے نکل گئے ہین، اون کو تبرک سمجھکر یا موقع کی اہمیت کے لحاظ سے انھین کے الفاظ مین نقل بنقل تاریخ نے ہم تک پہنچایا ہو، اگر ان سبکو تلاش کرکے یکجا کیا جائے تو زبان کی درجہ بدرجہ تبدیلی کا حال خوب معلوم ہو سکتا ہو، مثال کے طور پر چند نمونے پیش کرتا ہون جو اس وقت پیشِ نظر ہین،

۱۔ سید جلال الدین حسین بخاری (مخدوم جہان جہانیان گشت) کے پوتے بارہ[۱۲] برس کے سن مین گجرات چلے آئے تھے، اور یہین بود و باش اختیار کر لی تھی، نام و لقب اون کا برہان الدین عبداللہ بن محمود تھا، مگر گجرات والے ان کو قطب عالم کہتے ہین، ان کے بڑے بیٹے کا نام و لقب سراج الدین محمد بن عبداللہ تھا، ان کو شاہ عالم کہتے ہین، یہ دونون باپ بیٹے اپنی خاندانی وجاہت کے ساتھ بڑے پایہ کے بزرگ بھی تھے، اسی وجہ سے شاہانِ گجرات ہمیشہ اِن کے سامنے سر نیاز خم رکھتے تھے، جام جانو حاکم سندھ نے اپنی دو لڑکیون مین سے ایک کی نسبت شاہ عالم سے کر دی تھی اور دوسری کی محمد شاہ بادشاہ گجرات سے،

جس کی نسبت شاہ عالم سے ہوئی تھی، وہ حسن و جمال مین اپنی بہن سے اچھی تھی، محمد شاہ کو

اس کی خبر لگی تو اس پر زور وزر کا دباؤ ڈال کر نسبت بدلوا دی، شاہ عالم کو سن کر اس کا ملال ہوا، انھون نے باپ سے جا کر شکایت کی، اوس وقت قطب عالم ایک حالت مین تھے، سنکر اون کی زبان سے بیساختہ یہ فقرہ نکلا جو انھین کے الفاظ مین ہم تک پہنچا ہی،

بیٹے تیسا نصیب دہون وہجہ ،[۱]
(تیرے دوونن)

۲۔ قطب عالم ایک بار تہجد کی نماز کو اٹھے، پیشاب کرنے کے بعد کلوخ لیکر ٹہل رہے تھے کہ رات کے اندھیرے مین کسی لکڑی یا پتھر سے پاؤن ٹکرایا، اور چوٹ آگئی، اوس وقت آپ کی زبان سے بے ساختہ نکل پڑا،

لوہے یا لکڑ یا پتھر یا کیا ہے ،[۲]
(لوہا، لکڑی)

۱؎ خدا کی قدرت دیکھو محمد شاہ کے مرنے پر اوس کا بیٹا احمد شاہ تخت نشین ہوا محمد شاہ کا دوسرا بیٹا سندھ کی بیگم سے فتح خان تھا جو آگے چل کر محمود شاہ اول اور محمود شاہ بیکرہ کے نام سے مشہور ہوا ہی، اس کا سن اوس وقت دس برس سے کم تھا، اسکی مان کو احمد شاہ کی طرف سے خطرہ پیدا ہوا، وہ اس خیال سے فتح خان یا کہو محمود کو بھائی سے گزند نہ پہنچے، اوس کو لیکر اپنی بہن کے پاس شاہ عالم کی خانقاہ مین چلی آئی، چند روز کے بعد بہن کا انتقال ہو گیا، شاہ عالم نے اوس کو پیغام بھیجا کہ جب تک تمھاری بہن زندہ تھی تم محرم تھین، اور ہمارے گھر مین رہ سکتی تھین، اب کوئی دوسرا انتظام کرو، اوس نے اپنے بھائی سے مشورہ کرنے کے بعد کہلا بھیجا کہ میری نسبت آپ ہی سے ہوئی تھی، مگر بادشاہ نے میرے باپ پر دباؤ ڈال کر بدلوا دی، اب آپ مجھکو اپنی لونڈی بنا کر رکھئے، یہ سن کر شاہ عالم نے اوس سے نکاح کر لیا، اور قطب عالم کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو گئی، قطب عالم نے ۸۵۷ھ؁ اور شاہ عالم نے ۸۸۰ھ؁ مین وفات پائی،

۲؎ صبح کو دیکھا گیا تو وہ ایک ایسی چیز نکلی جس پر تینون چیزون کا شبہہ ہوتا تھا، اور تینون کی خاصیتن اوس مین پائی جاتی تھین، اوس کو لوگون نے عجیب چیز یا قطب کی کرامت سمجھ کر مدتون رکھ چھوڑا، اکبر شاہ نے جب گجرات فتح کیا ہی تو وہ بھی لوگ دیکھنے کو گئے، اس قصہ کو نظام الدین ابو الفضل اور فرشتہ نے اپنی اپنی تاریخون مین نقل کیا ہی،

۳۔ محمود شاہ اول کا سن دس برس کا تھا، اور وہ شاہ عالم کے گھر مین اپنی خالہ کے پاس رہتا تھا، اوس کا بھائی احمد شاہ دوم برسرِ حکومت تھا، وہ چاہتا تھا کہ محمود شاہ کو اپنے قابو مین کر لے مگر شاہ عالم کی وجاہت سے محلسرا مین داخل ہوکر اوس کو نکال نہ سکتا تھا،

ایک دن معلوم ہوا کہ محمود فلان جگہ شاہ عالم کے پاس بیٹھا پڑھ رہا ہے بادشاہ بنفس نفیس سوار ہوکر اوس جگہ دفعۃً پہنچ گیا، خادمون نے بغیر اجازت اندر داخل ہونے سے روکنا چاہا، مگر شاہ عالم نے آواز پہچان کر کہا کہ آنے دو اور محمود کی طرف دیکھکر فرمایا،

پڑھ ڈوکرے
پڑھ بڈھے

بادشاہ آکر دیکھتا ہو کہ ایک پیر مرد حضرت کے سامنے بیٹھا پڑھ رہا ہو، آکر مسند پر بیٹھ گیا، اور اثنائے گفتگو مین ادھر اودھر دیکھتا بھی رہا، جب محمود کو نہ پایا تو اٹھ گیا، اور جاکر جاسوسون کو سرزنش کی،

۴۔ محمود شاہ اول[۱] کے عہد مین قاضی نجم الدین احمد آباد کے قاضی تھے، ایک دن اثنائے راہ مین

[۱] محمود شاہ اول گجرات کا سب سے بڑا اور سب سے اچھا بادشاہ گذرا ہو، ۸۶۳ھ مین تخت نشین ہوا، اور ۹۱۷ھ مین وفات پائی اور کچھ اوپر چوَن سال تک نہایت کامیابی کیساتھ حکومت کی، یہ بادشاہ علوم و فنون کی سرپرستی مین اپنا آپ ہی نظیر تھا، شیراز و مین سے علما و محدثین کثرت سے اس کے زمانہ مین آئے اور اس نے ہر ایک کے مرتبہ کے موافق وظائف مقرر کئے اور عہدے دیئے علاوہ اس کے دور دور سے صناع اور ہنرور لوگون کو بلاکر کام پر لگایا، اور اون کی حوصلہ افزائی کی زراعت کو اتنی ترقی دی کہ گجرات کے سارے جنگل اور بیہڑ کٹکر زمینین آباد ہوگئین، باغات خود بھی کثرت سے لگائے اور رعایا کو انعام دے دیکر حوصلہ دلایا، کہ جس سے ہر طرف باغ ہی باغ نظر آنے لگے، محمد آباد، محمود آباد، اور مصطفےٰ آباد کے نام سے کئی شہر آباد کئے، انصاف اور معدلت کے قوانین بنائے ان تمام باتون سے بالاتر یہ بات ہی جو میرے نزدیک اوسکی زندگی کا پر فخر کارنامہ ہی کہ اوس نے توسیع سلطنت کے خیال سے اپنے ہمسایہ بادشاہ پر کبھی قوت آزمائی نہین کی، جو آسودہ حالی اوس کے زمانہ مین اور اوس کے لائق جانشین مظفر شاہ حلیم کے عہد مین رعایا کو تھی وہ کبھی گجرات والون کو نصیب نہین ہوئی،

سنار کے ہاتھ مین ایک نہایت خوبصورت باب دیکھا جو مرصع بجواہر تھا، پوچھا کس کا ہے، اوس نے کہا بادشاہ کا، یہ سن کر اوس کے ہاتھ سے لے لیا اور زمین پر ٹپک کر ٹکڑے کر ڈالا، بادشاہ کو خبر ہوئی تو ہنس کر فرمایا،

نیچی بیری کا ہر کوئی جھورے،

مقصد یہ تھا کہ احتساب کا سارا زور ہم پر صرف کیا جاتا ہے، شاہ عالم کے یہان جا کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہین کرتے جو دھڑلے سے سماع سنتے ہین،

(۵) بہادر شاہ ایام شاہزادگی مین شیخ جیو کا مرید ہو گیا تھا، اور انھون نے اسکو سلطنت کی بشارت دی تھی، سکندر خان کو جو ولیعہد اور صاحب اقتدار تھا یہ سن کر ملال ہوا، اوس وقت بہادر شاہ کی جاگیر مین صرف دو گاؤن تھے جن سے اوس کا خرچ چلتا تھا، اپنے والد مظفر شاہ حلیم کی خدمت مین کئی بار عرضداشت کی مگر جب اون کو متوجہ نہ پایا تو بغیر اجازت و اطلاع کے قسمت آزمائی کے لئے نکل کھڑا ہوا اوس وقت دلی کی سلطنت کا ڈھچر ڈھیلا ہو رہا تھا، امرا مین بددلی پھیلی ہوئی تھی، وہ اس کے خواہش مند تھے، کہ مضبوط ہاتھون مین عنان سلطنت ہو،

پنجاب کے بعض امرا بابر شاہ مغل سے ساز باز کر رہے تھے، جونپور کے لوگون نے بہادر شاہ کو دعوت دی، یہ منچلا تو تھا ہی اسی امید پر جون پور کا قصد کر کے روانہ ہو گیا،

ادھر بہادر شاہ نے وطن چھوڑ کر غربت اختیار کی، اودھر اسکے پیر مرشد شیخ جیو کا انتقال ہو گیا، ان کے انتقال کی خبر سکندر لودی کو پہنچی تو خوش ہو کر طنز کے لہجہ مین کہا،

پیر موا مرید جوگی ہوا[۱]

---

[۱] مطلب یہ ہے کہ اب میدان صاف ہے، مگر خدا کی قدرت دیکھو کہ اوس کے تھوڑے ہی دنون کے بعد مظفر شاہ حلیم کا انتقال ہو گیا، ادھر سکندر خان تخت نشین ہوا ادھر امرا نے بہادر شاہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی، یہ وہ زمانہ ہے کہ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

۶ - بہادر شاہ کے پاس ایک طوطا تھا، جس کی میٹھی میٹھی باتین بادشاہ کو بہت پسند تھین، اور اوس کو وہ اپنے پاس سے جدا نہ کرتا تھا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷) بابر شاہ ہندوستان کی تسخیر کو آچکا تھا، اور ابراہیم لودی سے برسر پیکار تھا، بہادر شاہ اس تماشے کو دیکھتا ہوا لوٹ پڑا، ہنوز گجرات نہین پہنچا تھا کہ بعض نمک حرامون نے سکندر شاہ کو صرف دو مہینہ سولہ دن بادشاہی کرنے کے بعد تخت سے کھینچکر تختہ پر لٹا دیا، اور ایک کمسن بچہ کو تخت نشین کر دیا، بہادر شاہ کو اس واقعہ کی بھی اثنائے راہ مین اطلاع ہوئی، وہ کوچ در کوچ کرتا ہوا گجرات پہنچا اور ۹۳۲ھ مین عنانِ سلطنت اپنے ہاتھ مین لی اور جن نمک حرام نے اوسکے بھائی کو قتل کیا تھا اُنکو برطرح سے سزا دی،

بہادر شاہ گجرات کے بادشاہون مین سب سے زیادہ حوصلہ مند بادشاہ گذرا ہے، شجاعت اور بہادری کے لحاظ سے اسم بامسمّٰی تھا، مالوہ کا پورا ملک مع اوس کے توابع اور ملحقات کے اوس کے عہدِ دولت مین ممالک محروسۂ گجرات مین داخل ہو گیا تھا، اور دکن کی چار اسلامی سلطنتون نے اس کے نام کا خطبہ اپنے اپنے ملکون مین جاری کر دیا تھا،

چتوڑ اور رنتھنبور جیسے فلک فرسا قلعے اس نے بڑی آسانی سے فتح کر لئے تھے، راجپوتانہ مین کوہ آبو تک جو آج کل ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ کے رہنے کا مقام ہے، اوس نے اپنی عملداری کو بڑھا لیا تھا، اور کوشش یہ تھی کہ دلی کی شہنشاہی پر ہاتھ مارے، مگر افسوس ہے کہ رومی خان نے اس سے دغا بازی کی اور بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا،

رومی خان اصل مین قسطنطنیہ کا باشندہ تھا، سواحل مین اوس نے اپنی قوت بازو سے بہت سے مقامات پر قبضہ کر لیا تھا، جب وس کو محسوس ہوا کہ سلطنتِ عثمانیہ کی جانب سے اوس کی گیرودار ہونے والی ہے تو بھاگ کر بہادر شاہ کے دامن مین پناہ لی، بہادر شاہ کو پرتگیزون سے ہمیشہ مقابلہ کرنا پڑتا تھا، اوس نے اس کو کام کا آدمی سمجھ کر ڈیو، دمن، تھانہ، ماہائم، راندیر، سورت وغیرہ مقامات جو سواحل پر واقع ہین اس کی جاگیر مین دیئے، اور اپنے یہان توپخانہ قائم کر کے اس کو نواب ناظر بنایا، اصلی نام مصطفےٰ بن بہرام تھا، بہادر شاہ نے رومی خان خطاب دیا تھا،

رومی خان کے خمیر مین بغاوت و سرکشی کا مادہ تھا کسی بات پر ناخوش ہو کر اس نے دغا بازی کی ٹھان لی جب مالوہ مین ہمایون بادشاہ سے جنگ کی ٹھہری تو اس نے بہادر شاہ کو مشورہ دیا کہ وہ تمام لشکر کو یکجا کر کے توپخانہ کا قلعہ (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

جب مالوہ مین رومی خان کی نمکحرامی سے ہمایون بادشاہ کے مقابلہ مین اوس کو شکست ہوئی اور بہادر شاہ کو بے سروسامانی کے ساتھ گجرات بھاگنا پڑا تو اوس طوطے کا پنجرا بھی (غنیمت) مال کے ساتھ ہمایون بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا، اوس کی حیرت انگیز باتون کو سن کر بادشاہ دنگ ہو رہا تھا کہ رومی خان بھی حاضر ہوا، بادشاہ نے فرمایا "بیا ئید رومی خان" اسکا نام سنتا تھا کہ طوطا چیخنے لگا،

پھٹ رومی خان حرامخور، پھٹ رومی خان حرامخور،

قرینہ یہ ہے کہ رومی خان کی نمکحرامی سے بہادر شاہ کو شکست ہوئی ہوگی تو اوس کے لشکر کے بچہ بچہ کی زبان پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸) گھیر کر محصور ہو جائے، ہمایون اس ملک مین اجنبی ہے، رسد نہ ملنے سے چند روز مین بھاگ کھڑا ہوگا، امرا وزرا نے کوشش کی کہ اس غلط مشورہ کو نہ مانا جائے، مگر بہادر شاہ کے دل مین اوس نے اتنا اعتبار پیدا کر لیا تھا کہ اور کسی کی اوسکے سامنے کچھ نہ چلی اور اوس کے مشورہ پر عمل کیا گیا، اوس نے جب دیکھا کہ یہ محصور ہو گئے تو ہمایون سے نامہ و پیام شروع کر دیئے، جو رسد بہادر شاہ کے واسطے آتی وہ دشمن لوٹ لیتا، آخر کار ایک شب اوس نے میگزین مین آگ لگوا دی، ہمایون کو پہلے سے معلوم تھا، وہ اپنا لشکر لیکر ٹوٹ پڑا، یکایک اس واقعہ کے ہو جانے سے بہادر شاہ کا دل چھوٹ گیا اور اوسکو وہان سے بھاگنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہین آیا، ہمایون نے رفتہ رفتہ تمام گجرات پر قبضہ کر لیا، مگر اوس کا قدم گجرات مین اچھے طور پر جما نہ تھا کہ شیر شاہ ایسے دشمن اور بھائیون ایسے مار آستین دوستون کے ڈر سے وہ آگرہ واپس آیا، بعد بہادر شاہ نے امرا ہمایونی کو گجرات سے نکال کر پھر اپنی کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کی، مگر اوس کی تقدیر نے اوس کو چند روز کی مہلت بھی نہ دی، اب پرتگیزون سے اوس کو سابقہ پڑا اور یہ رومی خان سے بھی زیادہ دغاباز نکلے،

پرتگیزون نے دعوت کے بہانے سے بلا کر اس قصہ کو ۹۴۳ھ مین ہمیشہ کے لئے تمام کر دیا، اور اس طریقہ سے ڈیو، ڈمن، لوہ تھانہ وغیرہ اون کے قبضہ مین آ گئے، جنمین سے ڈیو اور ڈمن اب بھی انہی کے قبضہ مین ہین،

رومی خان کا انجام یہ ہوا کہ ہمایون بادشاہ نے اوس کو چتار گڈھ کے فتح کرنے پر مامور کیا، اور فتح ہو جانے پر اوسکو اوسی کی جاگیر مین دیدیا، مگر تھوڑے دن نہین گذرے تھے کہ زہر ہلاہل سے اوس کا کام تمام کر دیا گیا۔

یہ فقرہ چڑھ گیا ہوگا، اور اوس طوطے کو بھی سنتے سنتے یاد ہو گیا ہوگا، جس وقت ہمایون شاہ کی زبان پر رومی خان کا نام آیا، اوس کو سنکر وہ فقرہ یاد آگیا، اور اوس کو دہرانے لگا،

مین نے یہ چند مثالین صرف ایک کتاب مرأۃ سکندری سے لی ہین، اگر بزرگان دین کے ملفوظات مین جستجو کیجائے تو اردو کی درجہ بدرجہ ترقی پر کافی روشنی پڑ سکتی ہے،

اب اردو شاعری کی حقیقت سنیو

زیادہ چھان بین کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو شاعری کا ظہور دکن سے ہوا ہے، اس کا ایک خاص سبب ہے، جس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی حاجت ہے،

دلی مین قطب الدین ایبک سے لیکر اکبر شاہ تیموری تک جتنے بادشاہ ہوئے ترک ہون یا افغان، سید ہون یا مغل، اون مین بیشتر ولایت زا ہوئے، اور اگر اون کی اولاد بھی برسرِ حکومت ہوئی تو وہ بھی آئین و قوانین مین اپنے اسلاف کی پیروی کرتی تھی،

شاہی زبان ہمیشہ فارسی رہی اور اسی زبان مین شاعرون کو اپنے جوہرِ قابلیت کے چمکانے کا موقع ملتا رہا، جس طرح سے آج تک انگریزون کو ہندوستانیون سے الگ تھلگ رہنا پسند ہے، یہان تک کہ انکی چھاؤنیان ہندوستانی آبادی سے دور تر مقامون پر قائم کرتے ہین، اتنا تو وہ اپنی رعایا سے کھنچے نہین رہتے تھے، تاہم رعب داب قایم رکھنے کو زیادہ میل جول بھی نہین کرتے تھے،

سب سے پہلے اکبر بادشاہ نے مصالح ملکی کے لحاظ سے قرابت و یگانگت ہندؤن سے پیدا کی اور چاہا کہ جو پردہ بادشاہ اور رعایا مین بیگانگی کا حائل ہے، وہ اٹھ جائے، تاہم شاہی زبان فارسی رہی، اور چنگیزی و تیموری تورہ پر آئین و قوانین سلطنت کی بنیاد باقی رہی،

بادشاہ و امرا سب کے سب فارسی بولتے اور ترکی زبان کے سیکھنے اور سمجھنے کی کوشش

کرتے رہتے، تم دیکھتے ہو کہ محمد شاہ رنگیلے جن کی ساتٗ پشتون نے ہندوستان کی آب و ہوا مین پرورش پائی ہے، اور اون مین سے ایک نے بھی ترکستان کی ہوا نہین کھائی وہ بھی ترکی زبان بولتے اور فارسی کو اپنی مادری زبان سمجھتے تھے اسی کے ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ہندوستان کے نام برآوردہ شعرا مین امیر خسرو، میر حسن، فیضی، غنی، بیدل، غنیمت اور ناصر علی جیسے چند نفوس کے سوا تمام تر وہی اہل سخن ہین جو وقتاً فوقتاً شاہان ہند کی فیاضیون کا شہرہ سنکر ایران سے ہندوستان آئے اور یہین کے ہورہے اور اونکی زبان فارسی، نتائج فکر فارسی، اون مین سے بیشتر ساری عمر ہندوستان مین رہکر ملکی زبانون سے ناآشنائے محض رہے، لیکن ہندوستان مین بہت کم ایسا ہوا ہے کہ دور ترین صوبے شہنشاہی طاقت کے زیر اقتدار ہمیشہ رہے ہون، کشمیر مین ظہور اسلام سے لیکر اکبر شاہ کے زمانہ تک ہمیشہ آزاد حکومت برسر اقتدار رہی، وہان کے بادشاہون نے شاہان دہلی کے سامنے کبھی سر نیاز نہین جھکایا، بنگال اور سندھ کبھی آزاد اور کبھی ماتحت ہوتے رہے، دکن مین محمد شاہ تغلق کے ناروا تشدد سے ایسی عظیم الشان سلطنت قائم ہوئی جس کی یادگار عالمگیر مرحوم کے زمانہ تک باقی رہی، گجرات، مالوہ اور جونپور مین فیروز شاہ کے بعد آزاد سلطنتین قائم ہوئین، جو سیکڑون برس تک زندہ رہین،

یہ حکومتین بیرونی حملون سے ہمیشہ بے خوف رہین، ایران و توران سے جو بادل گھر کر آتے تھے وہ دلی پر گرج برس کر نکل جاتے تھے، یا جو بجلی گرتی تھی وہ دلی پر گرتی تھی، آج غلامون کی سلطنت ہے، کل خلجیون کی، پرسون تغلق کی، کبھی سید برسر حکومت ہین، کبھی افغان، کبھی مغل جو آیا اس نے پچھلون کو مار ہٹایا اور خود تاج و سریر کا مالک بن بیٹھا، ایک تیموریون نے کئی سو برس حکومت کی، باقی سب

لہ محمد شاہ جن روز دن سادات کے پنجہ مین گرفتار تھے اور سادات کی مرضی کے خلاف سانس بھی نہین لے سکتے تھے اس زمانے مین اعتماد الدولہ محمد امین خان کو اگر کبھی موقع مل جاتا تو ترکی زبان مین گفتگو کرکے اپنا کام نکال لیتا تھا۔ دیکھو سیر المتاخرین صفحہ ۴۳۳ مطبوعہ نولکشور پریس۔

دو و و تین تین پشتون سے زیادہ نہین چلے،

یہ حالت ان بادشاہون کی نہ تھی جو اطرافِ ہند مین برسرِ حکومت تھے، جس خاندان مین سلطنت آئی آخر تک اسی خاندان مین رہی علاوہ اسکے کچھ خاندان ان مین ایسے تھے جو خالص ہندی النسل تھے اور نہین بھی تھے تو دو چار پشتون کے بعد ہندی ہو گئے تھے، خصوصًا دکن مین جہان ملکی اور غیر ملکی کے جھگڑون سے صفحات تاریخ بھرے پڑے ہین،

معلوم ہوتا ہے کہ اہل دکن مین عصبیت کا مادہ زیادہ تھا، ان کو غیر ملکیون کی ہر چیز سے نفرت تھی عرب کشی کا تماشا دیکھنا ہو تو تاریخ فرشتہ مین بیجاپور، احمد نگر، اور گلکنڈہ کے حالات پڑھو، اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنی مستقل ہستی قائم کرنے کو زبان اور شاعری مین بھی غیر ملکیون سے الگ رہنا چاہتے تھے،

افسوس ہے کہ ہم اس کا ٹھیک زمانہ متعین نہین کر سکتے کہ دکنی زبان فارسی آمیز مین شعر و سخن کا آغاز کس وقت سے ہوا ہے مگر جیسا کہ قاعدہ ہے ہندی دوہرون مین پہلے فارسی الفاظ اور فارسی ترکیبون کی آمیزش ہوئی ہوگی اور اس کے بعد فارسی بحرون کو اختیار کیا ہوگا، اور سرکاری تقریبون مین بادشاہون کی تعزیت و تہنیت کا کام اس سے لیا گیا ہوگا، پھر رفتہ رفتہ دیگر اصنافِ سخن اس مین آگئے ہون گے آخر کار رقص و سرود کی محفلون اور عزاداری کی مجلسون کی گرمی ہنگامہ اسی پر موقوف رہ گئی ہوگی،

ابراہیم عادل شاہ بیجاپور کا بادشاہ تھا، اس کو ہندوستان کی موسیقی سے محبت نہین عشق تھا اور اس مین ایسا کمال پیدا کیا تھا کہ اس زمانے کے تمام گویئے اس کو جگت گرو کہتے تھے،

ابراہیم ۹۸۸ھ مین تخت نشین ہوا، نو برس کی عمر تھی دس برس تک دکنی امرا کی نگرانی مین رہا، اور دکنیون کے زور سے غیر ملکی اس کے گرد و پیش سے خس و خاشاک کی طرح نکال پھینکے گئے، ایرانیون کا زور بہت کچھ گھٹ گیا بادشاہ خود ہندوستان مین پیدا ہوا ہندوستان مین پرورش پائی، ہندوستانیون پر

حکومت کرنے کا موقع ملا اور خدا جانے طبعی مناسبت یا اثرِ صحبت سے ہندوستان کی موسیقی کا شوق پیدا ہوا اور ایسا بڑھا کہ اطرافِ ہندوستان سے بلاکر تین چار ہزار گویے بیجاپور مین جمع کر لئے۔

سنہ۱۰۰۸ھ مین بیجاپور کے قریب نورس پور کے نام سے ایک بڑا شہر آباد کیا جس مین گروؤن اور چیلون کے لیئے بڑی بڑی محلسرائین عمدہ عمدہ باغات صاف اور ستھرے بازار تھوڑے دنون مین بنکر تیار ہو گئے، شاہی محلسرا کا نام نورس محل، شاہی مہر پر نورسی، سکہ پر نورس علم دنشان کے نام نورسی، دھرپد مین ایک کتاب ملکی زبان مین لکھی تھی اس کا نام نورس نامہ، ظہوری نے اس کا دیباچہ فارسی مین لکھا جو سہ نثر ظہوری کے نام سے مشہور ہے، اس کا نام دیباچۂ نورس نامہ قرار پایا،

مثل ہے الناس علیٰ دین ملوکہم، بعض شاعرون نے اپنا تخلص بدلکر نورسی قرار دیا، ظہوری فارسی نثر و فارسی زبان کا مشہور شاعر ہے، وہ بھی فارسی مین ہندی الفاظ بے تکلف استعمال کرتا ہے، نمونہ ملاحظہ ہو،

زچہ کھنڈیش سایہ بر آفتاب — سپہر از سر افرازیش در حساب

ایک جگہ ساقی نامہ مین لکھتا ہے،

دہندش اگر نازنینان اگال — شود چہرۂ زرد خورسند آل

ابراہیم کو خود راگ اور راگنیون کو ترکیب دینے اور اپنی زبان مین شعر کہنے کا شوق تھا جو کچھ تصنیف کرتا گویون کو سناتا وہ اُس کو یاد کر کے پھیلاتے تھے، رفتہ رفتہ ملکی زبان مین جو نہ خالص ہندی تھی بلکہ عربی اور فارسی الفاظ کے امتزاج سے ایک نئی زبان ہو گئی تھی طبع آزمائی کرنے کا شوق عام ہو گیا، اور بڑھتا گیا، یہانتک کہ فارسی بحرون مین کہنے لگے،

گلکنڈہ مین محمد قلی قطب شاہ اسی ابراہیم کا معاصر نہایت علم دوست ہنر پرور بادشاہ تھا، علوم و فنون مین مہارت کلی رکھنے کیساتھ رنگین مزاج بھی تھا، عنفوانِ شباب مین بھاگ متی نام ایک عورت پر ایسا شیفتہ ہوا کہ گلکنڈہ سے چھ میل کے فاصلہ پر اپنی معشوقہ کے نام سے بھاگ نگر ایک شہر آباد کیا اور اُس مین عمدہ

عمدہ محلسرائین اور باغات تیار کئے، بھاگ متی کے مرنے پر جوشِ محبت سرد ہوا تو بھاگ نگر کا نام بدل کر حیدرآباد رکھا جو آج دولتِ آصفیہ کا پایہ تخت ہے،

محمد قلی شاعر بھی تھا فارسی اور اردو مین شعر کہتا تھا، اس کا مکمل دیوان نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ مین، اور کتب خانہ آصفیہ مین اسکا ضخیم کلیات اصنافِ سخن سے مملو موجود ہی جو قطب شاہی خاندان کا شاہی نسخہ ہے، کلام کا نمونہ اس لحاظ سے دیکھو کہ اردو کلام کا سب سے قدیم تر نمونہ جو ہم تک پہنچ سکا ہی، وہ یہی ہے اس سے پہلے کا کوئی شعر کم از کم میری نظرِ قاصر سے نہین گذرا،

پیا ہون حضرت کے ہات آبِ کوثر　　　تو شاہان اپر مجہ کلس کر بنا یا

سدا تو مدح نبیؐ و علیؓ کہ کہتا ہے　　　معانی شعر ترا تو لکھے ہین دست بدست

خورشید کہ اُپر سے ابرو ہلال عید　　　اُس ابروان کو سجدہ کیا ہی وصالِ عید

ہے محمد قطب شہ بارہ اِمامان کا غلام　　　مین سو عاجز واس ٹھہرایا علیؓ سنج دستگیر
آیت قرآن نازل جیون ہوا حضرت کے تئین　　　مرتضیٰؓ ہین بس دو جگ مین جیون محمدؐ بے نظیر

محمد قلی قطب شاہ نے سنہ ۱۰۲۲ھ مین وفات پائی، اس کے بعد اس کا بھتیجا اور داماد سلطان محمد قطب شاہ تخت و تاج کا مالک ہوا، یہ بھی شاعر تھا، فارسی مین ظل اللہ اور دکنی فارسی آمیز مین قطب شہ تخلص کرتا تھا اس کا بھی دیوان مکمل سالار جنگ کے کتب خانہ مین موجود ہے، سنہ ۱۰۳۵ھ مین اس نے وفات پائی،

کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو،

پیاسانولا من ہمارا بھولا یا　　نزاکت عجب سبز رنگ مین دکھایا

—————.—————

بے دام اس کا خدمت کرتا ہون اپنے دل سٓن　　دیتے ہین دام انکو ہور کرتے ہین عنایت

—————.—————

بکرید عید آیا صلوات بر محمدؐ　　آنند علم اجایا صلوات بر محمدؐ

—————.—————

انجانے مین جوانی گیا پند نا سنا　　قرآن اور حدیث سون ترکیب کر کلام

—————.—————

ساقیا آ شراب ناب کہان　　چندر کی پیالی مین آفتاب کہان

—————.—————

سلطان محمد قطب شاہ کے بعد اُس کا بیٹا عبداللہ قطب شاہ بادشاہ ہوا وہ بھی شاعر تھا،
۱۰۸۳ مین اس نے وفات پائی، یہ بھی صاحب دیوان گذرا ہے ؎
گفتم کہ خال و زلف کیا ہے وہ بول منجکو　　گدتا کہ زلف دام ہے ہور خال سو ہے دانا

—————.—————

اے پری پیکر ترا مکھ آفتاب　　دیکھتا ہون تو رہے نا منجہ مین تاب
قند اور نبات گلتا ہے اجھون　　دے نہ سک تری مٹھی لب کا جواب

—————.—————

راز کیا پایا تان نبی کے صدقے پوچھیگا اگر　　شاہ عبداللہ کو پوچھ اگر کہے ہی حاضر جواب
آب حیات تھی ہی زیادہ کہ لب ترا　　کہتے ہین منجسون خضر علیہ السلام بحث،

یہ تینون سرزمین دکن کی سلطنت کے ساتھ ملک سخن کی بھی حکومت رکھتے تھے مین نے ان تینون کا مندرجۂ بالا کلام آصفی کے تذکرہ سے نقل کیا ہے، اور ظن غالب ہو کہ انکے زمانے مین بہت سے باکمال شاعر ہوئے ہون گے جو اسی زبان مین شعر کہتے ہونگے، اس واسطے کہ بادشاہون کا میلان جس جانب ہوتا ہو اسی جانب لوگون کے خیالات متوجہ ہو جاتے ہین، اور نہ سہی مراثی یا بادشاہ وقت کی مدح مین قصیدے اسی زبان مین کہے جاتے ہونگے، مگر افسوس ہو کہ اس کے علم کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہین،

البتہ بیجاپور کے شعرا مین سے مولانا نصرتی، ملا ہاشمی اور میرزان مرثیہ گو کا ذکر بساتین السلاطین مین زبیری نے کیا ہے، اور نصرتی کے کچھ اشعار بھی نقل کیے ہین،

نصرتی محمد عادل شاہ کے زمانے کا شاعر ہے جو علی عادل شاہ کے اخیر زمانہ تک زندہ رہا، اسکی تصنیفات مین گلشن عشق ایک مثنوی ہے، اردو مین منوہر کنور اور مدمالتی کا قصہ اسمین نظم کیا ہے، دوسری کتاب علی نامہ اردو مین ہے شاہنامۂ فردوسی کا جواب، اس مین علی عادل شاہ بیجاپوری کے فتوحات بیان کیے ہین، ایک مجموعۂ قصائد ہے، ایک غزلون کا دیوان ہے،

ان کتابون کے علاوہ ایک پرانی بیاض میری نظر سے گذری ہو جسمین نصرتی کا معراج نامہ پورا نقل ہے، تاریخ کتابت ۲۲ محرم ۱۰۸۳ھ اسمین درج ہے، اور اکبرآباد مین لکھا گیا ہے، معلوم ہوتا ہو، کہ مولنا نصرتی کا کلام انھین کی زندگی مین اتنا مقبول ہو چکا تھا کہ اسکی نقلین بیجاپور سے اکبرآباد پہنچ گئین معراج نامہ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ محمد عادل شاہ متوفی ۱۰۶۷ھ کے عہد مین لکھا گیا ہو کیونکہ اسکو اسی بادشاہ کے مدحیہ اشعار پر ختم کیا گیا ہے نمونہ ملاحظہ ہو،

حمد ہے منعم کیرا خلق پہ اس دور کے	ہے جو سمی رسول خسرو ملک دکن
منبع لطف و عطا حامی دین باوفا	معدن جود و سخا ماحی کفر کہن،
صاحب فضل و ہنر صف شکن بحر و بر	ملجأ فتح و ظفر بادی شمشیر زن
غازی صفدر کے دل بل سون نکلتے نہین زور سے	دھاک سون ہماری ہیبات تمت ہین ہوئین جلد جلد

شہ سا بچن نول کون ہے جگ مین کہو، | یاد سے جس رسم کے جاے کدورت محن
راج سون شہ کے سدا حق تھی دعا مین پا | جیو سے منگے ہت لپیا بدور کے سب دو رن
لطف سون بھریا الہ شاہ کی شاہی تلک | جگ مین جلک برا چھین عشق دھرم کے پتن
جام سون عشرت جسم بزم یہ معمور اچھو | چرخ مین دن رین کے کرم بن جیون انجمن
شہ کی ثنا نصرتی نغز و نول یون لکھی | دو رکے دفتر او پر پڑا چھے ہر یک بچن

اسی دور کے دوسرے شاعر ملا ہاشمی تھے جو سید ہاشم حسینی کے مرید اور نظر یافتہ تھے، یہ بھی صاحب دیوان مین اور یوسف زلیخا کا مشہور قصہ اردو کی ایک مثنوی مین انھون نے نظم کیا ہے، مگر افسوس ہو کہ ان کے کلام کا نمونہ زبیری نے بساتین السلاطین مین نہین دیا،

آصفی نے محبوب الزمن مین ان کا تذکرہ کیا ہے، مگر ان کا نام شاہ ہاشم بیجاپوری بتایا ہی، اور سنہ وفات ۱۱۹۰ھ ظاہر کیا ہے، یہ دونون باتین میرے نزدیک صحیح نہین، بیجاپور کی جو تاریخین پیش نظر ہین، ان مین ان کا نام مذکور نہین، سید ہاشم یا شاہ ہاشم ان کے پیر مرشد کا نام تھا، جو حضرت شاہ صبغۃ اللہ گجراتی مہاجر مدینۂ طیبہ کی اولاد مین بہت عالی مرتبہ درویش تھے، سنہ وفات کی غلطی کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ نصرتی کے معاصر اور علی عادل شاہ کے زمانے کے شاعر اور سید ہاشم موصوف الصدر کے مرید ہین، کیا عجب ہو کہ ۱۰۹۰ھ کی جگہ ۱۱۹۰ھ غلطی سے درج کر دیا گیا ہو.

آصفی نے دو شعر بھی ایک جگہ نقل کئے ہین جو بجائے ریختہ کے ریختی مین ہین، ان شعرون کی زبان نصرتی کی زبان سے ٹکر نہین کھاتی، اسلئے عجب نہین کہ وہ شعر بھی کسی اور کے ہون.

اسی زمانہ کا ایک اور شاعر میرزا ن ہے، جو صرف مرثیے کہتا تھا، حمد و نعت و منقبت کے سوا کبھی اپنی زبان کو دوسری چیزون سے اس نے آلودہ نہین کیا، اس نے علی عادل شاہ کے عہد مین وفات پائی، اور افسوس کہ بساتین السلاطین مین زبیری نے اس کے کلام کا بھی نمونہ نہین دیا،

ان تینون کے سوا بیجاپور مین اور بھی شعرا گذرے ہین مگر افسوس ہو کہ اُن کے اتنے حالات بھی نہین ملتے جس سے بیان کا سلسلہ قائم رکھا جائے بیجاپور کی تباہی سے ان سب کا نام بھی مٹ گیا اور بچے کھچے حیدرآباد آ بسے اور وہین کے ہو گئے،

ابوالحسن تاناشاہ کا زمانہ تھا جو عبداللہ قطب شاہ مذکور کا داماد و جانشین اور شعر و سخن کا شیفتہ تھا اس نے ان لوگون کی سرپرستی کی میر حسن اور مرزا علی لطف نے اپنے اپنے تذکرون مین صرف ایک ہی شعر تاناشاہ کا نقل کیا ہے جو پیش کرتا ہون،

کس کون جا ؤن کہان مجھ دل بہل بچھڑا ہے — اک بات کے ہو گئے سجن یہان جی نی بارہ باٹ ہے

تاناشاہ[ل] کے مصاحبون مین شاہ قلی خان شاہی ایک مرثیہ گو شاعر تھے میر حسن کہتے ہین کہ ان کے اشعار دکن سے ہندوستان بڑے شوق سے لوگ لایا کرتے تھے اُن کا بھی ایک شعر ملاحظہ ہو،

ملنا تمھنکا غیر سے کوئی جھوٹ کوئی سچ کہے — کس کس کا منہ موندون سجن کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

ابوالقاسم مرزا ایک شاعر تھے جو تاناشاہ کے مصاحب اور معزز طبقہ کے لوگون مین تھے حیدرآباد کی تباہی کے بعد لباس درویشانہ پہن کر گوشہ نشین ہو گئے تھے، عبداللہ گنج مین رہتے تھے اور وہین زیر خاک سوتے ہین، ان کا بھی ایک شعر میر حسن کی زبانی سنئے،

عارض نہین چندر کا تری گال سون اچھا — سجھین ہمن کلف کو نہ تجھ خال سون اچھا

حیدرآباد کی تباہی کے بعد اورنگ آباد مین اکثر لوگون نے پناہ لی، عالمگیر مرحوم کی عمر کا بیشتر حصہ وہین بسر ہوا ہے، اور اس تقریب سے دلی اور اکبرآباد کے ہر طبقہ کے امرا، علما، مشایخ جن کو شاہی دربار سے کسی قسم کا واسطہ اور تعلق تھا، اورنگ آباد آ رہے تھے،

[ل] تاناشاہ کی دو ہی کتابین نکلی ہوئی تھین مین نے مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کے کتبخانہ مین جلالین کا ایک نسخہ دیکھا ہو جسمین دو ایک مقامون پر تاناشاہ کے حاشیے چڑھے ہوئے ہین،

ایک مدت تک اردو شاعری کا مرکز اورنگ آباد رہا۔ بہت سے شعرا وہان جمع ہوگئے۔ شمس ولی اللہ کے عروج و اقبال کا ستارہ بھی وہین چمکا۔ ان کے سوا اور جو شاعر وہان ہوئے ان مین سے چھبیس تیس شاعرون کا ذکر میر تقی میر نے اپنے تذکرہ مین سید عبدالولی عزلت کی بیاض سے نقل کرکے کیا ہے، اور اس سے کچھ زیادہ میر حسن نے لکھا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ان دونون کو ان شاعرون کے حالات اور اشعار نہین ملے، صرف ایک ایک دو دو شعر لکھدیئے ہین، میر صاحب کی رائے ان شعرا کے متعلق اچھی نہین ہے، مگر مین نے شعراے دکن کے ذکر مین یہ بات ثابت کی ہے کہ میر صاحب کی یہ راے اُن کی ناواقفیت پر مبنی ہے،

اُس زمانے مین اردو شاعری نے اتنا اعتبار پیدا کر لیا تھا کہ جو لوگ ولایت سے آتے تھے اور ان کو اردو زبان مین بولنا بھی نہین آتا تھا وہ بھی اس مین طبع آزمائی کرنا فخر سمجھتے تھے۔

مرزا معزالدین فطرت عالمگیری امرا مین بڑے پایہ کے شاعر تھے، موسوی خان خطاب تھا، اسی مناسبت سے معز فطرت اور موسوی تین تخلص اختیار کرے تھے انھون نے اردو مین شوق پورا کیا ہے۔ ملاحظہ ہو

از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے ۔ در خانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے۔

قزلباش خان امید اسی زمانہ کے بڑے نامور شاعر ہین اور اہل ہند کے ساتھ ان کے جلسون کی گرم جوشیان مشہور ہین، مگر اردو مین جو اظہار کمال کیا ہے وہ یہ ہے[۲]

باسن کی بیتی آج مری آنکھون پڑی ۔ غصہ کیا و گالی دیا و رد گر لڑی



---

[۱] اب تک اورنگ آباد اور اس کے نواح کے قصبات کی زبان شستگی حیدر آباد و نواح حیدر آباد سے اس لحاظ سے ممتاز ہو کہ اس مین دہلویت زیادہ محسوس ہوتی ہو۔ [۲] قزلباش خان امید کا یہ شعر غالباً اس زمانہ کا ہو جب ان کا قیام اورنگ آباد مین تھا، اخیر عمر مین دلی آرہے تھے، وہان جو طبع آزمائی کی ہو اس کا نمونہ آگے چل کر آئیگا۔

اُردو شاعری کا مرکز نقل دکن سے دلی کو منتقل ہوتا ہی،

عالمگیر مرحوم کے جنت نصیب ہونے کے بعد بیٹوں اور پوتوں مین سلطنت کے حصے بخرے کرنے مین خون کی ندیان بہنے لگین اور اس کا سلسلہ بتیس پچیس برس تک قائم رہا بلکہ یون کہنا چاہئے کہ محمد شاہ کی مدت سلطنت کو چھوڑ کر آخر تک رہا اور اس نے سلطنت کا کھوج لگا دیا، بہادر شاہ عالمگیر کے بڑے بیٹے نے تقریباً پانچ برس تک اور فرخ سیر بہادر شاہ کے پوتے نے چھ برس سلطنت کی، مگر بہادر شاہ ملایانہ مزاج کے آدمی مذہب کی دھن مین ایسے لگے کہ ان کا سر پیر اسی سے نہین چھوٹا فرخ سیر بادشاہ گرون کے پنجۂ غضب مین گرفتار تھے، اس عرصہ مین کسی کو چین سے زندگی بسر کرنے کا موقع نہین ملا، محمد شاہ کے زمانہ مین سادات کی قوت ٹوٹ جانے پر کچھ عافیت نصیب ہوئی، اسوقت اِدھر اودھر سے سمٹ کر دلی مین سب لوگ مجتمع ہو گئے محمد شاہ کی رنگیلی طبیعت نے رنگ دکھایا، امرائے دربار برسون سے خانہ جنگیان کرتے کرتے تھک چکے تھے ہتھیار کھول کر سب عیش و عشرت مین پڑ گئے، "شاعری اور بے فکری" مثل مشہور ہی، قزلباش خان امید، سلیمان قلی خان وداد، علی قلی خان ندیم، شیخ سعد اللہ گلشن، مرتضیٰ قلی خان فراق، میر شمس الدین فقیر، مرزا عبد القادر بیدل، سراج الدین علی خان آرزو ایسے بڑے بڑے صاحب فضل و کمال دلی مین مجتمع تھے، شمس ولی اللہ دکن سے آگئے، فراقی، فخری، آرزو، وغیرہ بھی دکن سے آئے مگر واپس گئے، ولی کچھ دنون کو رہ گئے اور ان کا رنگ دلی مین خوب جما ہر طرف سے قدردانی کی گئی، معرفت کی محفلون مین قوال انھین کی غزلین گانے لگے، اور ارباب نشاط یارون کو سنانے لگے، جو شعرا صرف فارسی مین اظہار خیال کرتے تھے انکو اردو مین بھی شعر کہنے کا شوق پیدا ہوا، قزلباش خان امید کا ایک شعر تم اوپر دیکھ چکے ۲ دو شعر ان کے اور سنو،

در و دیوار سے اب صحبت ہے　　　یا رب گھر مین عجب صحبت ہے



تیری آنکھون کو دیکھ ڈرتا ہون　　　الحفیظ الحفیظ کہتا ہون ،

ایک شعر پہلے پڑھ چکے دو یہ ہین، ان تینون کو ملا کر دیکھو معلوم ہوتا ہو کہ پہلا شعر کسی اور کا ہو یا پچھلے دو شعر امید کے نہین ہین، مگر نہین یہ تینون شعر انھین کے ہین، پہلا شعر اس وقت کا ہے، جب انکو نیا نیا شوق پیدا ہوا تھا اور یہ دکن مین تھے، ہندوستان مین رہتے رہتے اتنی زبان صاف ہو گئی تھی کہ یہ دو شعر نہایت صاف اور سادہ کہہ سکے، میر تقی میر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونون شعر دلی کی کمائی ہین،

مرزا عبد القادر بیدل بھی دور عالمگیری کے شاعر ہین، یہ بھی صرف فارسی مین اظہار کمال کرتے تھے مگر جب اردو کی گرم بازاری دیکھی تو انھون نے اس مین بھی شوق پورا کیا، ان کے بھی دو شعر نکات الشعرا سے نقل کرتا ہون،

مت پوچھ دل کی باتین وہ دل کہان ہے ہم مین　　　اس تخم بے نشان کا حاصل کہان ہے ہم مین
جب دل کے آستان پر عشق آن کر پکارا　　　پردے سے یار بولا بیدل کہان ہے ہم مین

مرزا علی قلی خان ندیم بھی فارسی کے مشاق شاعر ہین، مگر اردو مین بھی کبھی کبھی طبع آزمائی کی ہے، ؎

جدائی مین تری ہم کیا کہین کس طرح جلتے ہین　　　بجائے مو بدن سے آگ کے شعلے نکلتے ہین،



بیقرار عشق کو ہے زندگی نقص کمال ،　　　مر چکی سیماب تب کہتے ہین یہ اکسیر ہے،

مرزا مرتضیٰ قلی فراق بھی فارسی کے کہنہ مشق شاعر ہین، اردو مین فرماتے ہین، اور

خوب فرماتے ہین

تماشا اس چمن کا کس کے دل کو شاد کرتا ہی ۔۔۔ کہ یان اک لب تبسم غنچہ کو برباد کرتا ہی
اسیرون کی قسم تجھ کو صبا سچ کہہ کہ گلشن مین ۔۔۔ کوئی ان ہمنواؤن سے ہمین بھی یاد کرتا ہی

میر شمس الدین فقیر فرماتے ہین، ؎

زندگی موج آب ہے گویا، ۔۔۔ دم کا آتا حباب ہے گویا،
خال اس کی بیاضِ گردن کا ۔۔۔ نقطۂ انتخاب ہے، گویا،

سراج الدین علی خان آرزو بھی فارسی کے قادر الکلام شاعر ہین. میر تقی میر نے انھین کے دامنِ تربیت مین پرورش پائی ہے، وہ بھی کبھی کبھی اردو مین طبع آزمائی فرماتے تھے، آزاد نے انکو دوسرے دور کے اردو شعرا مین بٹھا دیا ہے، مگر یہ آزاد کی زبردستی ہی[1]، مجھ کو آرزو کے

---

[1] ... اردو ... پر ... نہین ہوتی بلکہ سب سے پرانا ... یہ ... تحفہ قائم یقین. ہدایت، حزین، بیان، بیدار ... اردو کے متاق شاعرون اور استادون کو تو کہین جگہ نہین دی باوجود یکہ ایک قائم کے ذکر مین خود فرماتے ہین کہ ان کا دیوان ہرگز میر و مرزا کے نیچے نہین رکھ سکتے پھر معلوم نہین کہ اس غریب کو کیون نظرانداز کیا، یہ عذر کہ قبول عام اور شہرت ... نہایت ... عذر بدتر از گناہ ہے.

مزہ یہ ہے کہ میر غلام حسین ضاحک کو میر و مرزا کی صف مین اور میر مستحسن خلیق کو ذوق و غالب کے دور مین جگہ دی ہے، جن کے دو دو چار چار شعر بھی نہین ملے کہ آبحیات مین درج کرتے آزاد پر موقوف نہین ضاحک کے فرزند رشید میر حسن کو بھی اپنے تذکرہ مین درج کرنے کو باپ کے صرف تین شعر ملے ہین بات یہ ہی کہ میر ضاحک کی طبیعت جیسا کہ انکے تخلص سے ظاہر ہی ہجو اور ہزل پر فریفتہ تھی اور زبان ایسی نرالی ایجاد کی تھی جس کو وہ سمجھین یا خدا سمجھے میر حسن ان کے بیٹے بطور معذرت کے فرماتے ہین کہ باوجود قوت آن علم کہ درد ہجو مولوی ساجد بکار بردہ چون طبائع سامعان بجو در خور سخن خود دیدہ فلہذا بقدر حوصلۂ آنہا بطرف ہزل توسن قلم راندہ لیکن زبان عجیب و غریب طرح کردہ است از دم تا بیدم کسے نگفتہ بنا بچہ یک مطلع ترقیم می نماید ؎ (باقی صفحہ آیندہ پر)

فضل وکمال مین کلام نہین، مگر اردو کے دوچار شعر کہہ لینے یا شعراے ریختہ کو عروض و قافیہ پڑھا لینے سے
اُن کو یہ حق نہین پہنچتا کہ اردو شعرا کی صف مین اُن کو جگہ دیجائے، اگر ایسا ہو سکتا ہو تو مرزا عبد القادر
بیدل، مرزا معز الدین فطرت، قزلباش خان امید، میر شمس الدین فقیر اور علی قلی ندیم نے کیا قصور
کیا ہے، اُنھون نے بھی دو دو چار چار شعر اردو مین کہے ہین اور اردو شعرا کے کلام مین اصلاح دی
ہے، اور ان کو شاعری کے گر بتائے ہین،

بہرحال سراج الدین علی خان آرزو نے اردو مین بھی طبع آزمائی فرمائی ہے جسکا نمونہ یہ ہے،

ہر صبح آوتا ہے تیری برابری کو، کیا دن لگے ہین دیکھو خورشید خاوری کو

کھلے سیپارۂ دل کھول آگے عندلیبون کے چمن مین آج گویا پھول ہین تیرے شہیدون کے

میخانے آج جا کر شیشے تمام توڑے زاہد نے آج اپنے دل کے پھپولے پھوڑے

تجھ زلف مین اٹک نہ رہے دل تو کیا کرے بیکار ہے اٹک نہ رہے دل تو کیا کرے

جان تجھ پر کچھ اعتماد نہین زندگانی کا کیا بھروسا ہے،

جن حضرات کا ذکر مین نے اس جگہ کیا ہے، انکے سوا اور بھی چند لوگ ہین جو باوجود فارسی مین کہنہ
مشق ہونے کے اردو مین بھی کبھی کبھی شوق پورا کرتے تھے، مگر سب کا ذکر طوالت سے خالی نہین،
مقصد اس تحریر کا یہ ہے کہ اردو شاعری کا آغاز بیجاپور یا حیدرآباد سے ہوا، مگر بیجاپور کو راس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یا ایہا الناس کرد بیان جہلا نکہ کل تو بچی پرا بیہ فرد بکا سرہ،

نہین آئی، سر منڈلاتے اولے پڑ گئے، حیدر آباد نے کچھ دنون اُس کی پرورش کی، آخر کار اُس کو بھی وہی روز بد دیکھنا پڑا جو بیجاپور دیکھ چکا تھا،

حیدر آباد کی تباہی کے بعد ریختہ نے اورنگ آباد مین انھین مغلون کے دامن مین پناہ لی، جنھون نے بیجاپور اور حیدر آباد سے اُس کو نکالا تھا،

عالمگیر مرحوم کے بعد چند دنون اِدھر اُدھر آوارہ رہنے کے بعد دلی مین ریختہ سے اردوے معلی کا خطاب پاکر ہندوستان کے گوشہ گوشہ مین پھیل گئی اور دلی کی آب وہوا مین پرورش پاکر دن دونی رات چوگنی ترقی کی، دوسری چیز جو میرے مذکورۂ بالا بیان سے معلوم ہوئی ہوگی وہ یہ ہے کہ شمس ولی اللہ کے ظہور سے پہلے اردو مین قصیدہ خوانی اور غزل سرائی شروع ہو چکی تھی، اور مثنویان لکھی جا چکی تھین، اس لئے اس بات کا افسوس کرنا پڑتا ہو کہ بعض تذکرہ نویسون نے ولی کو اولیت کا تاج پہنایا ہو، اور آزاد نے آبحیات مین زبانی حکایتون اور کتابی روایتون کی خاک چھانکر جو بات نکالی ہو کہ

شمس ولی اللہ نظم اردو کی نسل کا آدم جب ملک عدم سے چلا تو اسکے سر پر اولیت کا تاج رکھا گیا ۔ ۔ ۔ ۔ انھین ہندوستان کی نظم مین وہی رتبہ ہے، جو انگریزی کی نظم مین چاسر شاعر کو، اور فارسی مین رودکی کو، اور عربی مین مہلہل کو،

معلوم ہوتا ہے کہ آزاد نے اردو نظم کی تدریجی ترقی پر خوب غور نہین فرمایا، اور جن شاعرون نے ولی سے پہلے اردو زبان کو ترقی دینے مین جانکاہیان کی ہین، انکی کاوشون اور کاہشون پر خاک ڈالدی ہو،

اردو نثر کی تاریخ،

زیادہ چھان بین کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فضلی شاعر نے ۱۱۴۸ھ مین دہ مجلس کے نام سے ایک کتاب نثر اردو مین لکھی ہو، اور اس کا بیان ہو کہ اردو نثر مین یہ پہلی کتاب ہو،

سنہ ۱۱۴۱ھ مین شمس ولی اللہ نے ایک مثنوی شہدائے کربلا کے حالات مین لکھی تھی جیسا کہ وہ خود کہتے ہین ؎

ہوا ہے ختم جب یو درد کا حال
تھا گیارہ سو پہ اکتالیسوان سال

کہا ہاتف نے یو تاریخ معقول
ولی کا ہے سخن حق پاس مقبول،

فضلی نے جب وہ مجلس لکھی ہے اس وقت ولی زندہ تھے لوگون نے سمجھا کہ فضلی نے ولی کی مثنوی کو نثر کا جامہ پہنا دیا ہے، مگر وہ مجلس کے دیباچہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے کسی فارسی کتاب کا ترجمہ کیا ہے یہ بھی اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے نثر مین کوئی کتاب نہین لکھی، یا لکھی ہو فضلی کی نظر سے نہ گذری ہو، نمونہ اُس کی عبارت کا ملاحظہ ہو،

"پھر دل مین گذرا کہ ایسے کام کو عقل چاہئے کامل اور مدد کسو طرف کی ہووے شامل کیونکہ بے تائید صمدی اور بے مدد جناب احدی یہ مشکل صورت پذیر نہ ہووے اور گوہر مراد رشتہ امید مین نہ آوے لہذا کوئی اس صنعت کا نہین ہوا مخترع اور اب تک ترجمہ فارسی بعبارت ہندی نہین ہوا مستمع پس اس اندیشۂ عمیق مین غوطہ کھایا اور بیابانِ تامل و تدبر مین سرگشتہ ہوا لیکن راہ مقصود کی نہ پائی ناگاہ نسیم عنایت الہی دل افگار پر اہتزاز مین آیہ بات آئینہ خاطر مین منہ دکھائی"

اس تصنیف کے چند دنون بعد میر محمد حسین دہلوی کلیم تخلص نے احمد شاہ بادشاہ دلی کے زمانے مین فصوص الحکم کا اردو مین ترجمہ کیا، اور ایک کتاب اردو نثر مین لکھی، جس کی نسبت میر حسن تذکرۂ شعرا مین فرماتے ہین کہ "در ہندی نثر کتابے ایجاد کردہ" معلوم ہوتا ہے کہ اردو مین نثر نویسی کا اُس وقت تک رواج نہین ہوا تھا، اسی وجہ سے میر حسن اس کو ایجاد سے تعبیر کرتے ہین، ایک فقرہ بطور نمونہ کے میر حسن نے پیش کیا ہے، احمد شاہ کو مکحول کرنے کے ذکر مین کلیم نے لکھا ہے،:-

کل کے دن تھے بادشاہ اور وزیر، آج کے دن اندھے ہو بیٹھے بصیر،

ایسی دولت سے زنہار زنہار فاعتبروا یا اولی الابصار

تھوڑے دنون بعد میر عطا حسین تحسین باشندۂ اٹاوہ نے چار درویش کا قصہ امیر خسرو کی کتاب سے اردو مین ترجمہ کرکے نوطرز مرصع نام رکھا ۱۲۱۳ھ مین تصنیف و ترجمہ سے فراغت پائی، اس کتاب کے نام سے بھی اس بات کا پہلو نکلتا ہے کہ اس زمانہ مین بھی یہ نیا طرز سمجھا جاتا تھا،

۱۲۱۵ھ مین مرزا علی لطف نے گلزار ابراہیم مصنفہ مرزا علی ابراہیم خان بہاری کا ترجمہ اردو مسٹر گلگرسٹ کی فرمایش سے کیا، اور گلشن ہند نام رکھا، اس تذکرہ کو مولوی عبد اللہ خان نے چھپوا کر حیدرآباد سے شایع کر دیا ہے

یہ وہ زمانہ ہے کہ کلکتہ مین حکام کو اپنے مصالح ملکی کی لحاظ سے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ جو انگریز ولایت سے تازہ وارد ہوتے ہین، ان کو اُردو زبان سکھائی جائے اردو مین اس وقت تک ایسی کتابین موجود نہ تھین، اس لئے ڈاکٹر جان گلگرسٹ کے زیر اہتمام اس کام کو شروع کیا گیا،

دلی اور لکھنؤ سے زبان دان مجتمع کئے گئے، اور اردو زبان کو وسعت اور ترقی دینے کے لئے قصون اور کہانیون کی کتابین اردو مین لکھوائی گئین،

سید حیدر بخش نے طوطا کہانی لکھی جسمین ابن نشاطی کی طوطی نامہ کو اپنے زمانہ کے اردو زبان کا جامہ پہنایا ہے، اور اصل مین اس کا ماخذ سنسکرت کی ایک کتاب ہے ایک کتاب گل مغفرت یا دہ مجلس اولیا اللہ کے حالات مین لکھی، بہار دانش کا ترجمہ کرکے گلزار دانش نام رکھا. ایک اور کتاب تاریخ نادری لکھی جو کسی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے، آرایش محفل کے نام سے ایک کتاب لکھی جسمین حاتم طائی کا قصہ بیان کیا ہے،

میر بہادر علی حسینی نے میر حسن کی مثنوی سحر البیان کو نثر مین لکھا، اور اُس کا نام نثر بے نظیر رکھا،

اور ایک کتاب اخلاق ہندی کے نام سے لکھی جو فارسی کی مفرح القلوب کا ترجمہ ہے، اور اسکا ماخذ سنسکرت کی کوئی کتاب ہے،

میر امن دہلوی نے باغ و بہار آراستہ کیا، اس کا ماخذ امیر خسرو کی چہار درویش نہین بلکہ نوطرزِ مرصع ہے، یہ کتاب اُس زبان کا اعلی نمونہ ہی جو انیسوین صدی عیسوی کے آغاز مین دلی مین بولی جاتی تھی، ایک دوسری کتاب گنج خوبی کے نام سے لکھی جسکو اخلاق محسنی کا ترجمہ کہو یا اُسی طرز کی ایک کتاب سمجھو،

مولوی حفیظ الدین پروفیسر فورٹ ولیم کالج نے ابو الفضل کی عیار دانش کا ترجمہ کیا اور خرد افروز اُس کا نام رکھا، اس کتاب کا بھی اصل ماخذ سنسکرت ہی، جو عربی مین کلیلہ و دمنہ کے نام سے مشہور ہے،

میر شیر علی افسوس نے شیخ سعدی کی گلستان کا ترجمہ کرکے باغ اردو نام رکھا، اور ایک کتاب آرایش محفل لکھی جسمین ہندوستان کے مختلف حالات درج ہین، اور لالہ سبحان رائے کی خلاصۃ التواریخ سے ماخوذ ہین،

کاظم علی جوان نے شکنتلا کا قصہ لکھا، جو برج بھاشا کی کسی کتاب سے ماخوذ ہی، اور دستور ہند کے نام سے بارہ ماسہ تصنیف کیا جسمین ہندو مسلمانون کے تیوہارون کا ذکر ہے،

اکرام علی نے رسائل اخوان الصفا مین سے ایک رسالہ کا ترجمہ اخوان الصفا کے نام سے کیا ہے، اس مین انسان و حیوان کا جھگڑا بیان کیا ہے جو شاہ اجنہ کے سامنے پیش ہوا ہی اصل کتاب عربی زبان مین ہے.

سری لالو گجراتی نے پریم ساگر، راج نیتی اور لطائف ہندی ترجمہ یا تالیف کین، اور کاظم علی جوان کی مدد سے سنگھاسن بتیسی لکھی جو آدھی ہندی اور آدھی اردو ہی،

مظہر علی ولا نے بیتال پچیسی لکھی، جو مضمون اور زبان کے لحاظ سے سنگھاسن بتیسی کے مانند ہی اور خود ڈاکٹر جان گلگرسٹ نے اردو زبان کے قواعد قلمبند کئے اور اردو زبان کی لغت لکھی،[1]

معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ مین اردو زبان کی ہر دلعزیزی اتنی بڑھ گئی تھی کہ علما رکو اسی زبان مین مذہبی کتابون کے لکھنے کا خیال پیدا ہوگیا اور حضرت شاہ عبد القادر علیہ الرحمہ نے ۱۲۲۲ھ مین قرآن شریف کا اردو مین با محاورہ ترجمہ کیا، اور ان کے بھائی شاہ رفیع الدینؒ نے تحت اللفظ ترجمہ لکھا، اور ان کے بھتیجے مولانا محمد اسمٰعیلؒ نے اپنی کتاب رد الاشراک کے باب اول کا ترجمہ اردو مین تقویۃ الایمان کے نام سے کیا، اور انصاف یہ ہی، کہ شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کا موضح القرآن اور مولٰینا محمد اسمٰعیل کی تقویۃ الایمان زبان کی صفائی اور سادگی مین اب تک بے نظیر ہین، ان بزرگون کے بابرکت ہاتھون کے لگ جانے سے اردو زبان کا سکہ ہندوستان مین اس سرے سے اس سرے تک رائج ہوگیا،

---

[1] مقدمہ گلشن ہند،

اُردُو شاعری پر تبصرہ

مین نے امتیاز کے لئے اس کتاب کے تین حصے کر دیئے ہین، پہلا طبقہ متقدمین کے لئے مخصوص ہے، اور اس مین تین دور ہین، دور اول کے شعرا مین سے صرف ایک شاعر کا مین ذکر کر سکا ہون، دوسرے دور مین شعرا ے دکن اور تیسرے مین شعرا ے دلی کا بیان ہی

دوسرا حصہ متوسطین سے مخصوص ہے، اس مین بھی تین دور ہین، پہلا دور میر و مرزا کا دوسرا مصحفی اور میر حسن کا تیسرا ذوق و غالب کا،

تیسرا حصہ متاخرین کے ساتھ مخصوص ہے، اور اس مین بھی تین دور ہین، پہلا دور ناسخ و آتش کا دوسرا انیس و داغ کا، تیسرا حالی و اکبر کا، جنھون نے جدید شاعری کی بنیاد ڈالی ہے،

طبقہ متقدمین

اس طبقہ مین پہلا دور اُن شاعرون کا ہی جن کی نشو و نما حیدر آباد اور بیجاپور مین ہوئی ہے، اس دور مین جو شعرا صاحب دیوان ہوئے ہین ان مین سے محمد قلی قطب شاہ، سلطان محمد قطب شاہ، عبد اللہ قطب شاہ، مولانا نصرتی، اور مولانا ہاشمی کے نام ابتک معلوم ہو سکے ہین،

ان لوگون مین سے اوّل الذکر تین نام خاندانِ قطب شاہیہ کے تین بادشاہون کے ہین، جن کے دیوان حیدر آباد مین موجود ہین، اور اُن کے کلام کا بیشتر حصہ آصفی ملکاپوری نے تذکرۂ شعرا ے دکن مین نقل کیا ہی، ان کے زمانے مین اردو زبان عالم طفولیت مین تھی، دکنی الفاظ کثرت سے اس مین پائے جاتے ہین، اور میرا خیال ہے کہ شمالی ہندوستان کے رہنے والون کو ان کے اشعار کا بیشتر حصہ سمجھ مین نہین آسکتا،

طریقۂ بیان مین بھی کوئی ندرت نہین ہو، سیدھے سادے انداز سے پیش پا افتادہ مضامین کو نظم کر دیا ہے، تاہم اگر کوشش کر کے ان کا صاف اور سادہ کلام ایک جا کر دیا جائے، تو اردو زبان کی تاریخ کا سلسلہ مکمل ہو جائیگا،

دوسرے دور کے شعرا کا نشو و نما اورنگ آباد مین ہوا ہے، ان کی زبان منجتے منجتے بہت صاف ہو گئی ہے، تاہم دکن کا لب ولہجہ اور کہین کہین الفاظ و روابط جو اہل دکن کے ساتھ مخصوص ہین ان لوگون کے کلام مین پائے جاتے ہین، مثلاً نکو بجائے نہین کے، ہٹین بجائے ڈالین، ہٹ دینے بجائے ملا دیئے، بیگی بجائے جلدی، دستا دکھیتا کے معنون مین، آپس اپنے کی جگہ، سنگات ہمراہ، وہانچہ دہتی، باتان باتین، ان کے سوا اور الفاظ و روابط ہین، جو اس دور کے ساتھ مخصوص نہین، شعرائے دلی کے کلام مین بھی پائے جاتے ہین مثلاً سوتی ستین ستی بجائے سے، کوتن وا و معروف کے ساتھ بجائے کو، ہمن کو بجائے ہم کو، نمن بجائے طرح، موہن، سرجن، پی پیتم بجائے معشوق، جگ منے دنیا مین، برمنے بر مین یعنی گود مین، مجھ دل میرا دل، تجھ لب تیرا لب، جگت دنیا، بچن کلام نت ہمیشہ، مکھ منہ، بھیتر اندر، بھوان بھوین، پلکان پلکین، تو یہ، بگانہ بیگانہ، دوانہ، مرض سکون رے کے ساتھ بجائے مرض کے جس کی رے کو فتح ہے، تسبی تسبیح، سہی صحیح ہین کہا مین نے کہا ان کے سوا اور بھی الفاظ ہین جو طبقہ متوسطین کے شعرا بھی کام مین لائے ہین، ان کا ذکر وہان آئیگا،

ان دونون دور کے شاعرون کا انداز بیان بہت صاف وسادہ ہے، جو کچھ آنکھون کے سامنے دیکھتے ہین، اور اس سے دل مین خیالات گذرتے ہین، وہی زبان سے کہدیتے ہین، ایچ پیچ کے خیالات دور دور کی تشبیہین نازک استعارے نہین بولتے، اسی واسطے اشعار صاف و بے تکلف ہین،

مگر چونکہ اردو شاعری کی ابتدا فارسی کی انتہا سے جا ملی ہے، لہذا بہت سے خیالات

جو خاص ملک فارس سے علاقہ رکھتے ہین، اس مین خود بخود آگئے، مثلاً بجاے عورتون کے لڑکون کا عشق، ان کے خط کی تعریف، شمشاد، نرگس، سنبل، سوسن، بنفشہ، وغیرہ کی تشبیہین، لیلی، شیرین، شمع، گل، سرو وغیرہ کا حسن، مجنون، فرہاد، بلبل، قمری، پروانہ کا عشق، مانی و بہزاد، کی مصوری، رستم و اسفندیار کی بہادری، زحل کی نحوست، سہیل یمن کی رنگ افشانی، نوروز کا جشن، جام جم، خم افلاطون، راہ ہفتخوان، کوہ الوند، کوہ بے ستون، جوئے شیر، قصر شیرین، جیحون، سیحون، اور خدا جانے کیا کیا الفاظ ترکیبین اور خیالات فارسی سے اردو مین آگئے،

ان خیالون اور اشارون نے اردو شاعری کو سنگلاخ بنادیا جس کی مان بھاشا سی شیرین زبان تھی، جو ہم کو وہ چیزین بتاتی ہے جن کی کیفیت ان کے دیکھنے سننے سونگھنے چکھنے یا چھونے سے حاصل ہوتی ہے، مثال کے طور پر خیال کرو بارش کا موسم ہندوستان مین بہار کا موسم ہے، بادلون کا گھر گھر آنا، سرد ہواؤن کا چلنا، سر سبز اور شاداب درختون کا جھومنا، ہلکی ہلکی پھوہارون کا پڑنا، کوئل کا کوکنا، پپیہون کا پی کہان پی کہان کی صدا لگانا، یہ اور اسی قسم کی بہت سی دلکش باتین ہین جن کو دیکھ کر دل کو سرور اور آنکھون کو نور حاصل ہوتا ہے، اور انھین باتون کو اگر شعر کے قالب مین ایک خاص انداز سے ڈھالا جائے، تو اس کو سنکر دلون مین جوش اور طبیعتون مین اتنی امنگ پیدا ہو سکتی ہے، جو بہار فارس کو خواب مین نصیب نہین،

مگر بدقسمتی سے اردو شاعری مین گل و بلبل کا دخل ہوا جو متقدمین کے ہان کم کم ہو، متوسطین کے ہان کچھ زیادہ پایا جاتا ہے، اور متاخرین کی شاعری کا دار مدار اسی پر ٹھہر گیا، تحسین و آفرین کی ہوس مین کبھی صنعت در صنعت کبھی استعارہ در استعارہ سے اُسے اتنا تنگ و تاریک کر دیا کہ شاعری گورکھ دھندا بنکر رہگئی،

بہرحال متقدمین کے خیالات مین ندرت نہین ہو تو نہ ہو مگر اُن کا اندازِ بیان بہت بے تکلف اور سیدھا سادہ ہے، اس مین شعراے دکن و دلی مین باہم امتیاز نہین، البتہ یہ حیرت کی بات ہے، کہ شمس الدین ولی نے اپنے کلام مین ایہام اور رذو معنین سے اتنا کام نہین لیا، جتنا شاہ مبارک آبرو اور اُن کے معاصرین کام لیتے ہین، خدا جانے ان بزرگون کو اس کا شوق کیونکر پیدا ہوا میرے خیال مین آزاد کی یہ راے صحیح ہے کہ دوہرون کے انداز نے جو ہندوستان کا سبزۂ خود رو تھا اردو کو بھی اپنے رنگ مین رنگ دیا،

طبقۂ متوسطین

مین نے اس حصہ کو تین دور پر تقسیم کیا ہے، دور اول مین مرزا مظہر، مرزا رفیع میر تقی میر خواجہ میر درد، میر سوز، قائم، یقین، بیان، حزین، ہدایت، قدرت، بیدار، ضیا، جو اس دور کے اُن ممتاز شاعرون مین ہین جنھون نے زبان کی صحت و صفائی اور طرزِ بیان کی خوبی اور پاکیزگی مین نمایان حصہ لیا ہے،

دوسرے دور مین میر اثر، بقا، حسرت، راسخ، میر حسن، جرات، انشا، مصحفی، رنگین، اور فراق کا ذکر ہے، جھون نے زبان کو پہلے سے زیادہ صاف کیا ہے، اور طرزِ بیان مین بھی کسی کسی نے نیا انداز پیدا کر دیا ہی،

تیسرے دور مین نصیر، ممنون، ذوق، ظفر، مومن، غالب، تسکین، اور شیفتہ کا ذکر ہے جھون نے زبان کو بہت زیادہ صاف و ستھرا کر کے کلام کو گلہاے نگارنگ سے آراستہ کر دیا ہے اور لطف یہ ہے کہ صفائی اور سادگی کو بھی ایک حد تک قائم رکھا ہی،

دور اول، سب سے پہلا کارنامہ اس دور کے شعرا کا یہ ہے کہ زبان کی صفائی اور صحت مین پوری کوشش کی اور بہت سے الفاظ و روابط جنھین ولی اور اس کے ہمعصر بے تکلف کام

مین لاتے تھے، نکال ڈالے تاہم کچھ الفاظ ایسے رہ گئے جو اُن کے زمانہ مین فصیح سمجھے جاتے ہون مگر آج ہم کو اجنبی اور نامانوس معلوم ہوتے ہین مثلاً کیا بجائے کس کس، اُن نے جن نے بجائے اس نے جس نے، بھر نظر بجائے نظر بھر کے، دل اپنے کے بجاے اپنے دل کے، مجھ آنسو بجائے میرے آنسو کے جس تس نے بجائے جس کسی نے، ایدھر اودھر بجاے ادھر ادھر، کہنے لاگا بجائے کہنے لگا، دوانہ بگانہ بجاے دیوانہ وبیگانہ، رقیبان بجائے رقیبون کے انکھڑیان، آنکھون کی جگہ، سجن معشوق کے معنون مین، بیچ اندر کے معنون مین، دم کھار ہو، سانس نہ لو یعنی چپکے رہو، کنے پاس آپ ہین نا مین، نہ آپ ہین نہین، مین کہا، مین نے کہا، اسی طرح کے اور چند الفاظ ہین جو زیادہ تتبع کرنے سے مل سکتے ہین،

تاہم زبان کے صاف اور ستھرا کرنے مین اس دور کے شعرا نے جو کوششین کین ہین، وہ نہایت قابل قدر ہین،

(۲) دلپذیر اور دلکش اور پسندیدہ محاورات جو فارسی مین دیکھے، انھین کہین ترجمہ کر کے اور کہین بجنسہ لے لیا ہے، مثلاً تر دامن، پنبہ دہن، آتش زیر پا، کمر کوہ، دامن کوہ، گردن مینا، دست سبو، سرو آزاد، سوسن دہ زبان، نرگس شہلا، داغ جنون، طفل اشک، یاد ایام، بر آمدن، در آمدن، بسر آمدن، گوش کردن، بو کردن، چراغ کشتن، دل دادن، دل از دست رفتن، از جان گذشتن، از سر چیزی گذشتن، عرق عرق شدن، پیمانہ پر شدن، از جامہ بیرون شدن دامن افشاندہ برخاستن، خوشا بحال کسانیکہ حیف آنان یا حیف کسانیکہ اور اسی طرح سینکڑون الفاظ اور محاورے ہین جنھین اردو مین ایسی بے تکلفی سے کھپایا ہو کہ کہین سے جوڑ نہین کھلتا،

آزاد نے آب حیات مین اسی بحث کو بہت پھیلا کر بیان کیا ہی، اور ہر ایک کی مثالین شعرا کے کلام سے نکال کر پیش کی ہین، جو پڑھنے کے قابل ہین،

(۳۳) انھون نے یہ بھی بڑا کام کیا ہو کہ جو عاشقانہ مضامین غزلون مین بہت پہلے سے بندھتے چلے آتے ہین انکو بہ تبدیل الفاظ اور بہ تغیر اسالیب معمولی بول چال اور روزمرہ مین اس خوبصورتی سے ادا کیا ہو کہ بار بار پڑھئے اور مزے لیجیے، ان کی بندشین اگلی بندشون سے زیادہ چست اور لطیف اور ان کے محاورے اگلے محاورون سے زیادہ دلآویز و دلکش ہین، علاوہ اس کے قدیم جذبات وخیالات مین اپنے مبلغِ فکر کے موافق جو نزاکتین اور لطافتین انھون نے پیدا کی ہین، وہ باوجود پرانے روزمرہ اور محاورون کے بدل جانے کے اب تک ایسی ہین کہ لوگ اُن کو پڑھتے اور سر دھنتے ہین، مین نے اس کتاب مین ہر ایک کے اشعار اسی قسم کے انتخاب کئے ہین، جو اپنے اپنے موقع اور محل پر آئین گے، تاہم جی نہین مانتا، یہان بھی چند اشعار مثال کے طور پر نقل کرتا ہون،

مرزا مظہر علیہ الرحمہ

ہم گرفتارون کو اب کیا کام ہی گلشن سے لیک ۔ جی نکل جاتا ہی جب سنتے ہین آئی ہی بہار

مرا جی جلتا ہی اُس بلبلِ بیکس کی غربت پر ۔ کہ جسنے آسرے پر گل کے چھوڑا آشیان اپنا

کیا جوان مارا گیا خوبان کے ہاتھ ۔ لاکھ حسرت کھیت آئین جس کے ساتھ

مرزا رفیع رح

اے لالہ گو فلک نے دیئے تجکو چار داغ ۔ چھاتی مری سراہ کہ اکدل ہزار داغ

تو نے سودا کے تئین قتل کیا کہتے ہین ۔ یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہین

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا ۔ ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا مین

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر ۔ اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانہ مین

اس کشمکش سے دام کے کیا کام تھا ہمین ۔ اے الفتِ چمن ترا خانہ خراب ہو،

سودا تری فریاد سے آنکھوں مین کٹی رات
آئی ہے سحر ہونے کو ظالم کہین مر بھی

میر تقی میرؔ

ہم خستہ دل ہین تجھ سے بھی نازک مزاج تر
تیوری چڑھائی تونے کہ یان دم نکل گیا

باہم سلوک تھا تو اٹھاتے تھے نرم گرم
کاہے کو میرؔ کوئی دبے جب بگڑ گئی،

کعبہ مین جان بلب تھے ہم دوری بتان سے
آئے ہین اب کی یار وپھر کر خدا کے ہان سے

واعظ ناکس کی باتون پر کوئی جاتا ہے میرؔ
آؤ میخانے چلو تم کس کی باتون پر گئے،

آشیانے مین رات بلبل کے
آتش گل سے رات پھول پڑا

خواجہ میر دردؔ،

اسطرح سے یک بخت جو آنسو نہین تھمتے
معلوم ہوا دردؔ کہین آنکھ لڑی ہے

تیری گلی مین مین نہ چلون اور صبا چلے
یون ہی خدا جو چاہے تو بندہ کی کیا چلے

نزع مین تو ہون وے تیرا گلہ کرتا نہین
دل مین ہو وہ بھی و فا پر جی و فا کرتا نہین

قائمؔ

قائمؔ ضرور کیا ہو اب اس جنگجو سے صلح
مدت ہوئی کہ جان سے مین ہاتھ دھو چکا

طوفان گریہ کی ہے مرے حد عمر نوح
دریا نہین کہ آج چڑھا کل اتر گیا،

یقینؔ

شب ہجران کی وحشت کو تو اے ہمدرد کیا جانے
جو دن پڑتے ہین راتون کو مجھے تیری بلا جانے

گریبان چاک کرنے سے کسی کے کیا تجھے ناصح
ہمارے ہاتھ جانین اور ہمارا پیرہن جانے

(۴) ان بزرگون نے تشبیہ و استعارہ سے بھی کام لیا ہے مگر اعتدال کے ساتھ متاخرین کیطرح صفت در صفت اور استعارہ در استعارہ کرکے کلام مین پیچیدگی نہین پیدا کی،

تشبیہ و استعارہ کو محاورون کی رنگینی سے اس طرح چھپایا ہو کہ شعر سنکر اُس کی گرمی اور جوش و خروش مین انسان ایسا محو ہو جاتا ہے کہ تشبیہ و استعارہ کی طرف فوراً ذہن منتقل نہین ہوتا، اور یہی بات اُن کی شاعری کی جان ہو،

تشبیہ و استعارہ ایک فطری چیز ہے، ایک عامی بھی جوش و خروش مین غیظ و غضب کی حالت ہو یا رنج و غم کی جب کوئی بات کہتا ہے تو بیساختہ اُس کے منہ سے تشبیہ و استعارہ کے قالب مین ڈھلکر بات نکلتی ہے، اور وہ سننے والے کے دل پر وہی اثر پیدا کرتی ہو جو کہنے والے کے دل پر اُس وقت طاری ہو،

اگر شاعر اسی نکتہ کو پیش نظر رکھے گا، تو اُس سے سلیقہ مندی ظاہر ہو گی، اور اگر وہ بے اعتدالی سے کام لیگا، تو اُس شعر کو سنکر بجائے اس کے کہ اُس کے جوش و خروش کا دل پر اثر ہو تشبیہ و استعارہ کی پیچیدگی اپنی طرف متوجہ کرلے گی، اور اس طرح سے اُس کا مقصود فوت ہو جائے گا،

اگر تم یہ کہنا چاہو کہ فلان شخص بہادر ہے، اور اسی لفظ سے اُس کو ادا کر دو تو ادائے مطلب کا یہ ایک معمولی طریقہ ہوگا، اور اگر اسی بات کو یون کہو کہ وہ شیر کے مانند ہے تو یہ تشبیہ ہو گی اور اس مین زور پیدا ہو جائیگا، اور یون کہو کہ وہ شیر ہے تو زور اور بھی بڑھ جائیگا، اور اگر اس شخص کا نام نہ لو اور یون کہو کہ مین نے ایک شیر دیکھا، اور اس سے مراد اسی شخص کو لو تو یہ استعارہ ہے، اور اسی مقصد کو حاصل کرنے کا ایک طریقہ اور بھی ہے کہ شیر کا نام ہی نہ لیا جائے بلکہ اس کے جو مخصوص اوصاف ہین اس شخص کی نسبت استعمال کئے جائین مثلاً یون کہا جائے کہ وہ جب میدان جنگ مین ڈکارتا ہوا نکلا تو ہل چل پڑ گئی، تو یہ بھی استعارہ اور پہلے کی نسبت زیادہ لطیف ہے،

تشبیہ مین مشبہ اور مشبہ بہ کے درمیان اور استعارہ مین مستعار لہ اور مستعار منہ مین کسی قسم کی مناسبت کا ہونا ضروری ہی خواہ ایک صفت مین ہو یا چند اوصاف مین حواس ظاہری سے محسوس ہوتی ہو یا عقل سے اُس کا ادراک ہوتا ہو، یہی ایک چیز ہے جس مین سلیقہ سے کام لینے کی حاجت ہی، اور اس مین کچھ شبہہ نہین کہ طبقہ متوسطین کے شعرا نے عموماً اور اس کے دور اول نے خصوصاً بہت سلیقہ سے کام لیا ہے، مین چند اشعار پیش کرتا ہون، کچھ ضرور نہین کہ اپنی طرف سے حواشی چڑھاؤن، تم اپنے مذاق سلیم کی مدد سے ان پر غور کرو اور یہ دیکھو کہ جو کچھ مین نے کہا ہے، وہ اُن مین ہی یا نہین

میرزا مظہرؒ

یہ بلبلون کا صبا مشہد مقدس ہی قدم سنبھال کے رکھیو ترا یہ باغ نہین

مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو آتش کہو شرارہ کہو، کوئلا کہو،

مرزا رفیعؒ

چھیڑ مت باد بہاری کہ مین جون نکہتِ گل پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤنگا

ساقی ہے یک تبسم گل فرصتِ بہار ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سے بھر کہین

میر تقی میرؔ

صیاد دل ہی داغ جدائی سے رشک باغ تجھ کو بھی ہو نصیب یہ گلزار دیکھنا،

ستم شریک ترا ناز ہے زمانے کا فلک کو منہ نہین اس فتنے کے اٹھانے کا،

خواجہ میر دردؔ،

مثل نگین جو ہم سے ہوا کام رہگیا ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہگیا،

دل بھی لے درد قطرۂ خون تھا آنسوون مین کہین گرا ہو گا،

قائم

مجھ سا جہان مین کوئی آشفتہ سر نہین ہے یون تو زلفِ یار مگر اسقدر نہین

دل ڈھونڈھنا سینہ مین مرے بو العجبی ہی اک ڈھیر ہی یان راکھ کا اور آگ دبی ہی

یقین

نظر آتا نہین ثابت گریبان ایک غنچے کا چمن مین یہ ستم کرتا ہی اے بادِ صبا کوئی

یقین ہوا مجھے قطرہ سے اشک کے معلوم نہ اُٹھ سکے جو کوئی آنکھ سے گرا ہووے

بیان

ہم سرگذشت کیا کہین اپنی کہ مثلِ خار پامال ہو گئے ترے دامن سے چھوٹ کر

فرشتون کی عبادت کا مصلی ہو مراد امن اگر آلودگی دنیا کی اس کو پاک رہنے دے

(۵) اس دور سے پہلے شعرائے ریختہ، غزل، مثنوی، رباعی، قطعہ وغیرہ سب کچھ کہتے آئے ہین اور قصیدے بھی برائے نام لکھے ہین، مگر حقیقت یہ ہے کہ اُن کو قصیدہ نہین کہہ سکتے، دو چار شعرین کسی کی مدح کر دینے یا تشبیب، گریز، مدح اور دعا جو قصیدہ کے لوازم قرار پا گئے ہین، اُن سے تعرض نہ کرنے سے کوئی کلام قصیدہ نہین بن سکتا،

سب سے پہلے اسی دور کے شعرا نے قصائد دھوم دھام سے لکھے اور اُن کو اعلیٰ درجۂ فصاحت و بلاغت پر پہنچایا خصوصاً مرزا رفیع سوداؔ اس میدان مین فارسی شعرا سے بھی بعض باتون مین آگے بڑھ گئے ہین، اُن کے کلام کا زور و شور انوری کے کلام سے نہین دبتا، اور نزاکتِ مضمون مین عرفی کو بھی شرماتا ہی،

مثنویان وَلی اور ان کے تبعین نے بھی لکھی ہین، مگر عاشقانہ مثنویان جس شان کی میر تقی میر نے لکھی ہین ان کی نظیر اس دور سے پہلے نہین ملتی،

مرثیہ کے متعلق میرا یہ خیال ہے اور صحیح خیال ہے کہ اردو شاعری کی ابتدا اسی سے ہوئی ہے، حیدر آباد اور بیجاپور کے شعرا اکثر مرثیہ گو تھے، اور اُن مین سے بعض ایسے خوش گو تھے جن کے مرثیے آگرہ اور دلی تک قدردانون کے ہاتھ پہونچتے تھے، مگر اُس زمانے مین چو مصرے کہنے کا رواج تھا، سب سے پہلے اسی دور کے ملک الشعرا مرزا رفیع سودا نے اُسے مسدس کیا جس سے اُس مین وسعت پیدا ہوگئی،

واسوخت قدما کے ہان دیکھنے مین نہین آیا، سب سے پہلے اسی دور کے شاعرِ بے نظیر میر محمد تقی میر نے اس مین طبع آزمائی کی اور اس کوچہ مین جو کمال دکھایا، اُس کا طرۂ افتخار ہمیشہ انہین کے سر رہے گا،

ہجو گوئی شاعری کے گلشن کا ایک خار دار پھل ہی، مگر جسطرح سے گل کیساتھ کانٹون کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح شاعرانہ جوش و خروش کی تکمیل مین اس کو بہت کچھ دخل ہے، اسی وجہ سے عربی اور فارسی کی شاعری بھی اس سے نہین بچ سکی، مگر ریختہ گو شعرا کے اول طبقہ مین اس کا سراغ نہین ملتا، اگر کہین ایک دو شعر ہون تو وہ شاعرانہ نوک جھونک سے زیادہ نہین، اس دور کے شعرا مین مرزا رفیع اس کے بھی مرد میدان ہین گرمیِ کلام کیساتھ جو شوخی اور ظرافت ان کے حصہ مین آئی ہی، اُس کی نظیر دوسری جگہ نہین مل سکتی،

اُن کے ہمعصرون مین سے میر تقی میر، میر ضاحک، فدوی، ندرت، اور بقا نے بھی اس کوچہ کی خاک اُڑائی ہی، ع

مگر وہ بات کہان مولوی مدن کی سی

علاوہ ان چیزون کے مخمس، مربع، مثلث اور مستزاد، غرض کہ جتنے اصنافِ سخن ہین، سب مین ان لوگون نے طبع آزمائی کی ہی، اور اُردو شاعری کو ہر طرح سے مکمل کر دیا ہی،

(۶) ایک بڑا کارنامہ اس دور کے شعرا کا یہ ہے کہ تناسب لفظی اور صنائع و بدائع کی دوسری قسمین خصوصاً ایہام اور ذو معنین جو قدما کی شاعری کا مایہ ناز ہے، اُن کے دور کرنے مین انھون نے بڑی کوشش کی خصوصاً مرزا جانجانان مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے اس خارزار کو ایسا چھانٹا کہ شاعری ساحری بن گئی، پھر اپنے زورِ طبع اور خداداد قابلیت سے اچھوتے مضمونون اور فارسی ترکیبون اور اردو کے دلکش محاورون کو اس طرح پر ترتیب دیا، اور وہ خوبی پیدا کی کہ ایہام اور تجنیس وغیرہ صنائع لفظی جو ہندی دوہرون کی بنیاد تھے اُسے سب بھول گئے۔ یقین، حزین، بیان، حسرت، اور رفیقہ دردمند نے اُن کے سامنے زانوے تلمذ تہ کرکے اور میر و مرزا وغیرہ نے اُن کا تتبع کرکے اردو شاعری کو معراجِ کمال پر پہونچا دیا، یہ اردو شاعری کے مورخ کی سخت بے انصافی ہے کہ اُس نے مرزا صاحب کے اس احسان کا اعتراف نہین کیا بلکہ اُن کے کمالِ شاعری کو دبانے کی ہر جگہ بے سود کوشش کی ہے،

مولوی قدرت اللہ شوق طبقات الشعرا مین لکھتے ہین:۔

اول کسی کہ طرز ایہام گوئی را ترک نمودہ ریختہ در زبان اردوے معلی شاہجہان آباد کالمحاورہ پسند خاطرِ عوام و خواص گردیدہ مروج ساختہ زبدۃ العارفین قدوۃ الواصلین واقفِ رموزِ جناب اکبر کاشفِ کنوزِ طریقہ پیغمبر مرزا جانجانان متخلص بمظہر مرد است فرشتہ صفت الخ

شیخ غلام ہمدانی مصحفی اپنے تذکرہ مین فرماتے ہین:۔

"در ابتداے شوق شعر کہ ہنوز از میر و مرزا کسے در عرصۂ وجود نیامدہ بود و در دورِ ایہام گویان بود اول کسے کہ شعر ریختہ بہ تتبع فارسی گفتہ اوست"

کچھ دور آگے چل کر کہتے ہین:۔

"فی الحقیقۃ نقاش اول زبان ریختہ باعتقاد فقیر مرزا است بعدہ تتبعش بدیگران رسیدہ"

بہرحال ایہام گوئی کو ترک کر کے شعر کو بلند مضامین اور لطیف خیالات کے قابل بنانا اس دَو کے شعرا کا بہترین کارنامہ ہے، جو بھولنے کے قابل نہین،

(۷) سلسلۂ بیان مین یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اصنافِ سخن مین ہر چیز کو جس سلیقہ سے اس دور کے بزرگون نے بیان کیا ہو، وہ انھین کا حصہ تھا، قصیدون مین پرشوکت الفاظ بلند مضامین اور چسپت ترکیبین استعمال کین، غزلون مین بے تکلف زبان مین نرم نرم باتین عاشق و معشوق کے خیالات وصل کا ارمان فراق کی المناک کیفیت اور جذباتِ انسانی کی صحیح ترجمانی جیسی انھون نے کی اس کی نظیر قدما کے کلام مین نہین مل سکتی، میر تقی، میر درد، یقین، بیان، حزین، ہدایت اور بیدار کی غزلین پڑھو اور اپنے دل پر ہاتھ دھر کر دیکھو۔

یا جوش و خروش کلام کی گرمی اور دلآویزی، دلچسپ اور دل پسند بحرون مین جن مین سے اب تک بہت سی اردو مین نہین آئی تھین، پھر سنگلاخ زمینون اور مشکل ردیف اور قافیون مین شعر کی آب و تاب دیکھنا چاہو تو مرزا رفیع سودا اور قائم کا کلام دیکھو اور انصاف کرو اس کا دھندلا سا عکس بھی قدما کے کلام پر نہین پڑتا، اگر روزمرہ اور محاورے مین بیان کی بے تکلفی اور سادگی دیکھنا ہو تو میر تقی، میر درد، اور میر سوز کی غزلین پڑھو جس پر ہزارون طرح کی بناوٹین قربان ہوتی نظر آئین گی،

تصوف کا رنگ جو شعر کی جان ہو اور جس کے بغیر کلام روکھا پھیکا نظر آتا ہو، اس کو خواجہ میر درد سے پہلے سراج کے سوا کسی نے چھوا ہی نہین، اس کی آمیزش سے جو تڑپ اُن کے کلام مین پیدا ہو گئی ہے، اس کا اترا ہوا خاکہ بھی ان کے پیشرؤون مین نظر نہین آتا۔

بسا ہے کون ترے دل مین گلبدن اے درد   کہ بو گلاب کی آئی ترے پسینے سے

اس کے خیالِ زلف نے سب سے چھڑا دیا   گرچہ پھنسے ہین دام مین دل کو فراغ ہی،

گذرا ہے صبا کون بتا آج ادھر سے — گلشن مین ترے پھولون کی یہ باس نہین ہے

قاصد ترا یہ کام نہین اپنی راہ لے — اُس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

ایک ہی جست مین لی منزلِ مقصود اسنے — رہرو وادیٔ رشک کی جا ہے سفرِ پروانہ

اے دردیان کسو سے نہ دل کو لگائیو — لگ چلیو سب سے یون تو پہ جی مت پھنسائیو

دورِ دوم۔ سب سے نمایان کارنامہ اس دور کے شعرا کا یہ ہے کہ انھون نے زبان کی صحت اور صفائی مین ایک قدم اور آگے بڑھایا، اور بہت سے ناگوار الفاظ و روابط جن کو دورِ اول کے شعرا نے قدما سے ترکہ مین پایا تھا، انھون نے نکال ڈالے اور وہ ایک حد تک صاف و شستہ ہوگئی؛ تاہم انکھڑیان، جھمکڑا، بکھیڑا، ٹک، نت، زور، آئیان، جائیان، جاوَن ہون، کھینچون ہون؛ اپنے سے کہتا تھا، ایدھر، اودھر، تیسر، کنے، اور اسی قسم کے اور الفاظ باقی رہ گئے،

سید انشا کے کلام مین کچھ ناگوار الفاظ اپنے معصرون سے زیادہ ملتے ہین، مثلاً واچھڑے بھلا رے، مگر اُن کی سند نہین، وہ ہر جگہ دھینگا مشتی کرتے ہین، کہین آزادون کے لہجہ مین بولنے لگتے ہین، کہین رنڈیون کی زبان مین گفتگو کرتے ہین، کبھی پورب مین ہین کبھی پچھان مین اور کسی جگہ اُن کا رفیقِ زندگی یعنی تمسخر اُن سے جدا نہین ہوتا،

(۲) طرزِ بیان مین کوئی حسن و خوبی اس دور کے شعرا نے نہین پیدا کی، انھین پھولون سے گلدستے تیار کئے، جو ان کے پیشرو جمع کر چکے تھے، صرف اتنا کیا کہ شوخی اور ظرافت کیساتھ عاشقانہ شاعری مین حقیقت کے منہ سے نقاب کو ہٹا کر مجاز کو زیادہ نمایان کر دیا،

اس کی حقیقت یہ ہے کہ عاشقانہ شاعری کی دو قسمین ہین، اول وہ جس مین عاشقانہ جذبات کی صحیح کیفیت حق شناس آنکھون مین خدا نمائی کا جلوہ دکھاتی ہی، اس کی حد ایک طرف تصوف یا معرفت یا عشقِ حقیقی سے ملتی ہی، دوسری طرف پاک محبت اور عشقِ مجازی سے ڈانڈا ملجاتا ہی،

پہلی صنف مین خواجہ میر درد اور دوسری مین میر تقی میر نے نمایان حصہ لیا، اور اس دور کے شعرا مین سے سودا، قایم، ہدایت، یقین اور بیان وغیرہ زیادہ نہین تو کچھ کچھ اسی راستہ پر چلے ہین، اس دور کے شعرا مین سے میر اثر اور راسخ خواجہ میر درد کا تتبع کرتے ہین، میر حسن، مرزا رفیع وغیرہ کے راستہ پر چلتے ہین، اور مصحفی کا انداز کہین کہین پر میر سے ملتا ہی،

دوسری قسم وہ ہے جس مین پاک اور بے لوث عشق کی جگہ پر ہوس پرستی کے جذبات کی تصویر کھینچی گئی ہو، اس کا افسوس ہے کہ اس دور مین جرأت، انشا اور رنگین نے ترقی دے کر اس ناپاک طریقہ کی بنیاد ڈالدی جس پر متاخرین نے بلند عمارتین کھڑی کر دین اور یہ رنگ اتنا مقبول ہوا کہ سنجیدہ اور پاکیزہ خیال دم بخود ہو کر رہ گئے، تھوڑی دیر سنجیدگی کو بالاے طاق رکھکر ان کا بھی اندازہ دیکھ لو،

پہلے جرأت کی دلیری دیکھو:-

در تک اب چھوڑ دیا گھر سے نکل کر آنا ۔۔۔ یا وہ راتون کو سدا بھیس بدل کر آنا

کیا کیا وہ خفا مجھ سے ہوا گھر سے نکل کر ۔۔۔ جب مین نے پکارا اُسے آواز بدل کے

چھینٹے غیرون پہ جو کل آپ اڑے پانی کے ۔۔۔ پڑ گئے سینکڑون بس ہم پہ گھڑے پانی کے

کل واقف راز اپنے سے کہتا تھا وہ یہ بات ۔۔۔ جرأت کے یہان رات جو مہمان گئے ہم

کیا جانئے کمبخت نے کیا ہم پہ کیا سحر ۔۔۔ جو بات نہ تھی ماننے کی مان گئے ہم،

سید صاحب کی گل افشانی کچھ ان سے بھی بڑھکر ہے،

اب تو اگلی سی طرح کا نہین گہرا پردا ۔۔۔ رہ گیا آپ مین اور ہم مین اک ہرا پردا

کچھ اشارا جو کیا ہم نے ملاقات کے وقت ۔۔۔ ٹال کر کہنے لگے دن ہے ابھی رات کے وقت

نہ لگی مجھکو جو اس شوخ طرحدار کی گیند ۔۔۔ اس نے محرم کو سنبھال اور ہی تیار کی گیند

جاڑے مین کیا مزا ہو وہ تو سمٹ رہے ہون　　اور کھول کر رضائی ہم بھی لپٹ رہے ہون
جی چاہتا ہے اے دل اک رات ایسی آوے　　مطلع ہو صاف ستھرا بادل بھی پھٹ رہے ہون
سوتے ہون چاندنی مین وہ منہ لپیٹے اور ہم　　شبنم کا دوپٹہ بیٹھے الٹ رہے ہون

(۳) اُن لوگون کی طبیعت کی رنگینی نے اسی پر قناعت نہین کی بلکہ ریختہ سے ریختی کے شاخسانے کھڑے کر دیئے، آزاد کا یہ کہنا صحیح نہین ہے کہ رنگینؔ اور انشا اس کے موجد مین کیونکہ قدما کے ہان بھی اس کا سراغ ملتا ہے، مولانا ہاشمی بیجاپوری طبقۂ متقدمین کے دورِ اول کے مشہور شاعر ہین جنھون نے یوسف زلیخا ریختہ مین لکھی ہے، اُن کے یہ دو شعر آصفی ملکاپوری نے اپنے تذکرہ مین لکھے ہین،

رسنا گر مجھکو دیتی ہے کرونگی گھر مین جا وارد　　اگر مجھ ہو یگی فرصت صبح پھر آؤن گی چھوڑو
اگر کوئی آکے دیکھے گا تو دل مین کیا کہے گا　　مجھے بدنام کیا کرتے کہین مین جاؤن گی چھوڑو

مولانا ہاشمی کے بعد سید محمد قادری ایک باکمال شاعر گذرے ہین جو غالباً ولیؔ کے معصر تھے، ان کا تخلص عاکی تھا، اور ان کا مکمل دیوان ۱۱۹۰ھ کا لکھا ہوا مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کے کتبخانہ مین موجود ہے، اس مین ایک دو ریختیان بھی ہین جو ہندی شاعری کا نمونہ ہین، مگر اس مین شک نہین کہ ان کے سوا اور کسی کا کلام اس طرح کا نظر سے نہین گذرا، اس کے زندہ کرنے اور رواج دینے کا طرۂ افتخار مرزا سعادت یار خان رنگینؔ اور اُن کے دوست سید انشاء اللہ خان کے حصہ کا تھا جو انھین حاصل ہوا، انشاء اللہ خان ارشاد فرماتے ہین،

مین ترے صدقے نرکھ اے مری پیاری روزہ　　بندی رکھ لیگی ترے بدلے ہزاری روزہ
چبھتی ہے یہ نگوڑی مسلس کی اوڑھنی　　لادے وہی دوا مجھے ململ کی اوڑھنی

رنگینؔ،

مین وہ تو اوڑھنے کی نہین کل کی اوڑھنی
باجی اب مجھے منگا دے جھلا جھل کی اوڑھنی

آئی لچک کمر مین مری لو گودو ڑیو
گھٹنے تلک تو سر سے مرے ڈھلکی اوڑھنی

گرمی کے مارے ناک مین آئی ہے میری جان
تہ کرکے رکھ پٹاری مین آنچل کی اوڑھنی

ذرا گھر کو رنگینؔ کے تحقیق کر لو،
یہان سے ہے کے پیسے ڈولی کہار و

(۴) اس عہد کا بہترین کارنامہ میرؔ اثر کی مثنوی خواب وخیال اور میر حسنؔ کی مثنوی گلزار ارم اور اُس سے بھی بہتر اُن کی دوسری مثنوی سحرالبیان ہے، جس نے اتنی قبولیت حاصل کر لی تھی کہ آج تک کسی مثنوی کو نصیب نہین ہوئی،

اس مثنوی مین روزمرہ اور محاورہ کی صفائی، قافیون کی نشست ترکیبون کی چستی اور مصرعون کی برجستگی کے علاوہ ربط کلام کی خوبی اور ہر بیت کو دوسری بیت سے ایسا گہرا تعلق ہے جیسا زنجیر کی ہر کڑی کو دوسری کڑی سے ہوتا ہے، اور مطالب ایسی صفائی سے ادا کئے ہین کہ اگر انھین کو نثر کر دیا جائے تو نثر کا بیان نظم سے کچھ زیادہ صاف اور مربوط نہ ہوگا۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جو حالت کسی شخص یا کسی چیز یا مکان کی بیان کی ہے۔ وہ لفظاً و معنیً اس قدر عادت کے موافق ہے، جیسی فی الواقع ہوا کرتی ہے،

جس وقت عاشق و معشوق اتفاقاً ایک دوسرے سے روشناس ہوتے ہین، پھر جب اُن مین جدائی ہو جاتی ہے، پھر جب وہ ملتے ہین غرض کہ جس جس واقعہ کی تصویر کھینچی ہے، وہ صفائی اور سادگی کیساتھ اس قدر موثر و دلگداز ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے،

مین نے اس مثنوی کی دو ایک داستان میر حسنؔ کے ذکر مین انتخاب کی ہین، اس لئے یہان اُن کا دہرانا ضرور نہین، انتخاب کے وقت مین نے بہت کوشش کی کہ ہر داستان مین سے

بہت بہت سے اشعار نکال کر اسکو مختصر کرون، مگر ربط کلام کی خوبی نے مجھکو کامیاب نہین ہونے دیا،

دور سوم | اس دور مین نصیر، ممنون، ذوق، ظفر، مومن، غالب، تسکین، اور شیفتہ کا ذکر کیا گیا ہے

ان لوگون کا سب سے بڑا کارنامہ زبان کی اصلاح اور درستی ہے، جو نامانوس الفاظ دور دوم تک باقی رہ گئے تھے اُن کو انھون نے دور کر کے روزمرہ اور محاورون کے ساتھ فارسی ترکیبون کی نہایت لطیف اور خوشنما ترکیبون سے اردو مین شیرینی اور گھلاوٹ پیدا کر دی جو دیکھنے کے قابل ہے،

نصیر کی شاعری کی ابتدا دور دوم کی شاعری کی انتہا سے جا ملی ہے، اس واسطے ان کے کلام مین، آتیان، جاتیان، تلک، نت، اور بعض جگہ اسی طرح کی اکھڑی اکھڑی بندشین ہین جو مصحفی اور انشا کے کلام مین پائی جاتی ہین، مگر آخر آخر مین ان کا کلام بھی صاف ہو گیا ہے،

اس گروہ مین ذوق اور ظفر، روزمرہ اور محاورہ بندی مین سب سے فائق ہین، مومن اور غالب کے ہان خیال آفرینی کے ساتھ فارسی ترکیبین زیادہ داخل ہو گئی ہین، اور بول چال کا لطف ذوق و ظفر کے نسبت ان کے ہان کم ہے، تاہم اور لوگون کے کلام مین کسو، کبھو، ٹک، اَن کے، سمیت، مت آئے ہے، جائے ہے، دیکھیو، کیجیو، لیجو، ورے، پرے، بٹھانا، بھاتا، سدا بمعنی ہمیشہ، نِرد بمعنی عجیب یا نہایت بہت بے تکلفی سے کام مین لائے گئے ہین،

(۲) ولی سے لیکر مصحفی تک عموماً انداز بیان مین صفائی، سادگی، روزمرہ کی پابندی، بیان مین گھلاوٹ، اور زبان مین لچک پائی جاتی ہے، اس دور مین نصیر نے مضمون آفرینی کی بنیاد ڈالی، اور بعید الفہم استعارون سے کام لیکر اور مشکل و سنگلاخ زمینون مین شعر کہکر اُس کو تنگ و تاریک کر دیا ہے، اگرچہ اُن کے ہان بھی محاورہ جہان آجاتا ہے، شعر مین تڑپ پیدا کر دیتا ہے، مگر بیشتر حصہ اُن کے کلام کا بے لطف و بے رنگ ہے،

ذوق کے کلام مین عموماً زبان کا چٹخارہ اپنے معاصرین سے زیادہ ہے، مگر وہ بھی جہان

مضمون آفرینی کرتے ہین صفائی سے دور جا پڑتے ہین ظفر کا تمام دیوان زبان کی صفائی اور روزمرہ کی خوبی مین یکسان ہی لیکن اسمین تازگیِ خیالات بہت کم پائی جاتی ہی،

ممنون، مومن، غالب اور ان کے متبعین تسکین وشیفتہ کے ہان تازگیِ خیالات کیساتھ فارسی ترکیبونکا اثر غالب ہی خصوصاً مومن اور غالب نے جہان بے اعتدالی سے کام لیا، وہان انکا کلام رتبہ سے بہت گر گیا ہی نمونہ کے طور پر چند اشعار اس دور کے شعرا کے مین پیش کرتا ہون جس مین روزمرہ اور محاورہ بہت خوبصورتی سے کام مین لایا گیا ہے

ذوق

کہے ہے خنجر قاتل سے یون گلو میرا — کی جو مجھ سے کرے تو پئے لہو میرا
سینہ و دل پہ مرے زخم جگر ہنستے ہین — ہنسنے دو چارہ گرو ہنستے ہی کو بستے ہین،
عبث تم اپنا رکاوٹ سے منہ بناتے ہو — وہ لب پہ آئی ہنسی دیکھو مسکراتے ہو،
تو جان ہی ہماری اور جان ہی تو سب کچھ — ایمان کی کہین گے ایمان ہی، تو سب کچھ
نگہ کا وار تھا دل پر پھڑکنے جان لگی — چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی،

ظفر

سر تلک دستِ ستم جون ہی ترا قاتل بڑھا — خون جسم ناتوان تل تل گھٹا تل تل بڑھا،
برسون گذرے کہ ہوئی خاک ہماری برباد — اب تو اس کوچے مین اے باد سحر خاک نہین
ہمارے ہی آگے ہی ذکر اگلے دستارون کا — پرانے مردون کی وہ ہڈیان اکھاڑتے ہین
جنون مین کیا مرے پیوند پیرہن کو لگے — کہ ایک تار بھی چھوڑا ہو تو کفن کو لگے

نعل شکلِ مہ نو جب ترے توسن کو لگے
چار چاند اور فلک پر مہ روشن کو لگے

ممنون

رات تھوڑی حسرتین دل مین بہت صلح کیجے بس لڑائی ہو چکی،
بس جنا زور آزمائی ہو چکی، دلبرون سے ہاتھا پائی ہو چکی،
اس مرگ پہ سو جان مری صدقے کہ دم نزع گھبرا کے کہے تو کہ بس اب دیکھئے کیا ہو،

نصیر

نصیر اس کج ادا کی کج ادائی کوئی جاتی ہو مثل مشہور ہے رسی جلی لیکن نہ بل نکلا
خیال زلف بتان مین نصیر پیٹا کر گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر
سر مژگان ہے وقت نالہ آنسو کو ترستے ہین یہ سچ ہی جو گرجتے ہین وہ بادل کم برستے ہین

مومن

کیسے گلے رقیب کے کیا طعن اقربا تیرا ہی جی نچاہے تو باتین ہزار ہین،
تسلی دم وا پسین ہو چکی ہین ہو چکے جب نہین ہو چکی
کل تم جو بزم غیر مین آنکھین چرا گئے کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے،

غالب،

رونے سے اور عشق مین بیباک ہو گئے دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے
گرچہ ہے طرز تغافل پردہ دار راز عشق پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہین کہ وہ پا جاے ہی
لاکھون لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا لاکھون بناؤ ایک بگڑنا عتاب مین

شیفتہ،

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ ہے آگ سی جو سینہ کے اندر لگی ہوئی
یون وفا اٹھ گئی زمانے سے کبھی گویا جہان مین تھی ہی نہین

(۳) بعض مضامین ایسے دلچسپ و دلکش ہوتے ہین کہ اُن کو محض صفائی اور سادگی سے بیان کر دینا کافی ہوتا ہی، مگر بہت سے خیالات ایسے ہوتے ہین کہ معمولی زبان اُن کو نہین ادا کر سکتی، اور معمولی اسلوب اُن مین اثر پیدا کرنے سے قاصر ہوتے ہین، ایسے موقعون پر تشبیہ اور استعارہ یا کنایہ اور تمثیل سے کام لینے کی ضرورت پڑتی ہے، اگر ایسا نہ کیا جائے تو شعر شعر نہین رہتا، معمولی بات چیت ہو جاتی ہے،

اسمین شاعر کی سلیقہ مندی کی سخت ضرورت ہے کہ وہ اس کو صفت در صفت یا استعارہ در استعارہ کرکے بعید الفہم نکر دے، دوسرے یہ کہ جس چیز کے ساتھ تشبیہ دیجائے یا استعارہ کیا جائے وہ اس خاص صفت مین جسمین تشبیہ یا استعارہ مقصود ہے کمال رکھتا ہو، تاکہ اُس کے ذکر کرتے ہی سننے والے کی طبیعت مین جوش اور اثر پیدا ہو، تیسرے یہ کہ ان دونون مین مناسبت پوری پوری پائی جائے،

نصیر دہلوی کا شعر ہے جو اس دور کے استاد الاساتذہ ہین،

چرائی چادر مہتاب جب میکش نے جیحون پر ۔۔۔ کٹورہ صبح دوڑانے لگا خورشید گردون پر

اس مین چاندنی کے لطف اٹھانے کو چادر مہتاب کے چرانے سے استعارہ کیا ہی، مگر بعید الفہم ہونے کی وجہ سے شعر مین کوئی لطف نہین نہ اسکے پڑھنے یا سننے سے دل مین کوئی اثر پیدا ہوتا ہی،

نصیر مرحوم کے کلام مین اس طرح کی بہت سی مثالین مل سکتی ہین بلکہ بعض مقامون پر ان کے استعارہ یا تمثیل پر پھبتی کا دھوکہ ہوتا ہے، البتہ ذوق نے خیال آفرینی کے ساتھ اچھی اچھی تشبیہین اور استعارے پیدا کئے ہین، اور اُن سے بہت زیادہ حکیم مومن خان اور مرزا غالب نے اسمین کاوش کی ہے، اور بعض مقامون پر جدت سے بھی کام لیا ہی،

مین اس دور کے شعرا کے دو دو چار چار شعر نقل کرتا ہون جس سے ناظرین کتاب خود اسکا اندازہ کر سکین گے کہ اس خاص انداز مین ان لوگون نے کیا کیا کام کئے ہین اور باوجود اسکے شعر کی لطافت کو ہاتھ سے جانے نہین دیا،

مرزا غالب

چھوڑا مہ نخشب کی طرح دست قضا نے ۔ خورشید ہنوز اُس کے برابر نہ ہوا تھا،

غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج ۔ شمع ہر رنگ مین جلتی ہی سحر ہونے تک

دام ہر موج مین ہی حلقۂ صد کام نہنگ ۔ دیکھین کیا گذرے ہی قطرہ پہ گہر ہونے تک

ہین زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام ۔ مہر گردون ہی چراغ رہگذار باد مین

پنہان تھا دام سخت قریب آشیان کے ۔ اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے،

درماندگی مین غالب کچھ بن پڑے تو جانون ۔ جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

تھی وطن مین شان کیا غالب کہ ہو غربت مین قدر ۔ بے تکلف ہون وہ مشت خس کہ گلخن مین نہین

مومن خان

جون شاخ گل ہے جوش جنون سے ہرا ہون یعنی ۔ جب چاک ہوا جامہ تو بس ٹوٹ گئے ہاتھ،

میرا قلق بھی قبلہ نما سے نہین ہے کم ۔ باور نہین ہے تجھے تو ذرا منہ کو موڑ دیکھ،

چھٹ کر کہان اسیر محبت کی زندگی ۔ ناصح یہ بند غم نہین قید حیات ہے،

تاب نظارہ نہین آئینہ کیا دیکھنے دون ۔ اور بن جائین گے تصویر جو حیران ہونگے

کیون ہی رنگ زرد پر گلگونۂ اشک سرخ کا ۔ کس لئے ملنے لگی رنگت ہماری آپ کی

اونکو گمان ہی گلۂ چین زلف کا ۔ خوشبو دہان زخم جو مشک ختن سے ہی،

شب ہجر مین کیا ہجوم بلا ہے، ۔ زبان تھک گئی مرحبا کہتے کہتے

ذوق

مجھ مین اوسمین ربط ہی گویا برنگ بوے گل ۔ وہ رہا آغوش مین لیکن گریزان ہی رہا

سبکو دیکھا اوس نے اور اوسکو نہ دیکھا جون نگاہ ۔ وہ رہا آنکھون مین اور آنکھون سے پنہان ہی رہا

ریش سفید شیخ مین ہی ظلمت فریب | اس مکر چاندنی پہ نہ کرنا گمان صبح،
فلک کیا فتنہ سازی مین ہی ہمسر چشم فتان سے | گرا تھا یہ بھی اشک سرمہ آلود انکی مژگان سے
نگہ کیا اور مژہ کیا ہم تو دونون کو بلا سمجھے | اسے تیر قضا اس کو بر تیر قضا سمجھے،
دانہ خرمن ہو ہمین قطرہ ہے دریا ہم کو | آئے ہی جز مین نظر کل کا تماشا ہم کو
ہر اک گردش مین ہو انداز ناز فتنہ زا سمجھے | فلک کو ہم کسی کافر کی چشم سرمہ سا سمجھے

(۴) میر و مرزا سے لیکر مصحفی تک جتنے شعرا گذرے ہین اُن کا ایک محدود دائرہ ہی جس سے وہ بہت کم نکلتے ہین، اُن کی بڑی کوشش یہ ہوتی ہی کہ جو مضمون پہلے کسی طور پر بندھ چکا ہی اسے ایسے بلیغ اسلوب سے ادا کیا جائے کہ اگلی بندشون سے بڑھ جائے برخلاف اسکے اس دور کے شعرا مین سے مومن و غالب اور انکے متبعین نے معمولی معمولی مضمونون کو اس طریقہ سے ادا کیا ہی، جو سب سے نرالا ہی،

علاوہ اس کے ان کے طرز ادا مین ایک خاص چیز ہے جو اور ون کے ہان کم دیکھی جاتی ہے، اُن کا کلام ایسا پہلو دار ہوتا ہی کہ بادی النظر مین اس سے کچھ اور معنی مفہوم ہوتے ہین، مگر غور کرنے کے بعد ایک دوسرے ہی نہایت لطیف معنی پیدا ہوتے ہین، جس کی وجہ سے اُن کا شعر ہمیشہ ایک نیا لطف دیتا ہے، اور اس کے بار بار پڑھنے سے طبیعت نہین اکتاتی،

ان دونون کے طرز ادا مین ایک خاص بات اور بھی ہے کہ اکثر موقعون پر مضمون کے بعض اجزا کو چھوڑ جاتے ہین جس سے ایک خاص لطف پیدا ہو جاتا ہے، یہ وہ موقعے ہوتے ہین جہان سننے والون کا ذہن خود بخود اس جزو کی طرف منتقل ہو سکتا ہے، یہ شاعری کا ایک نازک پہلو ہی جس مین کبھی بے اعتدالی بھی ہو جاتی ہی جس کی وجہ سے شعر سخت پیچیدہ ہو جاتا ہی،

مومن خان کے بعض اشعار کی پیچیدگی اکثر اسی پر مبنی ہوتی ہی مثلاً

ڈرتا ہون آسمان سے بجلی نہ گر پڑے | صیاد کی نگاہ سوے آشیان نہین،

کہنا یہ ہو کہ اہل دنیا کا ایک نہ ایک بلا مین مبتلا رہنا ضرور ہے۔ اس لئے جب کبھی مین ایک بلا سے محفوظ ہوتا ہون تو دوسری بلا کا منتظر رہتا ہون، مگر جب تک یہ جملہ کہ اہل دنیا کا ایک نہ ایک بلا مین مبتلا رہنا ضرور ہے، بڑھایا نہ جائے عام ذہن معنی مقصود کی طرف منتقل نہین ہوتا، مگر شاعر نے اس کے ذکر نہ کرنے مین لطافت رکھی ہی، کہ اُس نے گویا اس کا قصداً ذکر نہین کیا، اس لئے کہ یہ بات ایسی بدیہی ہے کہ اس کے جتانے کی کچھ ضرورت نہین،

اب مین اُن لوگون کے چند اشعار ایسے نقل کرتا ہون جن سے معلوم ہو سکے گا کہ انھون نے طرزِ ادا مین کیسے کیسے اسلوب پیدا کئے ہین، اور اُن مین کیا کیا جدتین کی ہین،

مرزا غالب

توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے — آنکھون مین وہ قطرہ ہے کہ گوہر نہ ہوا تھا

گرنی تھی ہمپہ برقِ تجلی نہ طور پر — دیتے ہین بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھکر

مجکو دیارِ غیر مین مارا وطن سے دور — رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

رہا آباد عالم اہلِ ہمت کے نہ ہونے سے — بھرے ہین جسقدر جام و سبو میخانہ خالی ہی،

ضد کی ہی اور بات مگر خو بری نہین — بھولے سے اُسنے سینکڑون وعدے وفا کئے

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید — ناامیدی اُس کی دیکھا چاہئے۔

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہی گھر کی رونق — نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

حکیم مومن خان،

درد ہے جان کے عوض ہر رگ و پے مین ساری — چارہ گر ہم نہین ہونے کے جو درمان ہوگا

نو فلک مین کیا کرے یہ نالۂ آتش فشان — ایک دشمن سر سے کھویا دوسرا پیدا ہوا

اے روزِ حشر کچھ شبِ ہجران بھی کم نہین — بدنام ہو جہان مین تیری بلا عبث،

ناصح کہان تلک تیری باتین اٹھا سکون	سچ ہو کہ مجھ مین طاقتِ جور و ستم نہین
چھٹ کر کہان اسیرِ محبت کی زندگی	ناصح یہ بندِ غم نہین قیدِ حیات ہے

ذوق

ہان تامل دمِ ناوک فگنی خوب نہین	ابھی چھاتی مری تیرون سے یہ چھنی خوب نہین
اسی باعث سے دایہ طفل کو افیون دیتی ہو	کہ تا ہو جائے لذت آشنا تلخیِ دوران سے
ذکر کچھ چاک جگر سینے کا سن ابنِ ذ	کر کے مین ضبط ہنسی دیکھون ہون ناخن ہنسے ہے

طبقۂ متاخرین

اِس طبقہ کو مین نے تین دور پر تقسیم کیا ہے، دورِ اول ناسخ و آتش اور اُن کے متبعین کا، دوسرا دور امیر و داغ اور اُن کے معاصرین کا، تیسرا دور حالی و اکبر کا جنھون نے جدید شاعری کی بنیاد ڈالی ہو،

دورِ اول، دورِ اول کے شعرا کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھون نے زبان مین تراش خراش کر کے بدمزہ اور ناگوار الفاظ کو نکال دیا، جو اُن کے مذاقِ سلیم مین گران اور ثقیل معلوم ہوتے تھے، مثلاً آئے ہے، جائے ہے، کہے ہے، کہوتے ہو، دون ہون، لون ہون، ٹک، نت، کبھو، کسو، تئین، آن کے، سیمت، مت، زور بمعنی بہت یا عجیب یا جمع مونث کے معنون کو الف نون کے ساتھ آئیان جائیان، اسی طرح موصوف جمع ہو اور صفت لفظ ہندی تو موصوف کی مناسبت سے صفت کو جمع بولنا جیسے بھاریان،

مگر ناسخ کے کلام مین کہین کہین زور کا لفظ بمعنی "بہت" یا "عجیب" پایا جاتا ہے، اور آتش کے ہان بعض بعض موقعون پر رقیبان، خوبان، انکھڑیان زور، تل بے، بن بجائے بغیر، میرے شامل بجائے میرے ساتھ، پسارے بجائے پھیلائے، شراکت بجائے شرکت، فی الواقعی بجائے،

فی الواقع، ایک آدھ جگہ موصوف کی مناسبت سے صفت کو، جمع بھی کر دیا ہی، مثلاً ع

بیڑیان منت کی بھی پہنین تو مین نے بھاریان

اسی قسم کے اور بھی الفاظ پائے جاتے ہین جسمین سے بعضے پرانے روزمرہ کے جرم مین نکالے جا چکے ہین اور بعضے غلط ہین کچھ عجب نہین کہ یہ اُن کا ابتدائی کلام ہو،

(۴) افسوس ہے کہ ان لوگون نے زبان کو صاف کرنے پر بھی غزل مین سادگی کا خیال نہین رکھا اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہی کہ اُس زمانے مین دولت و ثروت کے ساتھ علوم قدیمہ نے بھی ایک حد تک ترقی کی تھی، منطق، حکمۃ، طب اور علم کلام کی گرم بازاری مین عربی الفاظ زبانون پر کثرت سے چڑھ گئے تھے،

ادھر اس بات کا حوصلہ تھا کہ قدما سے بڑھکر کام کیا جائے تا کہ اپنا انداز اُن سے نرالا ہو، نتیجہ یہ ہوا کہ غزل ایسی صنف لطیف مین عربی الفاظ رفتہ رفتہ کثرت سے داخل ہو گئے، اور بجائے اس کے کہ پہلے سے زبان مین زیادہ شیرینی اور گھلاوٹ پیدا ہوتی زیادہ ثقیل ہو گئی، اور سیدھی سادی زبان بازاریون کی زبان قرار پا گئی، ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہی کہ ان لوگون نے اصنافِ سخن مین سے صرف غزل کو پسند کیا، اگر یہ لوگ قصیدے بھی لکھتے ہوتے تو ان کا حوصلہ بہت کچھ اُس مین نکل جاتا، اور وہ ایسے ثقیل الفاظ کے متحمل نہ ہو جاتے، اگر تم جرات اور ناسخ کے دیوان کو ملا کر دیکھو تو اس کا کافی ثبوت ملے گا کہ ان دونون کی زبانون مین کتنا فرق ہے، چونکہ شیخ امام بخش ناسخ اس دور کے بہترین شاعرون مین شمار کئے جاتے ہین، اس لئے مین انھین کے کلام کو مشتے نمونہ از خروارے پیش کرتا ہون،

تن پروَرون کی تیغ زبان سے نہ تھی پناہ ۔۔۔ گو مدعا تھا دراعہ نقوش حصیر کا،
کیونکر اے ناسخ خوار عجل دشمن ہو نہ خوار ۔۔۔ کیسے موسیٰؑ کا علیؑ شیرِ خدا ہارونؑ ہوا

زیست بھر سوجھا نہ مجکو چارۂ سودائے عشق | بارے کافور حنوط اب داغ کو مرہم ہوا
بے خطر یون ہاتھ دوڑاتا ہون زلف یار پر | دوڑتا تھا جس طرح ثعبانِ موسیٰؑ مار پر
دیکھو ناسخ سر شیخ معسم کی طرف | کیا کلس مسواک کا ہے گنبدِ دستار پر
قمر ہی کیا تیرے آگے محاق مین آیا | کہ آفتاب بھی تو احتراق مین آیا
مل گیا ہے عشق کا آزار قسمت سے مجھے | ہون جو عیسیٰ بھی ارادہ ہو نہ استعلاج کا
سوے کعبہ تیرے عاشق سجدہ کرتے ہین کوئی | تیری ابرو کی طرف قبلہ محوّل ہو گیا
بڑا کمال ہے ناسخ غمِ عالم فراہم کر | ارادہ ہے اگر اے چرخ اُس کی مہمانی کا
غیر کوثر کسی دریا کا مین سبّاح نہین | بیشۂ شیرِ خدا بن کہین سیاح نہین
ظلم طولِ شبِ فرقت کے تطاول نے کیا | دادرس کوئی بجز فالق الاصباح نہین
سکانِ خرابات ہین مطلق متواضع | ثابت مژۂ نرگسِ میگون کے ہے خم سے

(۳) بدنصیبی سے اُس زمانے مین قابلیت کا میار صنائع و بدائع اور اُس مین مخصوص صنعت "مراعات النظیر" پر آکر ٹھہر گیا تھا، اور بعضون نے اس رعایت لفظی کا پردہ اتنا باریک کر دیا تھا کہ وہ ہوا کے جھونکے سے ضلع جگت کی حد مین پہونچ گئے، اور شاعری اچھا خاصا سوانگ بن گئی،

اس مین ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ اگر نازک خیالی کی بنیاد کسی لفظی تناسب پر ہو گی اور اسی لفظ کے تمام اوصاف و لوازم پر عمارت کھڑی کیجائیگی، وہ عمارت یقیناً ناپائدار ہو گی، اور اگر اُس شعر کا ترجمہ کسی دوسری زبان مین کر دیا جائے تو ساری نکتہ آفرینیان بیکار ہو جائین گی،

افسوس ہے کہ شیخ امام بخش ناسخ اس مین بھی سب سے آگے ہین، اور اُن کے بعض

شاگردون نے تو اس مین اپنی تمام قوت صرف کی ہی،

شیخ صاحب فرماتے ہین،

مشرقِ خورشید تیرے نور سے ہی در نہین، کون ہی بارہ دری مین آج جو شش در نہین

جس جگہ چلتا ہے میٹھی پو پھون تیرا فرس ذائقہ مین وہان برابر سنا ک ہی شکر نہین

وہ بتِ شیرین ادا کرتا ہی مجھکو سنگسار یہ شکر پارے برستے ہین جنون پتھر نہین

کیا ہی اے طفل پری تاب کمر کا ہی اثر تیری لکڑی کے کبوتر بھی مکر کرتے ہین

بس نہ ترسا بہت اے کافر ترسا مجھکو لب جان بخش دکھا ہر مسیحا مجھکو،

چنپا کلی کے پھول نہ گل کی کلی مین بو جیسی تری گلی کی ہے چنپا کلی مین بو

خواجہ وزیر شاگرد ناسخ

سوکھ کر کانٹا ہوا دستِ جنون خار دار اب ہاتھ کی پھلی ہوئی

بے ہوا اڑنے لگا مشتِ غبار طبع اپنی خاک کی بادی ہوئی

دیکھ پچھتائے گا او بت مرے ترسانے سے اٹھ کے کعبہ کو چلا جاؤنگا بتخانے سے

زلف کی چال صبا چلتی ہی کیا پریشان ہوا چلتی ہے،

کھا گیا مجھ ناتوان کو غم مرے خوش چشم کا ہو کے کاہیدہ اسی آہو کا چارہ ہو گیا،

الفت چاہِ زنخدان مین وہ لاغر ہون وزیر روزن مور مری نظرون مین اندھیرے ہین،

بھر دے عوض شراب کے ساغر کو بھنگ سے گاڑھی چھنی ہو ساقی اب اک سبز رنگ سے

میر وزیر علی صبا شاگرد آتش

کولھو مین گردشِ نگہ یار سے پسا تل تیل ہو کے بہ گیا چشمِ غزال کا،

کھائین گے زہر اُن کے خطِ سبز فام پر سر سبز ہونگے خضر علیہ السلام پر،

بک گئے ہین آپ تو غیرون کے ہاتھ — بندہ پرور اب غلام آزاد ہو،

مرزا دبیر

شامی کباب تھے یہ ہوئی جب شرر فشان — اہلِ تتارین کے ہرن رن سے تھے روان

مصری نہ بات کرسکے سب بولے الامان — بت بن کے گبر رہ گئے پتھرا ئین پتلیا ن

زردار زرد ہو کے گلِ اشر فی بنے — نصرانی خاک ہو کے گلِ ارمنی بنے

امانت کی شاعری کا دار مدار اسی ضلع جگت پر ہے، مشکل سے کوئی صاف شعر اُن کے ہان مل سکتا ہی خصوصًا واسوخت کی شہرت کی بنیاد اسی پر ہے، جس کی ہمارے بچپن مین بڑی دھوم تھی، نمونہ کے طور پر صرف ایک بند اُس کا بھی سن لو،

چکنی باتون سے اوسے چھالیا سب نے ایسا — حال دہرایا کوئی ین نے تو منہ پھیر لیا،

جی مین کتنا رہا کچھ صاف زبان سے نہ کہا — بات کی ایسی چپا کر کہ ہوا دل بےچو را،

عطر کی بو سے معطر ہوئے گھر گلیون کے
خاصدان آنے لگے عطر گی ڈلیون کے،

یہ داستان بہت دراز ہی اُن لوگون مین جس کا دیوان جی چاہے اٹھا کر دیکھو بغیر کاوش کے بہت سے اشعار اسی قسم کے مل رہین گے، مین دو چار شعر اور نقل کر کے اس قصہ کو ختم کرتا ہون،

رشک

مرغِ دل کو توڑے گی بلی اگر دوانے کے — رخستِ تن کو کترے گا چوہا تمھاری ناک کا

مہندی نے شعلہ پاؤن تمھا را بنا دیا، — کیا گرم ہے کہ بونٹ کو ہولا بنا دیا،

ساون مین بھی ملنے کا وہ وعدہ نہین کرتے — باتون مین بھلاتے ہین وہ اچھا نہین کرتے

عید بھی وصل سے گئی خالی   کچھ گلے لگنے کا لگاؤ نہین،

ع   بیر یون مین بھی مرا نازک بدن ملتا نہین

ع   بھیڑیئے ملتے ہین آنکھین تری گرگابی پر

(۴) تشبیہ یا استعارہ بجائے خود نہایت عمدہ چیز ہے، جس وقت گفتگو کا معمولی انداز جوش پیدا کرنے سے قاصر رہتا ہی تو اسی کے ذریعہ سے کلام مین زور اور قوت پیدا کرنی پڑتی ہے، علاوہ اس کے یہ چیزین کلام کو خوبصورت بھی کردیتی ہین جیسا کہ زیور سے حسینون کے جمال مین آب و تاب پیدا ہوجاتی ہی، مگر بقول آزاد یہ رنگ اگر اس حد تک رہے جیسا کہ چہرہ پر غازہ یا آنکھون مین سرمہ تو خوشنمائی اور بینائی دونون کو مفید ہے، اور اگر حدِ اعتدال سے گذر جائے تو اُس کی شدت سے زبان خیالی باتون سے فقط توہمات کا سوانگ بنجاتی ہے،

ایک بات اور بھی ہے کہ تشبیہین اور استعارے قریب المأخذ ہون یعنی پاس پاس کے ہون اور آنکھون کے سامنے ہون تو کلام مین لطافت و نزاکت پیدا ہوجائے گی، اور اگر دور جا پڑین اور بہت باریک پڑجائین تو دقت پیدا ہوجائیگی، اسی طرح اگر اس خاص صفت یا اُن مخصوص اوصاف مین جنمین کسی چیز کو کسی سے تشبیہ دیگئی ہی، یا استعارہ کیا گیا ہی، پوری پوری مناسبت نہ ہوگی تو کلام بدرنگ اور بے مزہ ہوجائیگا،

افسوس ہی کہ متاخرین نے استعارون اور تشبیہون سے کلام مین زور پیدا کرنے کی کوشش کی، مگر اس مین وہ حدِ اعتدال سے گذر گئے ہین، اور ان باتون کا لحاظ بہت کم رکھا ہی، صفت در صفت اور استعارہ در استعارہ کرکے کلام کو اتنے ایچ پیچ مین ڈالدیا ہے، کہ اس گورکھ دھندے کو کھولتے کھولتے مطلب غائب ہوجاتا ہی، اور اکثر کوہ کندن و کاہ برآوردن

کی مثل اسی پر ٹھیک اترتی ہی،

مین پہلے صاف تشبیہون اور استعارون کے نمونے پیش کرتا ہون، اُس کے بعد اُنکی پیچیدہ تشبیہون اور استعارون کی گرہین کھولنے کی کوشش کرونگا،

خواجہ حیدر علی آتش

صبح بہار ہے مجھے ساقی پلا شراب
سب جانتے ہین عید کا روزہ حرام ہی

نیلوفر آنکھ ہے مرے دریاے حسن کی
شب رنگ مردمک نہین بھنورا کنول مین ہی

غنچے شگفتہ ہوتے ہین آئی ہے فصل گل
کپڑون کے پھاڑنے کی بہار آجکل مین ہے

زیر زمین سے آتا ہی جو گل سو زر بکف
قارون نے راستہ مین لٹایا خزانہ کیا،

ترچھی نگہ سے طائر دل ہو چکا شکار
جب تیر کج پڑیگا اڑیگا نشانہ کیا،

ئے گلرنگ سے جھلکی جو سرخی پان کی ہمین
گلوے یار پر عالم ہوا شیشہ کی گردن کا

صیاد حسن کھیلتا ہے جب شکار عشق
بلبل کو پھانستا ہی رگ گل کے دام سے

اے مرغ دل ہی فاصلہ اس لف و خال مین
دانہ ترے نصیب کا باہر ہے دام سے

فصل بہار آئی مبارک ہوے جنون
خار اور آبلہ سے ملاقات راہ کی،

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ مین ہے،

خواجہ آتش کے دیوان مین اس طرح کی صاف تشبیہین، استعارے اور حسن تعلیل کی مثالین کثرت سے مل سکتی ہین، مگر اُن کے حریف شیخ امام بخش ناسخ جو اپنی وقت پسندی کی وجہ سے بال کی کھال نکالنے کے عادی ہین، سیدھی بات بہت کم کہتے ہین، کہتے بھی ہین تو مزے کی بات کہتے ہین، مثلاً :۔

ابھی ہر چند وہ بت نوجوان ہی
سفید اُس کا مگر موے میان ہی،

حسبِ معمول کمر کو بال سے تشبیہ دی، پھر بال کے اوصاف اُس کے لئے ثابت کر کے بدن کے لحاظ سے کمر کو سفید قرار دیا، پھر کمر کا بال سے استعارہ کر کے اُس کی سفیدی پر اظہارِ تعجب کر دیا، ان کی آفرینیون کے بعد مطلب یہ نکلا کہ بادل بڑھاپے مین سفید ہوا کرتے ہین، مگر تعجب ہے کہ معشوق کا بال جوانی مین سفید ہو گیا ہی،

اس بدمزہ مضمون کو دیوان مین بیسیون جگہ متعدد طریقے سے ادا کیا ہی، مثلاً ایک جگہ یون فرماتے ہین،

آرایشِ جمال خدادادعیب ہے　　　موے کمر کو ذوق نہین ہی خضاب کا

ایک جگہ چاند کو کہ سات سیارون مین سے ایک وہ بھی ہی، خانہ نشین بنا کر اُس کو ثابت فرض کیا، پھر گھر سے نکال کر اُس کے سیارے ہونے پر اظہارِ تعجب کرتے ہین،

وہ مہِ خانہ نشین گلیون مین آوارہ ہوا　　　اے منجم دیکھنا ثابت بھی سیارہ ہوا

معشوق کی آنکھ کو بلحاظ وحشت چشمِ غزال سے تشبیہ دی جاتی ہی، اُنھون نے ستم ظریفی یہ کی کہ پہلے تو آنکھ کا استعارہ غزالِ چشم سے کیا، چونکہ وہ جانور ہے، اس لئے اُس کے واسطے چارے کی بھی فکر کرنی پڑی،

چشم بد دور آج آتے ہین نظر کیا گال صاف　　　سبزۂ خط کیا غزالِ چشم کا چارہ ہوا

یہی مضمون کو خواجہ آتش نے بھی باندھا ہے، مگر طرزِ ادا نے اُن کے شعر کو کسی قدر مزیدار کر دیا،

خط پر جو آئینہ مین پڑے ہی نگاہِ یار　　　آہوے چشم مست ہین سبزہ چرے ہوئے

رنگ اُڑنے کو طیر اور رنگِ حنا کو طائر سے تشبیہ دینا ایک معمولی بات ہے، شیخ صاحب نے اس سے یہ بات نکالی ہی کہ طائر بھی تو جانور ہی، ذبح ہوتے وقت تڑپنا لوٹنا اُسکا خاص وصف ہی،

یہ وصف انھون نے طائر رنگ کے لیے بھی ثابت کر چھوڑا،

اس ادا سے بارہا دیکھی آپ نے تلوار کی ۔ طائرِ رنگِ حنا بھی طائرِ بسمل ہوا

اس قسم کی نکتہ آفرینیون سے ان کا دیوان بھرا پڑا ہی، تاہم، ع

انصاف شیوہ ایست کہ بالاے طاعت ست

جہان کہین وقت آفرینی سے کام نہین لیتے تشبیہ و تمثیل مین اچھے اچھے شعر بھی نکالتے ہین مثلاً

آزاد ہین قیود سے افتادگانِ خاک ۔ اڑتا پھرا شجر سے جو برگِ خزان گرا

خاکسارون سے ملا کرتے ہین جھک کر سربلند ۔ آسمان پیشِ زمین بہرِ تواضع خم ہوا

طرفہ گل اس باغ مین ہین اور شبنم ہی عجب ۔ ہنس کے بیٹھا جو تری محفل مین وہ رو کر اٹھا

کیا روزِ بد مین ساتھ رہے کوئی ہمنشین ۔ پتے بھی بھاگتے ہین خزان مین شجر سے دور

مُشک مین خوشبو ہی پیچ و تاب مثل مو نہین ۔ پیچ ہین سنبل مین مثل مو مگر خوشبو نہین،

عشق مین بدمست ہون مین پر کوئی واقف نہین ۔ نشہ ہے جامِ مُے الفت مین لیکن بو نہین

مسی آلودہ لب پر رنگِ پان ہے، ۔ تماشا ہے تہِ آتش دھوان ہے،

(۵) سب سے بدنصیبی کی بات یہ ہے کہ شاعری کے اُس فطرتی جذبہ کو جس کا تہذیب و تمدن سے اِس قدر مضبوط تعلق ہی کہ جس قوم مین کوئی روشن خیال اور باریک بین شاعر نہ ہو، تو وہ متمدن نہین کہی جا سکتی اُسکو ضلع جگت کیساتھ فحش اور گندے مضامین سے اس دور کے شعرا پاک نہین رکھ سکے، عشق کو فسق اور آوارگی کا مرادف بنا دیا، گویا ہماری خلاقی حالت پستی کی انتہائی حد تک پہونچ گئی، نیکی اور بدی مین تمیز کرنے کی قوت باقی نہ رہی، ملک و قوم کا مذاق سرے سے بگڑ گیا، اور قبول عام حاصل کرنے کو جامۂ عریانی اختیار کر کے بے پردہ مضامین سوقیانہ محاورے اور مبتذل الفاظ سے کلام کو ناپاک کر دیا،

اور انگیا چوٹی مین پھنس گئی۔

متوسطین مین جرأت، انشا اور رنگین نے جس کام کی ابتدا کی تھی، اور کھل کر نہ کر سکے تھے، اُس کو طبقۂ متاخرین کے شعرانے پورا کر دکھایا، زمانہ بھی ان کو بدقسمتی سے ناہموار ملا، غازی الدین حیدر نواب وزیر سے بادشاہون کو باپ کی جمع کی ہوئی دولت ملی، اس سے جن مشاغل کی بنیا دڈالی اُس پر نصیر الدین حیدر اور واجد علی شاہ نے شان دار عمارتین کھڑی کر دین، اور ایسا رنگ اچھلا کہ ہولی کا سوانگ اور گنوارون کی کیبر مات ہوگئی،

شیخ امام بخش ناسخ کی گل افشانی ملاحظہ ہو،

دانے ہین انگیا کی چڑیا کو ننت کی چنیان | پلتی ہین بالے کی مچھلی موتیون کی آب مین
دمکتا ہے جو کندن کا سا بدن ہر ایک حلقے سے | تری جالی کی کرتی مین ہو عالم کامرانی کا
اے پری تو نے جو پہنی ہو سنہری انگیا، | آج آئی ہے نظر سونے کی چڑیا مجکو،
اڑ نہین سکتی تری انگیا کی چڑیا اے پری | جالی کی کرتی کا اس پر اے پری و جال ہے،
تصور مین ہے ایک انگیا کی چڑیا | یہ دل کنجشک کا اب آشیان ہے
رات کو چوری چھپے پہونچا جو مین | غل مچایا اُس نے دوڑ و چور ہے،
یہ التجا ہے پیرِ مغان کی جناب مین | رکھون مین ساقِ ساقیِ گلفام، دوش پر

نواب سید محمد خان رند

یون تو جایا کئے ہر سال مہینون لیکن | اب کی نوچندی مین اک چاند سا کھڑا دیکھا
کھولئے شوق سے بند انگیا کے | لیٹ کر ساتھ نہ شرمائیے آپ
کیونکر نبھے گی ہم سے ملاقات آپ کی | واللہ کیا ذلیل ہے اوقات آپ کی

یان ہم ہین اور داغ غم و حسرت نصال　　کٹتی ہو عیش باغ مین اوقات آپ کی
کیا آسمان پہاڑ کے تکلی لگائے گی　　صاحب ابھر چلی ہو بہت کات آپ کی

مرزا محمد رضا برق

اودی کرتی لال چکن اور اپہ سنہری گوٹ لگی　　ابر سے نکلا چاند کا ٹکڑا برق کے دلکو چوٹ لگی
خیر گذری کہ چلے آئے کہا مان لیا　　ورنہ تم دیکھتے اسوقت کہ پھر کیا ہوتا
عشق اگر منظور ہو اُس سیم تن سے آپ کو　　پہلے رکھ لیجئے منگا کر برق توڑے زر کے پاس

حکیم مسیحا

ہاتھ مین انگیا کی چڑیا آگئی　　آج ہم عنقا کو لائے دام مین
تیرے پستان پر نظر آتا ہے عالم نور کا　　اے پری روشن ہے گویا تمغہ بلور کا،

امداد علی بحر

ڈوپٹے کو آگے سے دہرا نہ اوڑھو　　نمودار چیز مین چھپانے سے حاصل

(۷) اس دور کی نسبت جو کچھ اب تک کہا گیا ہو اُس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہین کہ اس دور کے شعرانے اردو کی کسی حیثیت سے بھی کوئی مفید خدمت نہین کی، مین نے خود نمبر ا مین اصلاحِ زبان کے متعلق اُن کی مساعیِ جمیلہ کا جو ذکر کیا ہے، وہ اُن کے افتخار کیلئے کچھ کم نہین ہی،

علاوہ اس کے اس دور مین کچھ لوگ ایسے بھی ہوئے ہین جنھون نے ایک دوسرے میدان مین طبع آزمائی کرکے زبان مین زیادہ گھلاوٹ اور لوچ اور وسعت وصفائی پیدا کر دی ہی،

مرزا دبیر اور میر انیس کا ذکر مین نے ضمیمہ نمبر ا مین کیا ہی، اس لئے کہ اُن کی شاعری کی جولانگاہ ایک دوسرا میدان ہی، مگر حقیقت مین وہ اِسی دور کے شاعر ہین،

ان دونون نے مرثیہ گوئی کی صنف مین ایسی ترقی کی ہے کہ جس کے آگے قدم بڑھانا نظر بحالات موجودہ دشوار معلوم ہوتا ہی، ان لوگون نے بھی تشبیہون اور استعارون سے کام لیا ہی، اور مبالغہ کی تو حد کر دی ہی، مگر باوجود اِس کے زبان مین وہ لوچ اور وسعت پیدا کی ہے جو انھین کا حصہ ہے، ایک ایک مضمون کو سینکڑون نہین ہزارون رنگ سے ادا کیا ہی اور ہر قسم کے خیال کا ایسا طلسم باندھا ہی کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہی، صبح کا عالم دیکھو، رات کی رخصت، سیاہی کا پھٹنا، نور کا ظہور، آفتاب کا طلوع، مرغزار کی بہار، شام ہے تو شام غریبان، رات کا سناٹا، کبھی تارون کی چھاؤن، کبھی اندھیری راتون کی ظلمت، دن کو کڑاکے کی دھوپ، لوؤن کی لپٹ، آفتاب کی آتش فشانی، غرض کہ قوت تخیل سے ایک نیا عالم پیدا کر دیا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اپنی شاعری سے اردو زبان کو گلہائے رنگا رنگ سے مالا مال کر دیا ہے، جس کی وجہ سے اردو زبان ہمیشہ اون کی منت پذیر رہیگی،

نواب مرزا شوق خواجہ آتش کے شاگرد اور اُسی دور کے شاعر ہین، انھون نے زہر عشق، بہار عشق وغیرہ چند مثنویان اس صفائی اور سادگی سے لکھی ہین جو اخلاقی حیثیت سے کتنی ہی کم رتبہ ہون مگر زبان او بیان کے لحاظ سے اردو کی بہترین مثنویون مین شمار ہونے کے قابل ہین،

مرزا نسیم دہلوی کو بھی مین نے اسی دور کے شعرا مین شمار کیا ہے، اس واسطے کہ جو زبان اس دور کے شعرا کی ہی وہی اُن کی بھی ہی، انھون نے اپنے استاد حکیم مومن خان کی دقت پسندی کو دور کرکے اُن کی نادر ترکیبون کی میناکاری کو اس قدر صاف اور روشن کر دیا ہے، جو قابلِ تحسین ہے،

دور دوم | اس دور مین جن شعرا کا ذکر کیا گیا ہے، اُن میں سے بیشتر شعراے دور اول کے منت پذیر ہین، زبان اور بیان دونون چیزون کو انھین سے سیکھا ہے، اور انھین کے کلام کا تتبع کیا ہے، اس وجہ سے اِن کا انداز وہی ہی جو ان کے بزرگون کا تھا،

تاہم انھون نے اپنے اساتذہ کی زبان مین زیادہ صفائی اور سادگی پیدا کر دی ہی، اور جو قواعد اُن لوگون نے وضع کئے تھے اُن پر عملدرآمد پوری طور پر اُن کے زمانے مین نہین ہوا تھا، اُن کو انھون نے اچھی طرح سے نباہا جس کثرت سے ثقیل لفظون اور فارسی ترکیبون پر اُن لوگون نے شاعری کی بنیاد رکھ دی تھی، یا تشبیہون اور استعارون مین جو پیچیدگیان ڈالدی تھین اُن سے بہت کچھ انھون نے اپنا دامن بچایا ہی،

اس دور مین بھی خصوصیت کے ساتھ نواب مرزا خان داغ کو اوّل درجہ پر رکھنا چاہئے جنھون نے غزل کی زبان مین نہایت وسعت، صفائی، اور بانکپن پیدا کر دیا ہے، ان کے ہمعصرون مین کوئی بھی زبان کی صفائی، روزمرہ کی خوبی اور محاورون کی فراوانی مین اُن کا مثل نہین،

دوسرے درجہ پر حکیم ضامن علی جلال کا مرتبہ ہے جن کی زبان اور طرزِ ادا لکھنؤ کی روزمرہ اور طریقۂ بیان کا بہترین نمونہ کہا جاسکتا ہی،

(۲) جیسا کہ ہر زمانہ مین ہوا کرتا ہے، اس دور کے شعرا مین بھی ہر ایک کا رنگ اور انداز علحدہ ہی، شکوہ الفاظ، مضمون آفرینی اور ہر رنگ کے شعر کہنے مین منشی امیر احمد امیر کو خاص قسم کی قدرت حاصل ہے، روزمرہ کی صفائی اور سادگی کے ساتھ طرزِ ادا کی شوخی اور بانکپن داغ کا حصہ ہے، طرزِ ادا مین ایک قسم کا لوچ جو اہل زبان کے ساتھ مخصوص ہوا کرتا ہی، جلال کے ہان زیادہ پایا جاتا ہی، الفاظ کی رنگینی اور مضمون کی دلآویزی مین تسلیم سب سے بڑھے ہوئے ہین، اور

تشبیہون اور استعارون کی برجستگی مین محسن کا کوئی ہم پلہ نہین، اصناف سخن کے لحاظ سے مثنوی کے سوا ہر صنف مین امیر کو قدرت حاصل ہی، مثنوی مین نسیم کو جو مرتبہ حاصل ہے۔ اُس مین اُن کے ہمعصرون مین سے کوئی بھی اُن کا شریک وسہیم نہین، قصیدے مین یہ دونون بھی کچھ کم نہین، مگر محسن نے جس زور وشور کے قصیدے لکھے ہین، وہ انھین کا حصہ ہے، غزل مین داغ کو اور اُن کے بعد جلال کو ان سب پر مزیت ہی۔

بات یہ ہے کہ اصل وضع کے لحاظ سے غزل کا موضوع عشق ومحبت کے سوا کوئی اور چیز نہین ہے، مگر شروع ہی سے شعرا نے اس کو جذبات انسانی کے ظاہر کرنے کا ایک ذریعہ بنا لیا ہے۔ خواہ اُن کا منشا خوشی ہو یا غم یا حسرت یا ندامت یا دنیا کی بے ثباتی، یا موت کا خیال یا اور کسی قسم کا جذبہ یہان تک کہ اخلاق ومواعظ کو بھی اس مین داخل کر دیا ہی، اِسی لحاظ سے جب تک غزل کو جذبات اِنسانی کے ظاہر کرنے کا آلہ بنائے رکھوگے۔ غزل غزل رہے گی ورنہ نری لفاظی ہوگی،

(۳) خیالات کے اعتبار سے اس دور کے شعرا کا کلام پڑھو تو اُن مین کسی طرح کی تازگی نہ پاؤگے، وہی گل وبلبل کی داستان، شمع وپروانہ کا قصہ، لیلی ومجنون کی کہانی، جفاے ناز، رشک اغیار، شوق وصل، رنج وفراق، زلف پریشان، چشم فتان، نرگس بیمار، سیب زنخدان، رندی وبادہ خواری، اور زاہدون پر طعن وتعریض کے مضامین کو الفاظ کی الٹ پھیر اور ردیف وقافیہ کے ادل بدل سے باندھ کر مختلف شکلین پیدا کر لی ہین،

چاہو تو اسی کو اُن کی شاعری کا کمال سمجھ لو کہ اُن کے اساتذہ نے جن مضمونون کو اپنے خاص خاص انداز سے باندھا ہے، انھون نے اس مین فی الجملہ صفائی اور سادگی پیدا کر کے شکل بدل دی ہے، یا یون سمجھو کہ سانچہ بدل دیا ہے، پہلے جو چیز ایک شکل پر ڈھلی تھی وہ اب دوسری

شکل پر ڈھل گئی ہے، جس مین بہ نسبت شعراے دورِ اول کے کلام کے کسی قدر صفائی اور سادگی پائی جاتی ہی،

یہی وجہ ہے کہ متاخرین کے کلام مین کسی قسم کا ولولہ اور جوش بہت کم پایا جاتا ہی، اگر یہ لوگ اپنے کلام کو خود اپنے خیالات اور جذبات کا آرگن بناتے تو اس کا بہت عمدہ اثر پڑتا، اور ان کو اپنے اساتذہ کی پیروی کرنے پر قناعت نہ کرنی پڑتی، اور اسیر کا یہ شعران کے حسبِ حال نہ ہوتا،

شاعرانِ حال کیا مضمون نو پائین اسیر　　ڈھونڈھتے ہین پر تخلص بھی نیا ملتا نہین



حصّۂ اوّل

طبقۂ متقدمین

اس طبقہ کے شعرا کو تین دور پر تقسیم کرنا چاہئے، پہلا دور قطب شاہ اور مولینا نصرتی وغیرہ کا جن کا نشو ونما حیدرآباد اور بیجاپور مین ہوا ہی، ان کی زبان عالم طفولیت مین ہے، دکنی زبان کے الفاظ و روابط کثرت کے ساتھ ان کے اشعار مین پائے جاتے ہین،

یہ دور ابوالحسن تاناشاہ اور اُس کے معاصرین پر ختم ہوجاتا ہی، اس دور کے جن شاعرون کا حال مجھے معلوم ہوا ہی، اُن کا ذکر مقدمہ مین کرچکا ہون،

دوسرا دور اُن شعرا کا ہے، جن کا نشو ونما اورنگ آباد کی آب وہوا مین ہوا ہی، جو عالمگیر مرحوم کے پایہ تخت ہونے کی وجہ سے اہلِ فضل و کمال کا مرکز ہو رہا تھا، اور ہندوستان و ایران کے نامی گرامی خاندانون کے لوگ وہان مجتمع تھے، اسی وجہ سے اُن کی زبان اور اُن کے محاورے دورِ اول کے شعرا کی زبان اور محاورون سے زیادہ صاف ہین،

تیسرا دور شعراے دہلی کا ہی، جو فرخ سیر کے عہد سے شروع ہو کر احمد شاہ کے زمانے پر ختم ہوجاتا ہی، اس چالیس پچاس برس مین ریختہ نے کافی طور پر ہر دلعزیزی پیدا کرلی تھی، خصوصًا محمد شاہ کے عہدِ دولت مین جو لوگ فارسی مین بجا طور پر شعر کہتے تھے، وہ بھی تفنن کے خیال سے ریختہ مین طبع آزمائی کرنے لگے تھے،

دورِ اول

دورِ اول کے شعرا کا ذکر مقدمہ مین کافی طور پر ہوچکا ہی، مگر قصدًا اُن کے وہی اشعار

نقل کئے ہین، جو زیادہ صاف ہین، زیادہ حصہ اس دور کے کلام کا ایسا ہے جس مین دکنی زبان شریکِ غالب ہی،

یہان پر صرف مولانا نصرتی کا ذکر کرنا مین مناسب سمجھتا ہون جو اپنے زمانے کے ملک الشعرا تھے، اگر مولانا ہاشمی یا ابوالحسن تاناشاہ کے زمانے کے لوگون کے حالات ملتے تو وہ بھی اس دور مین نمایان جگہ لیتے، مگر افسوس ہے کہ تاریخ اور تذکرون سے اُن کے حالات کا کافی مواد بہم نہین پہنچا اس وجہ سے مجبوراً اُن کو نظرانداز کرتا ہون،

مولانا نصرتی

محمد عادل شاہ اور اُس کے بیٹے علی عادل شاہ کے زمانے کے شاعر ہین جو اپنے وقت کے ملک الشعرا تھے، افسوس ہی کہ اُن کے حالات گمنامی کے پردہ مین چھپے ہوئے ہین، نام و نسب تک کا ہم کو علم نہین،

زبیری نے بساتین السلاطین (تاریخ بیجاپور) مین ان کا ذکر کیا ہی، وہ کہتا ہی، کہ ان کی تصنیفات مین گلشنِ عشق ایک مثنوی ہے، جس مین منوہر کنور اور مدمالتی کی عشق بازی کا قصہ نظم کیا ہے، دوسری کتاب علی نامہ ہے، شاہنامۂ فردوسی کا جواب جو ۱۰۷۶ھ مین لکھا تھا، جس مین علی عادل شاہ کی فتوحات اور اُس کے زمانہ کے کارنامے نظم کئے ہین تیسرا مجموعہ قصائد کا ہے، چوتھا غزلون کا دیوان ہے،

میری نظر سے ایک پرانی بیاض گذری ہی، جس مین مولانا نصرتی کا معراج نامہ پورا نقل ہے، تاریخِ کتابت ۲۲ر محرم ۱۰۸۳ھ اُس مین لکھی ہے، اور اکبرآباد مین یہ لکھا گیا ہے، معلوم ہوتا ہی کہ مولانا کا کلام اُس وقت اتنا مقبول ہو چکا تھا کہ اُنکی نقلین انھین کی زندگی مین اکبرآباد پہونچین اور شایقین نے اپنی اپنی بیاضون پر اتار لیا، میرے نزدیک

کسی کلام کی مقبولیت کی اس سے بہتر مثال نہین مل سکتی،

معراج نامہ کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ یہ محمدؐ عادل شاہ کے عہد مین لکھا گیا ہی، ایکسو اکتیس[۱۳۱] شعر اس مین ہین، بحر ایسی ہی جو فارسی اور ہندی مین مشترک ہی،

زبان اس کی زیادہ سخت ہے، کیونکہ دکنی زبان کے الفاظ بکثرت اس مین استعمال کئے ہین، زبیری کے بیان سے معلوم ہوتا ہی کہ اُس زمانے کے عیب جو اُن کی زبان پر ہنستے اور اعتراض کرتے تھے، نصرتی نے علی نامہ مین اس کا جواب دیا ہی،

خریدار کو خوب سودے سے کام ۔۔۔ نہ دکان کا دیکھنا سقف و بام،



مضامین سون ہے جا بجا بات بول ۔۔۔ دکھایا سکت فیض کا حق کے کھول (طاقت)

یلک فن مین کی سحر کی بہت چھند ۔۔۔ خبیثان کے جیبان کو کیتا ہون بند (ایک ایک) (خبیثون)

کیا ہون سخن مختصر بے گمان (بات) ۔۔۔ کہ یو شاہنامہ دکن کا تو جان، (زبانون) (کیا) (تیہ)

کہ ہر اک زبان حضرت غیب دان ۔۔۔ سکھایا سب آدمؑ کو سو تھے نہان

ہوئی تیسہ جو نسل آدم کی اصل ۔۔۔ کلامان انھین کے ہوئے فصل فصل

انو مین جو تھے شہر کے اوستاد (ان) ۔۔۔ گیا وہ زمانہ نہ رہے شعر یاد،

سخن بن نزاکت کے نا دیکھ بھول ۔۔۔ کہ خوش باس سون قدر پاتا ہی پھول

نہ کہتا ہون مین بے وقوفون کی بات ۔۔۔ نہ کم ہون مثالین تو حاسد نے ہات (سے) (بو)

ولے جو سخندان ہین صاحب تمیز ۔۔۔ کہ رکھیں اس سخن کو رکھین نت عزیز (پسند کر کے) (ہمیشہ)

نقل | ایک دن علی عادل شاہ خاص محل مین فوارہ کے چھوٹنے کا تماشہ دیکھ رہا تھا، اُس وقت پانی کے قطرے موتی کی طرح چمک رہے تھے، بادشاہ کے دل پر اس نظارہ کا ایسا اثر

کہ اُس کے منہ سے بیساختہ یہ مصرع نکل گیا، ع

اپراسو پو فوارہ پانی پے کیا نچھل ہے،
اُبھرا یہ پر صاف

مولانا نصرتی حاضر تھے انھون نے فی البدیہہ دوسرا مصرع پہنچایا،

تجھ شہ او بر اڑانے کا ایک مو رچھل ہے،

علی نامہ کا ایک قلمی نسخہ نواب عماد الملک کے کتبخانہ مین موجود ہے، اصفی نے محبوب الزمن مین لکھا ہے کہ نصرتی نے ۱۰۹۵ھ مین وفات پائی ہی،

دورِ دوم
شعراے دکن

میر محمد تقی میر نے نکات الشعرا مین شعراے دکن کا ذکر میر عبد الولی عزلت کی بیاض سے نقل کیا ہے، حال تو کچھ لکھا نہین کسی کے ایک دو شعر کسی کے کچھ زیادہ لکھے ہین، اور انکی نسبت جو رائے قائم کی ہی، وہ انھین کے الفاظ مین سننے کے قابل ہی،

"یکے ازین شاعران سمتِ دکن کہ پر بی رتبہ اند مگر بعض چنانچہ ولی و سید عبد الولی و سراج و آزاد کہ معاصرِ ولی بود سر رشتہ مضبوط گوئی بدستِ ایشان یافتہ می شود باقی سر کلافہ وا داشتہ اند"

میر صاحب نے جن شاعرون کا ذکر کیا ہے، اور جو کلام اُن کا انھین ملا ہو، اُس کے لحاظ سے یہ رائے اون کی صحیح ہو تو ہو مگر اصلیت اور واقعہ کے اعتبار سے غلط اور بالکل غلط ہے، میر صاحب نے دکن کے سینکڑون شعرا مین سے کم و بیش پچیس ۲۵ شاعرون کا ذکر ہے، اُن سینکڑون مین بیسیون ایسے ہین جو میر عبد الولی عزلت سے بہتر

شعر کہتے ہین،

کسی کے ایک دو شعر پڑھکر اُس کی نسبت جو رائے قائم کی جائے گی وہ اصلیت سے دور ہوگی، مرزا داؤد کا صرف ایک شعر میر صاحب کو ملا ہے، حالانکہ اُن کے دیوان مین پانسو شعر سے کم نہین، اگر تم اسی ایک شعر کو پڑھکر سارے دیوان کو خرافات کہدو تو اس سے زیادہ زبردستی کیا ہو سکتی ہے،

جن لوگون کی خبر میر صاحب کو نہین ہوئی اُن مین سے میر عاشق علی خان ایمآ، میر غلام علی ارشد، مرزا علی نقی خان ایجاد، میر عبدالحئی خان صارم، عارف الدین خان عاجز، میر اولاد محمد ذکا، بچھمی نراین شفیق اور بہت سے ایسے شعرا ہین جن کے ہان زبان کی صفائی، خیالات کی رنگینی اور پختگیِ کلام کے تمام لوازم موجود ہین،

افسوس ہے کہ اس زمانہ مین جبکہ چھاپہ خانون کی کثرت سے نایاب کتابین کوڑیون کے مول بک رہی ہین، ان کے دواوین اور پرانے تذکرے اب تک گمنامی کے پردے مین چھپے ہوئے ہین،

شمس الدین ولیؔ[1]

شمس الدین لقب، ولی اللہ نام، ولیؔ تخلص، اورنگ آباد مین تقریباً ۱۰۶۸ھ مین پیدا ہوئے، خاندان کا حال معلوم نہین، آزاد نے آبحیات مین ان کو گجرات کا باشندہ اور علامہ وجیہ الدین علوی کی نسل سے بتایا ہے، مگر اس کی کوئی تاریخی سند نہین بتائی، صرف تذکرۂ حکیم قدرت اللہ خان قاسم کا حوالہ دیا ہے، یہ تذکرہ میری نظر سے نہین گذرا، مگر میر محمد تقی میر

[1] اختلاف است درینکہ اول کسے کہ بر ریختہ سخن کردہ ولی است یا پیشتر ہم فکر درین زبان شایع بود وبتحقیق تقدیم تاخر بر او لست و توفیق آنست کہ تازمانش دیگرے بر تبہ او نرسیدہ و موجد گفتنش را علت ہمین باشد، (گلشن بیخار)

اور میر حسن کے تذکرے پیشِ نظر ہین، وہ اِن کو اورنگ آباد کا باشندہ ظاہر کرتے ہین،

آصفی ملکاپوری نے حال مین ایک بسیط تذکرہ شعراے دکن کا شایع کیا ہے، اُس مین بھی ولی کو اورنگ آباد کا ظاہر کیا ہے، اور خود اُن کے کلام اور اُن کے لب و لہجہ سے اس کی سند بہم پہنچائی ہو کہ وہ دکن کے رہنے والے تھے،

علامہ وجیہ الدین کا خاندان گجرات مین اپنے فضل و کمال اور فیض رسانی کے لحاظ سے بہت معزز و ممتاز سمجھا جاتا تھا، گجرات پر مغلون کے قبضہ ہو جانے کے بعد اچھے اچھے گھرانون کے لوگ پریشان ہو کر بیجاپور، احمد نگر، برار، اور برہان پور کو چلے گئے تھے، انھین نقل مکان کرنے والون مین شاہ اسد اللہ علامہ وجیہ الدین کے پوتے بھی تھے جھنون نے بیجاپور مین بود و باش اختیار کی تھی، اگر یہ صحیح ہے کہ ولی کو علامہ وجیہ الدین کے خاندان سے نسبت تھی تو کیا عجب ہے کہ یہ شاہ اسد اللہ سے کوئی واسطہ رکھتے ہون،

آصفی کہتے ہین کہ بیس برس کے سن مین تحصیلِ علم کے واسطے گجرات گئے اور علامۂ مذکور کے مدرسہ مین تعلیم حاصل کی چند روز کے بعد اسی خاندان کے ایک سجادہ نشین کے ہاتھ پر طریقۂ قادریہ شطاریہ مین بیعت کی،

سید ابو المعالی احمد آباد گجرات کے ایک بزرگ زادے سے ولی کو ایسی محبت ہو گئی تھی کہ اس کو دیکھنے والے عشق سے تعبیر کرتے تھے، انھون نے بزرگانِ دین کی زیارت کی نیت سے دلی، سرہند کا سفر اختیار کیا، ولی بھی اُن کے ساتھ ہو لئے،

دلی مین شاہ سعد اللہ گلشن نقشبندیہ سلسلہ کے ایک نامور بزرگ اور بہت پرگو شاعر تھے ولی نے اُن کے فیضِ صحبت سے فائدہ اٹھایا، اور اپنے شعر سنائے، میر تقی میر نکات الشعراء مین لکھتے ہین کہ شاہ سعد اللہ گلشن نے اُن کے شعر سنکر فرمایا کہ "این ہمہ مضامین فارسی کہ

بیکار افتادہ اند در ریختہ خود بکار برازتو کہ محاسبہ خواہد گرفت،

آزاد کہتے ہین کہ خود ولی نے ایک رسالہ نور المعرفۃ تصوف مین لکھا ہی، اُس مین کہتے ہین کہ مین نور الدین محمد صدیقی سہروردی کے مریدون کا خاکِ پا اور شاہ سعد اللہ گلشن کا شاگرد ہون،

ولی محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ مین دلی آئے تھے، معلوم ہوتا ہو کہ دلی مین انکا جی لگ گیا تھا چنانچہ دلی کی تصنیفات مین سے ایک غزل مین کہتے ہین، ؎

دل ولی کا لے لیا دلی نے چھین　　جا کہو کوئی محمد شاہ سون،

دلی سے اورنگ آباد واپس آئے یہان ۱۱۴۱ھ مین دہ مجلس شہدائے کربلا کے حال مین ایک مثنوی لکھی اُس کے خاتمہ مین کہتے ہین، ؎

ہوا ہے ختم جب یہ درد کا حال　　تھا گیارہ سَو پہ اکتالیسوان سال
کہا ہاتف نے یو تاریخ معقول　　ولی کا ہی سخن حق پاس مقبول،

ایک چھوٹی سی مثنوی اُن کی سورت کی تعریف مین بھی ہے، قیامِ گجرات کے زمانہ مین یہ سورت گئے تھے وہین یہ مثنوی تصنیف کی، اس کے دو تین شعر ملاحظہ ہون،

عجب شہر وان مین ہی یہ نور یک شہر　　بلا شک ہی وہ جگ مین مقصد دہر،
رہے مشہور اس کا نام سورت،　　کہ جاوے جس کے دیکھے سب کدورت
بھری ہی سیرت و صورت سون سورت　　ہراک صورت ہی وان انمول صورت

ولی کو گجرات سے بہت دلچسپی ہو گئی تھی، اورنگ آباد مین کچھ دنون رہکر اپنے پیر و مرشد اور اساتذہ کی زیارت کو پھر احمد آباد چلے گئے، اور تقریباً ۱۱۵۵ھ مین وہین وفات پائی،

ان کا دیوان یورپ مین بھی چھپ گیا ہے، اُس مین علاوہ ردیف وار غزلون کے

رباعیان، قطعے، دو تین مخمس، قصیدے، اور دو چھوٹی چھوٹی مثنویان ہین،

ناواقفیت کی وجہ سے عام طور پر یہ خیال چلا آتا ہے کہ ریختہ مین سب سے پہلے ولی نے دیوان مرتب کیا ہے، اسی بنا پر مولوی محمد حسین آزاد نے اردو نظم کی اولیت کا تاج اُن کے سر پر رکھ دیا ہے، اور اردو شاعری کی نسل کا آدم ان کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اُردو مین ان کو وہ رتبہ حاصل ہے جو انگریزی کی نظم مین چاسر شاعر کو، فارسی مین رودکی اور عربی مین مہلہل کو حاصل ہے، حالانکہ ان سے سو سوا سو برس پہلے ریختہ مین شاعری اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ اس مین بے تکلف دیوان مرتب ہونے لگے تھے، محمد قلی قطب شاہ، محمد قطب شاہ اور عبد اللہ قطب شاہ کے دیوان حیدرآباد مین ابتک موجود ہین، مولانا نصرتی کا دیوان مفقود ہے، مگر زبیری نے بساتین السلاطین مین اُس کا ذکر کیا ہے،

قصائد مین مولانا نصرتی کا قصیدہ میری نظر سے گذرا ہی، جس پر تاریخ کتابت ۱۲ محرم ۱۰۸۳ھ لکھی تھی، اور قصیدے کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ وہ محمد عادل شاہ (متوفی ۱۰۶۳ھ) کے عہد حکومت مین تصنیف کیا گیا ہے،

مثنویون مین مولانا نصرتی کا شاہنامہ، مولانا ہاشمی کی یوسف زلیخا، اور ولی کے ایک ہمعصر مولوی سید محمد کی فیض عام جو ۱۱۲۱ھ مین لکھی گئی ہے، جس سال ولی نے وہ مجلس لکھی تھی،

مراثی مین میرزان مولانا نصرتی کا ہمعصر اور شاہ قلی وغیرہ ابو الحسن تاناشاہ کے زمانے مین ایسے خوش گو شاعر تھے کہ اُن کے مرثیے ہاتھون ہاتھ دلی اور آگرہ پہنچے اور لوگ اُن کو شوق سے پڑھتے تھے،

غرض کہ اصناف سخن مین سے ہر ایک صنف ولی سے سو سوا سو برس پہلے ریختہ مین

آچکی تھی، مگر زبان کی حیثیت سے دستورکے موافق عالمِ طفولیت مین تھی،

وَلی کے زمانے تک منجتے منجتے زیادہ صاف ہو گئی، وَلی، آزاد، سراج اور داؤد کے اشعار

دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کی ایک زبان ہے،

تاہم اس مین کچھ شبہہ نہین کہ وَلی اپنے ہمعصر شاعرون مین سب سے زیادہ ممتاز ہے، اور

اُس کے کلام کو قبولِ عام حاصل ہوجانا اُس کی شاعری کا طرۂ افتخار ہے،

کلام کا رنگ ملاحظہ ہو:-

جس وقت اے سریجن تو بے حجاب ہوگا　　ہر ذرہ تجھ جھلک سون جون آفتاب ہوگا

مت جا چمن مین لالہ لیل پرست ستم کر　　گرمی سون تجھ نگہ کے گل گل گلاب ہوگا

مت آئینہ کون دکھلا اپنا جمال روشن　　تجھ مکھ کی تاب دیکھے آئینہ آب ہوگا

مجکو ہوا ہے معلوم اے مست جام خوبین　　تجھ انکھڑیان کے دیکھے عالم خراب ہوگا

ہاتف نے یون دیا ہو مجکو ولی بشارت　　اس کی گلی مین جا تو مقصد شتاب ہوگا

یاد کرنا ہر گھڑی تجھ یار کا　　ہے وظیفہ مجھ دلِ بیمار کا،

آرزوے چشمۂ کوثر نہین،　　تشنہ لب ہون شربتِ دیدار کا،

کیا کہے تعریف دل ہے بے نظیر　　حرف حرف اس مخزنِ اسرار کا،

گر ہوا ہے طالبِ آزادگی　　بند مت ہو سبحہ و زنار کا،

مسندِ گل منزلِ شبنم ہوئی،　　دیکھ رتبہ دیدۂ بیدار کا،

خوبیٔ اعجاز حسنِ یار گر انشا کرون　　بے تکلف صفحۂ کاغذ ید بیضا کرون

کیا کہون تجھ قد کی خوبی سروِ عریان کے حضور — خود بخود رسوا ہوا ہے اسکو اور کیا رسوا کرون
سر کرون جب وصف تیرے جامۂ گلرنگ کا — جامۂ زیبا کو رنگِ جامۂ دیبا کرون
رات کو آؤن اگر تیری گلی مین اے حبیب — زیورِ لب ذکر سبحان الذی اسریٰ کرون
آرزو دل مین یہی ہے وقت مرنے کے ولی — سروِ قد کو دیکھ سیرِ عالمِ بالا کرون



مت تصور کر و مجھ دل کو کہ ہرجائی ہے — چمنِ حسنِ پریرو کا تماشائی ہے،
گل رخان کیون نہ کہین تجھکو سکندر طالع — جلوہ گر بر مین ترے جامۂ طرائی ہے،
شیخ مت گھر سون نکل آج تو خوبان کے حضور — گول دستار ترا باعثِ رسوائی ہے،
اے ولی رہنے کون دنیا مین مقامِ عاشق — کوچۂ یار ہے یا گوشۂ تنہائی ہے،



تا حشر رہے بوے گلاب اُسکے عرق سے — جس بر مین یکبار وہ گل پیرہن آوے
سایہ ہوا مرا سبز برنگِ پرِ طوطی، — گر خواب مین وہ نو خطِ شیرین بچن آوے



آغوش مین آنے کی کہان تاب ہے اُس کو — کرتی ہے نگہ جس قدِ نازک پہ گرانی



کہان ہے آج یارب جلوۂ مستانۂ ساقی — کہ دل سے تاب جی سے صبر سر سے ہوش لیجاوے



دیکھنا تجھ قد کا اے نازک بدن — باعثِ خمیازۂ آغوش ہے،



دشمنِ دین کا دین دشمن ہے   راہزن کا چراغ رہزن ہو

فقیر اللہ آزاد

حیدر آباد دکن کے رہنے والے تھے، بچپن مین یتیم ہو گئے، مزاج مین اہلیت و غربت اتنی تھی کہ اہل محلہ ان کو اپنے بچون کی طرح عزیز رکھتے تھے،

کچھ معلوم نہین کہ کس خاندان کے چشم و چراغ تھے، اور تعلیم و تربیت کیسی ہوئی قرینہ یہ ہو کہ اُس زمانہ کے رواج کے موافق فارسی کی پوری اور عربی کی بقدر ضرورت کتابین پڑھی ہون گی،

تعلیم پوری نہ ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ جوان ہوتے ہی کسی پری پیکر کو دل دے بیٹھے، اور تنکے چننے لگے، ایک حال اور ایک مقام پر قرار نہین آتا تھا، بے تابانہ اِدھر اودھر مارے مارے پھرتے تھے، اسی حالت مین اپنے دوست و ہموطن فراقی کے ساتھ دلی آئے مگر معلوم ہوتا ہو کہ یہان بھی نہین ٹھہرے،

میر محمد تقی میر نے نکات الشعرا مین ان کا ذکر کیا ہو، اور لکھا ہے کہ ہمعصر ولی بود دلبیار بصفا حرف میزد" میر حسن نے بھی اس کی تصدیق کی ہے، مگر دونون نے ایک ہی شعر اُن کا نقل کیا ہے،

ولی نے ان کی غزل پر غزل کہی ہے، اور اُن کی غزل کے ایک مصرع کو تضمین کیا ہے، اور اپنے معمول کے موافق اُن پر نوک جھونک نہین کی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آزاد کی شاعری کا ایک حد تک معترف ہے، ؎

آزاد سے سنا ہون یہ مصرعِ مناسب   جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

آزاد کا یہ شعر ہے،

آئین جہان کی ساری آزاد صنعتین ہین   جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا،

میر سراج الدین سراج

از مردم اورنگ آباد در وقت عالمگیر اول بود از شاگردان سید حمزہ علی دکنی روشن طبع

معلوم می شود خدا یش بیامرزد ۱ه تذکرہ میر حسن،

سراج الدین نام سراج تخلص اورنگ آباد کے سادات صحیح النسب سے تھے اورنگ آباد مین پیدا ہوئے اور وہین ان کا نشو و نما ہوا، اس زمانے کا اورنگ آباد آج کا ایسا نہ تھا، عالمگیر مرحوم کے پایۂ تخت ہونے کی وجہ سے مرجع اہل کمال بنا ہوا تھا، ہر علم و فن کے اہل فضل و کمال وہان مجتمع تھے اُن کے دامن تربیت مین پرورش پائی،

میر محمد تقی میر نے نکات الشعرا مین اور میر حسن نے اپنے تذکرہ مین لکھا ہو کہ سید حمزہ کے شاگرد تھے، مگر اس کی تصدیق اہل دکن نہین کرتے، خود سراج نے شعرائے فارس کے دیوانون کا انتخاب کیا ہے، اُس کے دیباچہ مین کچھ اپنے خیالات بھی لکھے ہین، مگر اُس مین بھی اس کا ذکر نہین کیا،

عنفوان شباب مین غلبۂ شوق سے از خود رفتگی کی کیفیت پیدا ہوئی، سات برس تک برہنہ پا و برہنہ سر مولانا برہان الدین غریب کے روضہ کے اطراف مین چکر کاٹتے رہے، اور اسی حالت مستی مین فارسی مین شعر کہتے، مگر لکھتے نہین تھے، خود فرماتے ہین کہ اُس زمانے کے اشعار جمع کیے جاتے تو ایک ضخیم دیوان تیار ہو جاتا،

سات برس گذرنے پر سید عبد الرحمٰن چشتی (متوفی ۱۱۶۱ھ) کی خدمت مین حاضر ہوئے اور اُن کے ہاتھ پر طریقۂ چشتیہ مین بیعت کی اور عرصۂ دراز تک اُن کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے

اپنے پیر بھائی عبدالرسول خان کے کہنے سے ریختہ کی طرف توجہ کی، اور عرصہ تک ریختہ مین شُغلِ سخن کرتے رہے، عبدالرسول خان نے دیوان مرتب کیا، جو پانچہزار شعرون پر مشتمل ہے،

اس دیوان کی اشاعت سے دکن مین ان کی دھوم مچ گئی اور اس پر اتفاق ہوگیا کہ ولی کے بعد دکن مین اس پایے کا کوئی شاعر نہین ہوا، خود سراج کو بھی اِس کا دعویٰ تھا، فرماتے ہین، ؎

تجھ بنا اے سراج بعد ولی　　　کوئی صاحب سخن نہین دیکھا

اے سراج آرزوے قند نہین　　　شعر تیرا ہے جُون نباتِ لذیذ،

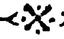
شاید کہ بعد مرگ رہین خاص و عام یاد　　　مشہور نہین سراج کا شیرین سخن ہنوز

مصنفینِ دکن نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ ریختہ گوئی مین سراج ولی کا قائم مقام تھا، ولی نے زمینِ شعر پر جو پودے لگائے تھے اُن کو سراج نے سرسبز و شاداب کیا، اور اہلِ دکن نے مزے لے لے کر اُن کے پھل کھائے،

اورنگ آباد کی محفلون مین سراج ہی صدر نشین ہوتے تھے، اور خود اپنے یہان بھی ہفتہ مین دو بار روز مجلسِ سماع منعقد کرتے، اُس مین شہر کے علما و مشائخ اور ہر طبقہ کے لوگ شریک ہوتے تھے، قوال انھین کی غزلین گاتے اور وجد و حال کا ہنگامہ دیر تک گرم رہتا،

فارسی مین بھی اچھے اور صاف شعر کہتے تھے، نمونہ ملاحظہ ہو، ؎

گلِ بیرنگِ حقیقت کہ بدا مانم بود ہمچو اشک از مژۂ خویش چکیدم دیدم،



نمازِ عشق ادا کردنی است عاشق را خوشم کہ دستِ جان شستم و وضو کردم



آتشی در دل واسوختہ اُفتاد سراج باز سیماب ز خاکسترِ اکسیر چکید،



سراج بہت خوش فکر، سنجیدہ مزاج، شگفتہ پیشانی، صاحبدل اور پاکیزہ مشرب بزرگ تھے، آخر عمر مین شعرگوئی ترک کردی تھی، اور ہمہ تن تزکیۂ باطن کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، مگر احباب سے بے تکلف ملتے اور لطفِ صحبت حاصل کرتے تھے، مولٰینا غلام علی آزاد سے زیادہ رسم تھی،

ایک دیوان فارسی کا، ایک ریختہ کا جس مین پانچ ہزار شعر ہین، ایک منتخب فارسی شعرا کے دیوانون کا ۱۱۶۱ھ مین تیار کیا تھا، اُس کا تاریخی نام منتخب دیوانہا ہے، ایک مثنوی ۱۱۷۳ھ مین لکھی تھی، جس مین گل وبلبل کے افسانے مین جذباتِ معرفت کی ترجمانی کی ہے،

ان کے شاگردون مین خواجہ ابوالبرکات عشرت، خواجہ عنایت اللہ فتوت، اشرف علی خان فغان، مرزا محمد جان نثار، مرزا عطا ضیا تخلص، جے کشن داس بیجان، بہت خوشگو شاعر ہوئے ہین،

۴ر شوال روز جمعہ ۱۱۷۷ھ مین وفات پائی، میر غلام علی آزاد میر اولاد محمد ذکا، اور لچھمی نراین شفیق نے تاریخین لکھین، میر اولاد محمد کی تاریخ نقل کرتا ہون،

چراغِ دودۂ آلِ عبا سراج الدین | کہ بود روشن ازو محفلِ سخندانی
نمود چارم شوال و صبحِ آدینہ | بشمع انجمنِ عمر دامن افشانی
زتیرہ بزم جہان فنا بدارِ بقا، | فروغِ ناصیۂ خویش کرد ارزانی
کشید شعلۂ تاریخ سر ز طبعِ ذکا | سراج بزمِ ارم را نمودہ نورانی

کلام کا رنگ ملاحظہ ہو،

ڈورے نہیں ہین سرخ تری چشم مست مین | شاید چڑھا ہی خون کسی بے گناہ کا

شکر للّٰہ ان دنون تیرا کرم ہونے لگا | شیوۂ جور و ستم فی الجملہ کم ہونے لگا،

آہِ سوزان سے مرے دامنِ صحرا مین سراج | قبرِ مجنون پر چراغان نہوا تھا سو ہوا،

نہین ہی تاب مجھے سامنے ترے جانان | کہان سراج کہان آفتابِ عالمتاب

نہین حقیقت مین حسن و عشق جدا | طوقِ قمری ہے طرۂ شمشاد

ہائے رہگئی دل مین دامنگیریون کی آرزو | سبزۂ تربت مرا ہی پنجۂ گیرا ہنوز،

عجب وہ سروِ گلزار اداخوش قد ہوا واقع | پہ ہر بلبل نہالِ گل کو دست رد ہوا واقع

شعلہ خو جب سے نظر نہیں آتا
لوٹتا ہے تب سے انگاروں پہ دل

مجھ نگینِ داغِ دل پر نقش ہی حرفِ وفا
عشق کی امت مین ہون مہرِ نبوت کی قسم

نہ پوچھو خود بخود کرتا ہون تعریف اُسکے قامت کی
کہ یہ مضمون مجکو عالمِ بالا سے آتے ہین۔

یاد رکھ اے دلِ خون گشتہ کہ جون تکمۂ لعل
جامہ زیبون کے گریبان کا گلوگیر نہ ہو

مدت سے گم ہوا دلِ بیگانہ اے سراج
شاید کہ جا لگا ہے کسی آشنا کے ہاتھ۔

تم پر فدا ہین سارے حسن و جمال والے
کیا خط و خال والے کیا صاف گال والے

بہار ساقی ہے بزمِ گلشن مین مطربانِ چمن شرابی
پیالہ گل سرو شیشہ شراب بو اور گل گلابی

خبرِ تحیرِ عشق سن نہ جنون رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو مین رہا جو رہی سو بیخبری رہی

شہِ بیخودی نے عطا کیا مجھے اب لباسِ برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنون کی پردہ دری رہی

چلی سمتِ غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخِ نہالِ غم جسے دل کہین سو ہری رہی

نظرِ تغافلِ یار کا گلہ کس زبان سے بیان کرون
کہ شرابِ حسرت و آرزو خمِ دل مین تھی سو بھری رہی

وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاق پر جو دھری تھی سو وہ دھری رہی

ترے جوشِ حیرتِ حسن کا اثر اس قدر ہی یہان ہوا | کہ نہ آئینہ مین جلا رہی نہ پری مین جلوہ گری رہی
کیا خاک آتشِ عشق نے دلِ بینوائے سراج کو | نہ خطر رہا نہ حذر رہا جو رہی سو بے خطری رہی

مرزا داؤد داؤدؔ،

مرزا داؤد نام ہو، داؤدؔ تخلص، اورنگ آباد مین پیدا ہوئے، اور وہین نشو و نما پائی، اُس زمانے مین اورنگ آباد فضل و کمال کا گہوارہ تھا، علما و شعرا کی صحبت مین داؤد نے علمی استعداد ایسی پیدا کر لی تھی کہ شعر و سخن کی ضرورتون سے پورے طور پر آگاہ ہوگئے تھے،

یہ معلوم نہین کہ وہ کس کے شاگرد تھے، میر محمد تقی میرؔ نے نکات الشعرا مین لکھا ہے "شاگرد سید" خدا جانے سید سے مراد سید حمزہ ہین، یا سید عبد الولی عزلت۔

عزلتؔ نے اورنگ آباد مین مستقل بود و باش جس زمانہ مین اختیار کی ہے، اُس سے بہت پہلے داؤد کی شاعری زورون پر تھی، اس لئے عزلتؔ کی شاگردی قیاس مین نہین آتی،

آصفیؔ نے لکھا ہے کہ یہ ولیؔ کا تتبع کرتے تھے، خود بھی جا بجا اس کی طرف اشارہ کیا ہے، ؎

کہتے ہین سب اہلِ سخن اس شعر کو سنکر | تجھ طبع مین داؤد ولی کا اثر آیا،

کم و بیش پانسو شعرون کا ان کا دیوان ہے، ۱۱۶۲ھ مین وفات پائی، لچھمی نرائن شفیقؔ نے تاریخ کہی، ؎

بلبلِ گلزارِ معنی، طوطیِ رنگین زبان | از غمِ آبادِ جہان بگذشت چون تیر از کمان
مصرعِ تاریخِ فوتش گفت با من ہاتفے | گو برفتہ میرزا داؤد فانی از جہان

داؤد کے کلام کا انتخاب،

عزیزان خواب مین دیکھا ہون آج اُس سروقامت کو   ہوا معلوم وقت آیا ہے میری سرفرازی کا

قانون شفا نطق مین ہے یار کے موجود   اے دل نہ ہو محتاج طبیبانِ دوا کا

ہوا ہے ابر گریان دیکھ میری چشم گریان کو   پڑا ہے شور دریا مین مرے اس اشک جاری کا

مجھ بزم مین رقیب عبث سرکشی نکر   شعلہ پڑا ہے شمع پہ مجھ سوز آہ کا

اُس صنم کے خیالِ ابرو نے   ناتوان مجکو جون ہلال کیا،

دستِ رنگین کو دیکھکر تیرے،   رنگِ مہدی چھپا ہو پاتون پات

کہتے ہین عاشقان مرا حال دیکھکر   شاید تو دل دیا ہو کسی بیوفا کے ہات

مجھ بر سون ہوئے ہے اگر آوے عجب نہین   اُس چشمِ پرخمار کو دیکھا ہون خواب مین

تیمم اس کا اُن کے وضو کرنے سے افضل ہو   کیا ہے جن نے حاصل خاکساری کی عبادت کو

مرا احوال چشم یار سے پوچھ،   حقیقت درد کی بیمار سے پوچھ،

مرے حالِ پریشان کی حقیقت صنم کی زلف کے ہر تار سے پوچھ

اے زاہدان اٹھاؤ جبین کو زمین سے جو سرنوشت ہے اوسے کان تک مٹاؤ گے

میر عبدالولی عزلت

نسبتے تمام بسخن دارند از اسالیبِ کلامِ شان واضح می گردد کہ بہرہ بسیارے از دردمندی دارند ام، نکات الشعراء

میر عبدالولی نام، عزلت تخلص، سید سعد اللہ سلونی کے بیٹے، وہ شاہ پیر محمد سلونی کے نواسے تھے، سلون ضلع رائے بریلی مین ایک مردم خیز قصبہ ہے، شاہی مین صوبہ الہ آباد مین شامل تھا، اب اودھ مین اس کا شمار ہے،

سید سعد اللہ علوم و فنون مین فاضلِ یگانہ اور علامۂ وقت تھے، سفرِ حج سے واپس ہوتے ہوئے سورت مین بود و باش اختیار کر لی تھی، میر عبدالولی کا نشو و نما سورت مین ہوا، اپنے والد سے علوم و فنون کی تعلیم پائی، اور مدتون درس دیتے رہے، طبیعت مین تیزی و جالا کی خداداد تھی، اول فارسی مین شعر کہنے کا شوق ہوا، اس کے بعد ریختہ پر طبیعت مائل ہوئی اور اس مین ایسی ترقی کی کہ استاد سمجھے جانے لگے،

بھاشا مین بھی فکر کرتے تھے، دوہے، کبت، جھولنے، سوال و جواب، بارہ ماسے، مکرنیان، پہیلیان سبھی چیزون مین طبع آزمائی کی، اور ہر ایک چیز کو سلیقہ سے کہا،

موسیقی کا شوق ہوا تو زیر و بم اور تال و سر مین مہارت پیدا کی، ساز و قانون و سرود وغیرہ مین سب سے آگے نکل گئے، اور اس زمانے کے اچھے اچھے گویے ان کے سامنے

کان پکڑتے تھے،

مصوری مین وہ کمال دکھایا اور رنگ وروغن مین ایسی صفائی پیدا کی کہ اس فن کے مبصر اُن کے ہاتھ کی کھنچی ہوئی تصویرون کو دیکھکر محوِ حیرت ہو جاتے تھے،

غرض کہ جامعیت اور ہمہ دانی مین اپنے بہت سے معاصرون سے ممتاز تھے، اسی وجہ سے جہان جاتے قدر شناس اُن کی عزت کرتے تھے،

۱۱۶۴ھ مین دلی آئے، سراج الدین علی خان آرزو کا زمانہ تھا، اُن سے ملے اور عرصہ تک دلی مین رہے، میر محمد تقی تیر سے زیادہ رسم ہو گئی تھی، میر صاحب نے نکات الشعرا مین شعرائے دکن کا کلام انھین کی بیاض سے نقل کیا ہے، اور ان کا ذکر خوبی سے کیا ہی،

دلی سے مرشد آباد گئے، نواب مہابت جنگ علی وردی خان کا زمانہ تھا، نواب تپاک سے ملے، اور جب تک زندہ رہے ان کی عزت کرتے رہے،

نواب کے مرنے کے بعد دکن گئے اور اورنگ آباد مین بود و باش اختیار کی، نواب ناصر جنگ نظام الدولہ بہادر کا زمانہ تھا، انھون نے تنخواہ مقرر کر دی، اُن کی شہادت کے بعد حیدر آباد گئے، نواب صلابت جنگ آصف الدولہ بہادر نے دوگانون جاگیر مین عنایت فرمائے،

غرض کہ جب تک جیتے رہے فارغ البالی اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے، میر غلام علی آزاد، میر اولاد محمد ذکا، مرزا علی نقی خان ایجاد، عبد القادر سامی اور لچھمی نراین شفیق سے صحبتین گرم رہتی تھین،

۱۶ رجب ۱۱۸۰ھ مین وفات پائی حیدر آباد میر مومن کے دائرے مین مدفون ہوئے،

جلایا مصحفِ دل تو نے کیون برقِ تغافل سے   جو سچ بولون تجھے جھوٹی قسم کھانے کے کام آتا

یہ روزی مین میری قدر کو احباب کیا جانین — اندھیری رات مین کس کو کوئی پہچانتا ہیگا،

اُس کو پہونچی خبر کہ مرتا ہون — کسی دشمن سے سنا ہوگا،

ع بکت گمان یون تھا کہ جلکر ہوا ہی راکھ — پھر دود آہ دل مین مرا دیدہ تر کیا

بجز رفاقتِ تنہائی آسرا نہ رہا — سوائے بیکسی اب اور آشنا نہ رہا

جس خوش نگہ کو ہیچون غفلت کی نیند لیوے — مین خفتہ بخت شب کا افسانہ ہو رہا ہون

تری زلف کی شب کا بیدار مین ہون — تجھ آنکھون کے ساغر کا میخوار مین ہون
کدھر بہتا پھرتا ہے اے گریۂ غم — کہ آنکھون سے تیرا خریدار مین ہون

صحیح اپنا مرض الفت کا جب مین عرض کرتا ہون — چلے دل کی تشفی کو مجھے آنکھین دکھاتا ہے،

چین ابروے سجن مین مرا دل الجھا ہے — دل کھلے گر کبھی دونون مین گرہ پڑ جائے

سدھارے گل کہان سونے پڑے ہین گلستان اپنے — گئی ہین بلبلین کیدھر جلا کر آشیان اپنے

دیکھ مت رنگین چمن کو دل مرا غمناک ہی   گل کے ہاتھون خون بلبل کا گریبان چاک ہی

خاطر یاران مین ہی ہم خاکسارون کا غبار   صاف ہی شکوہ دلون مین کیا محبت خاک ہی

اے بلبل اتنی رو کے دعا ہر سحر تو مانگ   حق تیری آہ سرد چمن کی ضیا کرے،

عارف الدین[۵] خان عاجز

عارف الدین نام عاجز تخلص تھا، باپ دادا بلخ کے باشندے تھے، عالمگیر مرحوم کے عہد دولت مین ان کے والد ہندوستان آئے، نواب فیروز جنگ کی عنایت سے شاہی منصب حاصل ہوا،

عاجز ہندوستان مین پیدا ہوئے، بہت چھوٹی عمر مین باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا مگر خدا کے فضل نے دستگیری کی، نواب لشکر خان (رکن الدولہ نصیر جنگ) نے ان کو اپنی سرپرستی مین لے لیا، اُن کے سایۂ عاطفت مین تعلیم و تربیت پائی، اور انھین کے ساتھ اورنگ آباد آکر نواب آصفجاہ اول کی سرکار مین منصب و خطاب سے سرفراز ہوئے،

منصب زیادہ نہین تھا، مگر مزاج مین قناعت تھی اور نواب لشکر خان نے رسالہ کی بخشیگری کو منصب کا ضمیمہ کر دیا تھا، اس لئے اطمینان و فراغت سے زندگی بسر کرتے تھے،

مزاج مین ظرافت اور شعر و سخن سے قدرتی لگاؤ تھا، اور نگ آباد پہونچ کر شوق

۵ دہ دوازدہ سال باشد کہ در شاہجہان آباد تشریف داشت بندہ شور او شنیدہ بودم از چندین بسبب دکن رفتہ اکثر از زبان سید مذکور بوضوح می پیوندد کہ در برہان پور بست ام نکات الشعرا،

بڑھ گیا، فارسی اور اردو مین طبع آزمائی کرتے کرتے دونون زبانون مین بہت اچھا شعر کہنے لگے، تاریخ کہنے مین بھی سلیقہ تھا، ایک روز مرزا افضل قاقشال مؤلف تحفۃ الشعرا کے مکان پر بیٹھے ہوئے تھے، وہ مکان بنا بنکر تیار ہوا تھا، افضل نے کہا کہ آپ کو تاریخ گوئی مین دعویٰ ہے، اس مکان کی فی البدیہہ تاریخ کہئے، کہا کہ آپ کیا دین گے، اُنھون نے کہا جو کچھ کہئے. حاضر ہے، تھوڑی دیر نہین گذری تھی کہ یہ تاریخ لکھکر سنادی، ؎

منزل عیش بہ از چار محل　　کرد بنیاد چو مرزا افضل ،

گفت تاریخ بیانش ہاتف　　منزل جاہ و مکانِ افضل ،

کبرسنی مین ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے، نواب موسوی خان سے کہلا بھیجا کہ مین مرتا ہون تاریخ کی فکر کیجئے، انھون نے جواب دیا کہ تاریخ گوئی مین خود آپ کو مہارت ہے، آپ ہی تکلیف کیجئے، یہ سنکر مسکرائے اور اپنے نام و تخلص کے اعداد جمع کئے، ایک عدد بڑھتا تھا، فرمایا کہ کاش ایک سال کی مہلت اور مل جاتی تو نام کا نام اور تاریخ کی تاریخ ہو جاتی، خدا کی قدرت دیکھو دو چار روز کے بعد اچھے ہو گئے،

اچھے ہو کر کسی ضرورت سے ناندیڑ گئے، وہان چند روز رہے تھے کہ وعدہ پورا ہو گیا اور ناندیڑ مین مدفون ہوئے، میر اولاد محمد ذکا کو توارد ہوا، انھون نے "عارف الدین خان عاجز" سے تاریخ وفات نکالی جس سے ۱۱۷۸ھ نکلتے ہین، یہی سنہ اُن کی وفات کا ہے،

ایک دیوان فارسی مین ایک اردو مین یادگار چھوڑا، ایک مثنوی لکھی ہے، جس مین لال و گوہر کا قصہ نظم کیا ہے، ایہام اور ذومعنیین کا شوق تھا، مگر مثنوی بہت صاف وسادہ ہے. چند اشعار اس کے ملاحظہ ہون،

الٰہی دے مجھے رنگین بیانی　　عطا کر مجکو یاقوت معانی ،

سخن کے در کا مجکو جوہری کر
سخن سنجون کو میرا مشتری کر

سخن کا لال دے میری زبان کو
درِ معنی سے بھر میرے بیان کو،

جنون کے دشت کا بنکر بگولا،
خرد کی راہ کو وحشت سے بھولا،

سحر سے شام تک مانندِ خورشید
طلب کے فرق پر رکھ پاے امید

غزالون کی طرح سرگرمِ رم تھا،
بیابان اس کو گلزارِ ارم تھا،

برس دو جب چلا جب راہ مین آہ
نظر مین اُس کے آیا دشتِ جانکاہ

کرون اس دشت کی کیونکر صفت کو
زبان پر کس طرح ڈالون لغت کو،

وہان ہرگز نہ تھا پانی کا آثار
اجل کا کھیت تھا وہ دشتِ خونخوار،

بیابانِ عدم کے تھا برابر،
وہان تھا جہان عزرائیل کو ڈر

وہان کی ریت ہیرے کی کنی تھی
وہان کے کانٹے بھالون کی انی تھی

وہان کی گرد تھی پاتون کی دارو
وہان کی خاک تھی دوزخ کی بالو

غزلون کے منتخب اشعار

دیکھو دامنگیر محشر مین ترے ہوئین گے ہم
خون ہمارا اپنے دامن سے نہ اے قاتل چھڑا

عاجز ہون شاہ ملکِ جنون میرے واسطے
سورج کلاہ چتر فلک ہے زمین ہی تخت

ہے ہمارے بت کا دل پتھر کے جیرے کیطرح
کیا کرون اُس کی صفت ہی سخت ہیرے کیطرح

ہر سحر کیا دیکھتی ہو آرسی اے سادہ رو ہی تمھارے حسن کے دفتر کی دونون صاف فرد

جب سے اے رنگین ادا تیرا ہی رنگِ گل مین نقش تب سے میری آہ کا ہی سینۂ بلبل مین نقش

عاجز بھی شمع آہ جلاتا ہے باغ مین روشن اگر گلون سے ہوا ہے چراغِ باغ

باغ مین اُس لالہ رو کے آہ جب جاتے ہین ہم دل کے داغون کو گلون کے تازہ کر آتے ہین ہم
عشق سے خوش قامتون کی سبزپوشی کر پسند سرو کے بوٹے قبا پر اپنی چھپواتے ہین ہم

خوش نگہ کی یاد مین ساغر کو جب گردان کرون بے تکلف گردنِ مینا کو نرگس دان کرون
اوس حنائی ہاتھ کی تعریف خونِ دل سے لکھ ریشۂ نخلِ قلم کو پنجۂ مژگان کرون

چمن مین جا کے وہ رنگین ادا جب مسکراتا ہی گلون سے رنگ اُڑ کر لال سا جنگل کو جاتا ہی
ہمارا اشکِ خونین یاد مین گلرو کے بہ بہ کر نگہ کو رشتۂ تسبیحِ یاقوتی بناتا ہے،

تیسرا دور

متقدمین شعراے اردو کا۔

شاہ مبارک آبرو

شاعر نادرہ گوے ریختہ بیگو یند کہ طبعی شوخی داشت، غرض مستغنیِ وقتِ خود بود کہ عہد محمد شاہ

باشد، از نکات الشعرا۔

نبیرۂ حضرت محمد غوث گوالیاری نور اللہ مرقدہ از ابتدائے جوانی مشقِ سخن میکرد، شاعر خوشفکر

در وقت خود بود، از تذکرہ میر حسن۔

آبرو تخلص، نجم الدین نام، شاہ مبارک لقب تھا، اور اسی لقب سے مشہور تھے، حضرت محمد غوث گوالیاری کی اولاد میں اور سراج الدین علیخان آرزو کے رشتہ دار، باوجودیکہ بڑے شاعر اور کہنہ مشق تھے، مگر خان آرزو کو اپنا کلام ہمیشہ دکھاتے رہے۔

علمی استعداد کا حال معلوم نہین، کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعرون کے لئے جن معلومات کی ضرورت ہے، اُن سے بے بہرہ نہ تھے، عنفوانِ شباب مین یہ دلی آگئے تھے اور ساری عمر یہین بسر کردی۔

ایک آنکھ اُن کی جاتی رہی تھی، مگر جو کمال اُن کو خدا نے عنایت فرمایا تھا، اُس نے اس عیب کی پردہ پوشی کر دی تھی، ابنائے وطن نے دل کھولکر اُن کی قدردانی کی، اور حق یہ ہے کہ دلی مین اردو شاعری کا باقاعدہ آغاز انھین سے ہوا ہی۔

طبیعت رسا اور فکر معنی یاب تھی، اس زمانے کے دستور کے موافق تشبیہ اور ایہام مین کلام الجھا ہوا ہے، مگر محاورون کی چاشنی نے اُس کو بامزہ کردیا ہی، دیوان انکا غدر مین ضایع ہوگیا، ایک مختصر دیوان اب بھی کہین کہین پایا جاتا ہی، شاید اسی کا انتخاب ہو۔

کلام ملاحظہ ہو،

آیا ہے صبح نیند سے اٹھ رسمسا ہوا، جامہ گلے مین رات کا پھولون بسا ہوا

کم مت گنو یہ بخت سیاہون کا رنگ زرد سونا وہ ہے، جو ہووے کسوٹی کسا ہوا

اندازسین زیادہ نپٹ ناز خوش نہین جو خال اپنی حدسین بڑھا سو مسا ہوا

جدائی کے زمانے کی سجن کیا زیادتی کہئے، کہ اس ظالم کی جو ہم پر گھڑی گذری سو جگ بیتا

یہ سبزہ یہ آبِ روان اور ابر یہ گہرا دیوانہ نہین گھر مین رہون چھوڑ کے صحرا

قول آبرو کا تھا کہ نہ جاؤنگا اُس گلی ہو کر کے بے قرار دیکھو آج پھر گیا

دل تو دیکھو آدم بیباک کا عشق سے پتلا بھرا ہے خاک کا

کچھ ٹھہرتی نہین کہ کیا ہوئے گی اس دلِ بے قرار کی صورت

نہ تھا کچھ اور میرے شوق کا حسن وصفا باعث یہی پیاری طرح موجب یہی کا فرادا باعث

مجلسِ رندان مین مت لیجا دلِ بے شوق کو شیشۂ خالی کی کیا عزت ہی میخوارون کے بیچ

جلتا ہے اب تلک ترے مکھڑے کے رنگ سے ہر چند ہو گیا ہے چمن کا چراغ گل

نکلے تم آ، صبا کی طرح جب چمن مین بھول گلشن کے دیکھو تجکو گئے ہاتھ پانون بھول

حسن ہی بر خود مدیون مین وفا کی خو نہین پھول ہین یہ سب پران پھولون مین ہرگز بو نہین

کرین جو بندگی ہو دین گنہگار، بتون کی کچھ نرالی ہے خدائی

کیا ہوا مر گیا اگر فرہاد روح پتھر سے سر پٹکتی ہے،

پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدھر گئے وہ ہائے عاشقی کے زمانے کدھر گئے

لٹک چلنا سجن کا بھولتا ابتک نہین مجکون طرح وہ پاؤن رکھنے کے مری آنکھون مین پھرتی ہے،

شیخ شرف الدین مضمون

"حریف ظریف بشاش بشاش ہنگامہ گرم کن مجلسہا ہرچند کم گو بود لیکن بسیار خوش فکر و تلاش لفظ تازہ زیادہ دیوانش بہمہ جہت دو صد بیت خواہد بود" (نکات الشعرا

شیخ شرف الدین مضمون جاجمؤ صوبۂ اکبرآباد کے رہنے والے، حضرت شیخ فرید الدین مسعود اجودھنی کی اولاد مین تھے، عنفوانِ شباب مین دلی گئے، اور زینۃ المساجد مین قیام کیا اُس زمانے مین جیسا دستور تھا کہ اکثر شریف زادے پڑھنے کو باہر نکل جاتے تھے، یہ دلی ایسے گئے کہ وہین کے ہو رہے اور مرکر بھی نہ نکلے،

ساری عمر زینۃ المساجد مین بسر کردی، سراج الدین علیخان آرزو کے شاگرد تھے، نزلہ سے اُن کے دانت گر گئے، اس لئے خان آرزو ان کو شاعر بے دانہ کہتے تھے،

مرزا رفیع سودا ان کے حق مین فرماتے ہین،

بنا ئین اٹھ گئین یارون غزل کے خوب کہنے کی گیا مضمون دنیا سے رہا سودا سو دیوانہ

مضمون کا کلام ملاحظہ ہو،

ہم نے کیا کیا نہ ترے عشق مین محبوب کیا　　صبر ایوبؑ کیا گریۂ یعقوب کیا،

افسوس یار جھٹ پٹ لیتے ہین دلکو اُنکا　　کن ساحرون سے سیکھا زلفون نے تیرے لٹکا
چھپکر مخالفون سے اس طرح آپلنگ پر　　کوئی سنے نہ پیارے تیرے قدم کا کھٹکا،

کرے ہے دار بھی کامل کو سرتاج　　ہوا منصور سے یہ نکتہ حل آج

نہین ہین ہونٹھ تیرے پان سے سرخ　　ہوا ہے خون میرا آکے لبریز

تیر مژگان برستے ہین مجھ پر،　　آب پیکان کا اسطرف ہی ڈھال

کیا سمجھ بلبل نے باندھا ہی چمن مین آشیان　　ایک تو گل بے وفا اور تس پہ جور باغبان

میرا پیغام وصل لے قاصد　　کہیو سب سے اُسے جدا کرکے

چلا کشتی مین آگے سے جو وہ محبوب جاتا ہی　　کبھی آنکھین بھر آتی ہین کبھی جی ڈوب جاتا ہی



میر محمد شاکر ناجی

"مردے ظریف طبع بود اکثر از لطائف و ظرائف مردمان را بخنده می آورد و خود نمی خندید مگر تبسمی میکرد، متوطن شاہجہان آباد بود تلاش صنعت ایہام بسیار داشت" (تذکرۂ میر حسن)

سید محمد شاکر ناجی عمدۃ الملک امیر خان[1] محمد شاہی کے نعمت خانہ کے دارو غہ تھے، تیز مزاج، شوخ طبع، راہ چلتے سے اُلجھتے، اور جس کے گرد ہوتے اسے پیچھا چھڑانا مشکل ہوجاتا تھا

[1] عمدۃ الملک نواب امیر خان محمد شاہی عمدۃ الملک نواب امیر خان عالمگیری کے بیٹے تھے۔ امیر خان عالمگیری نواب علی مردان کے داماد اور میر میران شاہ نعمت اللہ ولی کی اولاد مین تھے۔ ان کے ایک بھائی روح اللہ خان عالمگیر بادشاہ مرحوم کے مصاحب خاص تھے، امیر خان محمد شاہی کا نام سید اسحق، والد کا نام سید میر میران تھا۔ ان کے والد عالمگیر مرحوم کے زمانے مین بائیس برس کابل کے صوبہ دار رہے، اور وہین وفات پائی، انھون نے خود ترقی کرتے کرتے محمد شاہ بادشاہ کے زمانے مین بخشی گیری کے کام تک ترقی کی اور اپنی لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کی وجہ سے بادشاہ سے ایسے شیر و شکر ہوئے کہ بادشاہ کو ان کے سوا کسی کی بات مین مزا ہی نہ آتا تھا،

سنہ ۱۱۵۳ھ مین محمد شاہ بادشاہ کی کچھ آنکھین کھلین تو آصفجاہ اول نظام الملک میر قمر الدین خان بہادر یاد آئے، اُن کا آنا اس بات پر موقوف تھا کہ نواب امیر خان دربار سے دور رہین، چار و ناچار بادشاہ نے اُن کو الہ آباد کی صوبہ داری دیکر رخصت کر دیا، مگر جب آصفجاہ واپس گئے تو پھر امیر خان دلی آگئے، اُن کی طبیعت نہایت بذلہ سنج و لطیفہ گو واقع ہوئی تھی وقت پر اُن کو ایسی سوجھتی تھی کہ دوسرون کو برسون کاوش کرنے سے وہ مضمون ہاتھ نہ آتا تھا،

یہ شاعر بھی تھے، فارسی اور اردو دونون زبانون مین شعر کہتے تھے، اور انجام تخلص تھا، افسوس ہو کہ سنہ ۱۱۵۶ھ مین ایک سنگدل نے ایوان شاہی مین انکو قتل کر دیا،

دور سے آئے تھے ساقی سن کے میخانے کو ہم
پر ترستے ہی چلے اب ایک پیمانے کو ہم

میر صاحب فرماتے ہین "مزاجش بیشتر مائل بہزل بود، بندہ بااویکدو ملاقات کردہ بودم ہزلِ خود می خواند و مردمان را بخندہ می آورد" افسوس ہر کہ میر شاکر ناجی کا نوجوانی مین انتقال ہو گیا طبیعت اُن کی شعر و سخن سے بہت مناسب تھی، اگر عمر طبعی کو پہنچتے تو تبدیلِ مزاج کے ساتھ کلام کی گرمی بہت بڑھ جاتی،

نہ پوچھو خود بخود ہے عارضِ خورشید کی خوبی ۔ لیا ہے ذرہ ذرہ حسن مہرویان سے کر چندا

مجکو باتون مین لگا کیا جانئے کیا کہہ گیا ۔ لیچلا جب دل کے تئین منہ دیکھتا مین رہ گیا

دیکھ ہم صحبت کی دولت سے نہ رکھ چشم کرم ۔ لب صدف کے تر نہین ہر چند ہی گوہر مین آب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۷)

کیون نہین لیتا ہماری تو خبر اے بے خبر ۔ کیا ترے عاشق ہوئے تھے درد و غم کھانے کو ہم

ٹک تو فرصت دے کہ رخصت ہو چلین صیاد ہم ۔ مدتون اس باغ کے سایے مین تھے آباد ہم
ساتھ اپنے سر کے تھا انجام پاس تمکنت ۔ شکر ہے تڑپے نہ زیر خنجرِ جلاد ہم

مین بولائے بغیر مین یہ مجھ سے نادانی ہوئی ۔ دخترِ رز بزم مین آ شرم سے پانی ہوئی،
نعش میری دیکھ کے مقتل مین یون کہنے لگے ۔ کچھ تو یہ صورت نظر آتی ہے پہچانی ہوئی،

چاک کو تقدیر کے ممکن نہین ہرگز رفو ۔ سوزنِ تدبیر بھی گو سو برس سیتی رہے،

اغنیا کے در بدر مقدور جب تک ہو نہ جا　　سخت حاجت ہو تو جا لاچار گی ہو جا ضرور

انگوٹھی لعل کی کرتی قیامت آج اگر ہوتی　　جھنون کی آن پہنچے لڑ موے وہ ایک چھلے پر

نرگس کے تئین مین ہرگز لاتا نہین نظر مین　　دیکھی ہین مین نے آخر پیاری تمھاری آنکھین

نہ سیر باغ نہ ملنا نہ میٹھی باتین ہین،　　یہ دن بہار کے اے جان مفت جاتے ہین

عید ہوتی جو کوئی افطار کرتا جس کے گھر　　اب بتا دین ٹلے کا روزہ دیکھکر مہمان کو
آج تو ناجی سجن سے کرے اپنا عرض حال　　مرنے جینے کا نکر و سواس ہوتی ہو سو ہو

نادر شاہ کی چڑھائی کے وقت موجود تھے، اس وقت دربارِ دہلی کا رنگ، شرفا کی خواری، پاجیون کی گرم بازاری اور ہندوستانیون کی آرام طلبی و نازبرداری کو ایک طولانی مخمس مین دکھایا ہی، آزاد کو صرف دو بند ہاتھ آئے ہین، انھین کو ضیافتِ طبع سمجھو،

لڑے ہوئے تو برس بین اُن کو بیتے تھے　　دعا کے زور سے دائی دوا کے جیتے تھے،
شرابین گھر کی نکالے مزے سے پیتے تھے　　نگار و نقش مین ظاہر گو یا کہ جیتے تھے،
گلے مین ہنسلیان بازو اوپر طلا کی نال

قضا سے بچ گیا مرنا نہین تو ٹھانا تھا　　کہ مین نشان کے ہاتھی اوپر نشانہ تھا
نہ پانی پینے کو پایا دہان نہ کھانا تھا،　　ملے تھے وہان جو لشکر تمام چھانا تھا
نہ ظرف و مطبخ و مکان نہ غلہ و بقال،

مصطفےٰ خان یکرنگ

"شاعر ریختہ معاصر میان آبرو میگویند کہ بسیار چپان اختلاط و آشنائے درست بود" اہ نکات الشعرا

کہن سال اور کہنہ مشق تھے، مگر باوجود اس کے حضرت مرزا مظہر رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا کلام دکھاتے، اور اُن سے مشورۂ سخن کرتے تھے، مصحفی نے اپنے تذکرہ مین لکھا ہے کہ ایک قول کے موافق وہ خان آرزو کے اور ایک قول کی بنا پر شاہ مبارک آبرو کے شاگرد سمجھے جاتے ہین، مگر خود اُن کے فحوائے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرزا صاحب کے شاگرد تھے،

آزاد کہتے ہین بزرگون سے سنا اور تذکرون مین بھی دیکھا بڑے مشاق تھے، اور اپنے وقت مین سب انھین خوش فکر و باکمال مانتے تھے، اور لطف یہ ہے کہ تخلص کی طرح عالم آشنائی مین بھی یکرنگ یکتا تھے،

اس قدر کیا ہے حمایت غیر کی   ہم بھی تو تم سے کبھی تھے آشنا

خلق یکرنگ کی ہوئی دشمن   جب سے تیرا وہ دوستدار ہوا

سنتا نہین ہے بات کسی کی تو اے سجن   تجکو ترا غرور ریخانون کریگا کیا،

کم نہین کچھ بوئے گل سیتی فغانِ عندلیب   برگِ گل سی ہیگی نازک تر زبانِ عندلیب

سچ کہے جو کوئی تو مارا جائے   راستی ہیگی دار کی صورت

پھر گیا ہائے ہم سے وہ مہرو سرد مہری سہی ہوا کی طرح،

کہتے ہین ہم پکار سنو کان دھر سجن گر غیر سے ملوگے تو دیکھوگے ہم نہین

ہرگز تم اب کسو کے سخن آشنا نہین سب خوبیان ہین تم مین ولے اک وفا نہین
یکرنگ تے نے تلاش کیا ہو بہت ولے مظہر سا اس جہان مین کوئی میرزا نہین

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے، میرا صبر و قرار جاتا ہے،
گر خبر لینی ہے تو لے صیاد ہاتھ سے پھر شکار جاتا ہے،

کیا جانئے کہ وصل ترا کس کے ہو نصیب ہم تو ترے فراق مین اے یار مر گئے

محمد حسین کلیم

"اگرچہ کلیم در فارسی گذشتہ است اما کلیم ریختہ پیش فقیر انیست قطع نظر بندہ را بخدمت او قرابت قریبہ است یک اخلاص تہ دلی دارم و اکثر بحال این ہیچمدان شفقت فی فرماید" ام نکات الشعرا،

در فن شعر و شاعری استاد سخن بحر ذخار طبعش در نثر و نظم موج زن رسالۂ در عروض و قافیہ ہندی تصنیف فرمودہ و فصوص الحکم کہ کتاب عربی است بزبان ریختہ ترجمہ کردہ کتابے در نثر ہندی نیز ایجاد نمودہ"، ام تذکرہ میر حسن،

میر محمد حسین کلیم دلی کے رہنے والے تھے، نظم و نثر دونون مین انکو قدرت تھی، میر محمد تقی میر

اُن سے قرابت قریبہ رکھتے تھے،

میر حسن کے بیان سے معلوم ہوتا ہو کہ فصوص کا انھون نے اردو مین ترجمہ کیا ہی فصوص الحکم شیخ محی الدین بن عربی کی حقایق و معارف مین بڑی دقیق اور مشکل کتاب ہی جس کا سمجھنا معمولی مولویان کے بس کی بات نہین، انھون نے اردو مین اُس کا ترجمہ کیا تو معلوم ہوتا ہو کہ علوم عربیہ مین مہارت کے ساتھ حقائق و معارف مین بھی بہت بلند پایہ شخص تھے،

عروض وقافیہ[1] مین بھی ایک رسالہ لکھا ہے، غالباً ہندی عروض وقافیہ کا یہ پہلا رسالہ ہوگا، اسی طرح اردو نثر مین بھی ایک کتاب لکھی ہے، اس کی نسبت میر حسن کہتے ہین، کہ "در ہندی نثر کتابے نیز ایجاد کردہ" اس سے شبہہ ہوتا ہو کہ اُن سے پہلے کسی نے نثر اردو مین کوئی کتاب نہین لکھی، مگر یہ صحیح نہین، مقدمہ مین مین نے بیان کیا ہو کہ فضلی نے دہ مجلس ۱۱۴۵ھ مین لکھی تھی، اُن کی کتاب کا سنہ تصنیف معلوم نہین، مگر یقیناً احمد شاہ بادشاہ دہلی کے نابینا کئے جانے کے بعد لکھی گئی ہے، جیساکہ مندرجۂ ذیل فقرہ سے معلوم ہوتا ہے، جس کو میر حسن نے نقل کیا ہے،

کل کے دن تھے پادشاہ اور وزیر آج کے دن بیٹھے ہین اندھے ہو بصیر

ایسی دولت سے زینہار زینہار فاعتبروا یا اولی الابصار،

میر حسن کی رائے ہے کہ ان کے کلام مین نمک نہین تھا، اسی وجہ سے اِس کو شرف قبول حاصل نہین ہوا، میر محمد تقی میر فرماتے ہین کہ مرزا عبدالقادر بیدل کی روش پر شعر کہتے تھے، اسی وجہ سے اُن کے تہ دار شعر سمجھنے سے لوگ عاجز رہتے، وہ اپنے طرز کے آپ

[1] نواب مصطفےٰ خان شیفتہ گلشن بے خار مین کہتے ہین کہ وہ میر تقی میر کے بہنوئی تھے، فارسی اور اردو دونون زبانون مین شعر کہتے تھے، طب بھی جانتے تھے، دیوان اور مثنویان یادگار چھوڑی ہین، مگر نظر سے نہین گذری ہین،

مالک ہین، اُن کے قصیدے وغزلین، رباعیان اور مخمس کا رنگ کسی کے رنگ سے ملتا نہ تھا، صاحب دیوان تھے، مگر افسوس ہو کہ اُن کا دیوان نظر سے نہین گذرا، تذکرون مین اُن کے چیدہ وبرگزیدہ اشعار درج ہین اُن کو پڑھکر اس کا فیصلہ نہین کیا جا سکتا،

سب سے زیادہ افسوس مجھے اس بات کا ہو کہ ایسے بڑے فاضل شخص کے حالات اب تک نہ تذکرہ مشایخ مین ملے نہ اور کسی کتاب مین معلوم نہین کہ کس خاندان مین پیدا ہوئے، کب پیدا ہوئے، کس سے تعلیم پائی، کس کی صحبت مین حقایق ومعارف کا چسکا پڑا کس سے مشورہ سخن کرتے تھے، اور کس سنہ مین وفات پائی،

حقیقت یہ ہے کہ دلی عجب مردم خیز جگہ تھی، جہان سے ایسے بڑے بڑے محدث، فقیہ، صوفی، اور شاعر اٹھے کہ جس زمانے مین آج کا ایسا قحط الرجال نہین تھا، اُس وقت دوسری جگہ اُن کا نظیر ڈھونڈھنے سے بھی نہین مل سکتا تھا،

کلیم کا کلام ملاحظہ،

عمر رفتہ کا پتا یا کھوج ہرگز اے کلیم — آپ کو جون شمع مین ہر انجمن مین گم کیا



کس پریشان نے قدم رکھا ہو پیچ وتاب سے — جادہ آتا ہے نظر جون زلف کج برہم ہوا



لگتی ہو اب تو قلقلِ مینا سے دل کو ٹھیس — وہ دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا،



پاس ناموسِ محبت ہے مجھے اُن سے کلیم — باغ مین جاؤن نہ ہرگز بے رضاے عندلیب



رکھتا ہے زلف یار کا کوچہ ہزار پیچ　　اے دل سمجھ کے جائیو ہے راہ مار پیچ



زلف کو خواب مین دیکھا تھا جنون سے شب کو　　صبح بیدار ہوا پائی گلے مین زنجیر



سوز غم کھا چکا ہے دل اُس پر جگر جلا　　کہتا ہے زخم مجکو ہے اک آرزو ہنوز



ہو گیا حشر گئی دوزخ و جنت کو خلق　　رہ گیا مین ترے کوچہ مین گرفتار ہنوز



ہم ہو گئے ہین ضعف سے جون بو نہان باغ　　پھرتا ہے رنگ گل کہ ہمارا کرے سراغ



طریق عشق مین مجنون و کوہکن کو نہ کہہ　　ہزارون ہو گئے غارت سوایک دو معلوم



درازی شب ہجران زلف یار کلیم　　نہ مجھ سے پوچھ کہ کاٹی ہو رات آنکھون مین



مانند سرو ہون کہ نہ گل ہے نہ بر مجھے　　بیکار باغ ہون نہ سزاوار باغ ہون



نے اور طنبور مین یہ سوز تو معلوم اے مطرب　　کسی کا دل ہوا ہو شاید اس کے وہ مین آ نالان



غرور حسن ممکن کیا کسی کی داد کو پہونچے　　غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہونچے

تجھے مین آنکھون مین کیونکر رکھون کہ ہی برسات
پھر ایسا گھر کہ یہ خانہ خراب ٹپکے ہے،

شاہ ظہور الدین حاتم

صاحبِ کمال و پسندیدہ افعال عالی فطرت و بلند ہمت معاصر میان آبرو دو دیوان ترتیب دادہ یکے بزبان قدیم بطور ایہام و دوم بزبان حال ادا یئہ شہرۂ اشعارش بسیار است اکثر غزلہاے او را نغمہ سرایانِ ہندی خوانند، تذکرۂ میر حسن،

ظہور الدین نام، حاتم تخلص، والد کا نام فتح الدین تھا، عمدۃ الملک نواب امیر خان محمد شاہی کی سرکار مین ملازم تھے، اور فارغ البالی سے زندگی بسر کرتے تھے،

میر بادل علی شاہ کا تکیہ دلی مین قدم شریف کے پاس رند مشرب لوگون کا ٹھکانا تھا، یہ بھی وہان جایا کرتے، اور پہر دو پہر دل بہلا کر چلے آتے تھے، کچھ فقیر کی صحبت، کچھ زمانے کے انقلاب کا پھیر وہان آتے جاتے یہ بھی فقراے آزاد منش مین شامل ہو گئے،

شعر و سخن کا شوق شروع ہی سے تھا، مشقِ سخن کرتے کرتے استاد بن گئے، پہلے رمز تخلص کرتے تھے، پھر حاتم ہو گئے، کلیات ان کا بہت بڑا ہی، جو قصائد، غزلیات، رباعی اور مثنوی پر مشتمل ہی، آخر عمر مین کلیاتِ مذکور سے منتخب کر کے ایک دیوان مرتب کیا، اُس کا نام دیوان زادہ رکھا، آزاد کہتے ہین کہ وہ صاحبزادہ بھی پانچہزار سے زیادہ کا مال بغل مین دبائے بیٹھا ہی،

ولادت ان کی بقول آزاد سنہ ۱۱۱۱ھ مین اور وفات سنہ ۱۲۰۷ھ اور بقول مصحفی سنہ ۱۱۹۶ھ مین ہوئی ہے، اور دیوان زادہ عزیز الدین عالمگیر ثانی کے زمانے مین مرتب کیا ہی،

میر محمد تقی میر حسب معمول ان سے سخت ناخوش ہین، نکات الشعرا مین ارشاد فرماتے ہین،

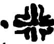
"مرد لیست جاہل و متمکن و مقطع وضع و با آشنا اعتنا ندارد، دریافتہ نمی شود کہ این رگ کہن بسبب شاعری است کہ ہمچو من دیگرے نیست یا وضع او ہمین است"

چونکہ مرزا رفیع حاتم کے شاگرد تھے، اور وہ میر صاحب کے حریف تھے، کیا عجب ہے کہ شاہ حاتم میر صاحب کو خاطر مین نہ لاتے ہون،

آب حیات جا کے کسو نے پیا تو کیا
مانند خضر جگ مین اکیلا جیا تو کیا

ناسور کی صفت ہے نہ ہوگا کبھی وہ بند
جراح زخم عشق کا اگر سیا تو کیا

محتاجگی سے مجکو نہین ایکدم فراغ
حق نے جہان مین نام کو حاتم کیا تو کیا



زندگی درد سر ہوئی حاتم
کب ملے گا مجھے پیا میرا،



ہجر کی زندگی سے موت بھلی،
کہ جہان سب کہین وصال ہوا



ستم سے تیرے مین جاتا ہون پھر نکبھو تو
کہ آشنائی کا حاتم نباہ بھی نہ کیا،



ایک دن ہاتھ لگایا تھا ترے دامن کو
آج تک سر ہے خجالت سے گریبان کے بیچ



جب سے تیری نظر پڑی ہے جھلک
تب سے لگتی نہین پلک سے پلک



دلون کی راہ خطرناک ہوگئی آیا
کہ چندروز سے موقوف ہے سلام پیام

تو اذیت پیشہ دشمن ہو بغل مین دل نہین		دور ہو پہلو سے صحبت کے مرے قابل نہین

پیری مین حاتم اب نہ جوانی کو یاد کر		سوکھے درخت بھی کہین ہوتے ہین پھر ہرے

بے مروزلفون کے اُس کے حسن نے قیدی کیا		صید دل بے دام کرنا صنعت استاد ہے

اے خردمندو! مبارک ہو تمھین فرزانگی		ہم ہون اور صحرا ہو اور وحشت ہو اور دیوانگی

اشرف علی خان فغان،

"بسیار جوانِ قابل و ہنگامہ آرا شعر ریختہ را بخوبی میگوید وگاہے فکر غزل فارسی میکند شاگرد قزلباش خان امید مرحوم است" (نکات الشعرا)

"شعر را بصفائے میگوید و نسبت شاگردی بندیم میرساند چنانچہ خود گفتہ"

ہر چند اب ندیم کا شاگرد ہے فغان		دو دن کے بعد دیکھیو استاد ہوویگا

"تذکرۂ مصحفی"

اشرف علیخان فغان احمد شاہ بادشاہ کے کوکہ تھے، علی قلی ندیم سے مشق سخن کی، آزاد نے آبحیات مین تذکرۂ مصحفی کے حوالہ سے لکھا ہو کہ قزلباش خان کے شاگرد تھے، مین سمجھتا ہون کہ آزاد نے مصحفی کا تذکرہ نہین دیکھا،

میر تقی میر نے بھی ان کو قزلباش خان امید کا شاگرد لکھا ہے، ممکن ہو کہ پہلے اُن سے اصلاح لیتے ہون، پھر ندیم کے شاگرد ہوئے ہون، یا فارسی مین اُن کے شاگرد ہون او

اردو مین ندیم کے، جو کچھ بھی ہو، مصحفی نے اُن کو ندیم ہی کا شاگرد بتایا ہے، اس لئے آزاد کا حوالہ غلط ہی،

فغاں شعر و سخن ہی مین ماہر نہ تھے بلکہ بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی مین یکتائے زمانہ تھے، احمد شاہ نے اسی لئے ان کو ظریف الملک کا خطاب دیا تھا، درانیون کے حملون نے دلی کیا ہندوستان کو تہ و بالا کر رکھا تھا، یہ پریشان ہو کر اپنے چچا ایرج خان کے پاس مُرشدآباد چلے گئے، وہان سے لوٹتے ہوئے فیض آباد ٹھہر گئے، نواب شجاع الدولہ نے اعزاز و اکرام سے لیا، مگر ایک دفعہ جوشِ اختلاط مین گرم پیسے سے ان کا ہاتھ جلا ڈالا، یہ جلکر عظیم آباد چلے گئے، راجہ شتاب رائے نے ان کی قدردانی کی، یہ وہین رہ پڑے، اور باقی عمر خوشحالی سے بسر کر کے ۱۱۸۶ھ مین دنیا سے انتقال کیا،

آزاد کہتے ہین کہ ایک دن اختلاط مین کہ نواب کے ہاتھ سے اُن کا کپڑا جل گیا، یہ نازک مزاج بہت تھے، رنجیدہ ہو کر عظیم آباد چلے گئے، معلوم نہین کپڑے جلنے کی روایت کہان سے لی ہے، مصحفی نے ہاتھ جلنے کا ذکر کیا ہی، اور یہی صحیح ہے،

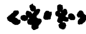
مت قصد کر صبا تو دلِ داغ دار کا ظالم یہ ہے چراغ کسی کے مزار کا

اُس کے وصال و ہجر مین یون ہی گذر گئی دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

کیا پوچھتے ہو حال فغاں کا سنا نہین خانہ خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا،

دلتنگی قفس مین یہان تک ہوئی مجھے گویا مرا چمن مین کہین آشیان نہ تھا

کیا تو شبِ فراق مین جیتا رہا فغان یان تک گمان نہ تھا ترے صبر و قرار پر



تا حشر کم نہ ہووے گی ظالم تپشِ دل کافر ہون اگر گور مین آرام کرون مین،



نے زندگی مین وصل میسر نہ بعدِ مرگ عاجز ہوا ہون اے دلِ ناشاد کیا کرون



خط دیکھیو چھپا کے ملے وہ اگر کہین لینا نہ میرے نام کو اے نامہ بر کہین



صیاد راہِ باغ فراموش ہو گئی کنجِ قفس سے مت مجھے آزاد کیجیو،



آخر فغان وہی ہے اسے کیون بھلا دیا وہ کیا ہوا تپاک وہ الفت کدھر گئی
مجھ سے جو پوچھئے تو بہر حال شکر ہے یون بھی گذر گئی مری وون بھی گذر گئی



صنم نامہربان ہے اس قدر اے میرے رب کیا ہے مری تقصیر کچھ ثابت نہین وجہِ غضب کیا ہے
قدم پر ہاتھ جب رکھتا ہے یون کہتا ہے جھنجھلا کر یہ گستاخی مجھے بھاتی نہین اے بے ادب کیا ہے



بھر لیجیو دامن مین فغان لختِ جگر کو، ہم خانہ بدوشون کا سرانجام یہی ہے،



تیرے ہی دل سے پوچھئے اس غم کو وان فغان الفت بری بلا ہے کسی کو خدا نہ دے

اردو میں ندیم کے، جو کچھ بھی ہو، مصحفی نے اُن کو ندیم ہی کا شاگرد بتایا ہے، اس لئے آزاد کا حوالہ غلط ہی،

فغاں شعر و سخن ہی مین ماہر نہ تھے بلکہ بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی مین یکتائے زمانہ تھے، احمد شاہ نے اسی لئے ان کو ظریف الملک کا خطاب دیا تھا، درانیون کے حملون نے دلی کیا ہندوستان کو تہ و بالا کر رکھا تھا، یہ پریشان ہو کر اپنے چچا ایرج خان کے پاس مرشدآباد چلے گئے، وہان سے لوٹتے ہوئے فیض آباد ٹھہر گئے، نواب شجاع الدولہ نے اعزاز و اکرام سے لیا، مگر ایک دفعہ جوشِ اختلاط مین گرم پیسے سے ان کا ہاتھ جلا ڈالا، یہ جلکر عظیم آباد چلے گئے، راجہ شتاب رائے نے ان کی قدر دانی کی، یہ وہین رہ پڑے، اور باقی عمر خوشحالی سے بسر کرکے ۱۱۸۶ھ مین دنیا سے انتقال کیا،

آزاد کہتے ہین کہ ایک دن اختلاط مین کہ نواب کے ہاتھ سے اُن کا کپڑا جل گیا، یہ نازک مزاج بہت تھے، رنجیدہ ہو کر عظیم آباد چلے گئے، معلوم نہین کپڑے جلنے کی روایت کہان سے لی ہے، مصحفی نے ہاتھ جلنے کا ذکر کیا ہی، اور یہی صحیح ہے،

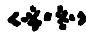
مت قصد کر صبا تو دلِ داغ دار کا ظالم یہ ہے چراغ کسی کے مزار کا

اُس کے وصال و ہجر مین یون ہی گذر گئی دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

کیا پوچھتے ہو حال فغاں کا سا نہین خانہ خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا،

دلبستگی قفس مین یہان تک ہوئی مجھے گویا مرا چمن مین کہین آشیان نہ تھا

کیا تو شبِ فراق مین جیتا رہا فغان — یان تک گمان نہ تھا ترے صبر و قرار پہ



تا حشر کم نہ ہووے گی ظالم تپشِ دل — کافر ہون اگر گور مین آرام کرون مین،



نے زندگی مین وصل میسر نہ بعدِ مرگ — عاجز ہوا ہون اے دلِ ناشاد کیا کرون



خط دیجیو چھپا کے ملے وہ اگر کہین — لینا نہ میرے نام کو اے نامہ بر کہین



صیاد راہِ باغ فراموش ہو گئی — کنجِ قفس سے مت مجھے آزاد کیجیو،



آخر فغان وہی ہے اسے کیون بھلا دیا — وہ کیا ہوا تپاک وہ الفت کدھر گئی
مجھ سے جو پوچھیے تو بہر حال شکر ہے — یون بھی گذر گئی مری وون بھی گذر گئی



صنم نا مہربان ہے اس قدر اے میرے رب کیا ہے — مری تقصیر کچھ ثابت نہین وجہِ غضب کیا ہے
قدم پر ہاتھ جب رکھتا ہون کہتا ہے جھنجلا کر — یہ گستاخی مجھے بھاتی نہین اے بے ادب کیا ہے



بھر لیجیو دامن مین فغان لختِ جگر کو، — ہم خانہ بدوشون کا سرانجام یہی ہے،



تیرے ہی دل سے پوچھیے اس غم کو ہان فغان — الفت بری بلا ہے کسی کو خدا نہ دے

حصۂ دوم

طبقۂ متوسطین

دورِ اوّل

حضرت مرزا مظہر جانجاناںؔ

"میگویند که اول کسے که طرزِ ایہام گوئی را ترک نموده ریخته را در زبانِ اردوئے معلی شاہجہان آباد

که الحال پسندِ خاطرِ عوام و خواص گردیده مروج ساخته زبدۃ العارفین قدوۃ الواصلین واقفِ رموز جناب

اکبر کاشف کنوز طریقه پیغمبر مرزا جانجانان متخلص به مظہرؔ مردے است فرشته صفت علوی نسب ہندی مولد حنفی

مذہب نقشبندی مشرب" (نکات الشعرا مصنفهٔ مولوی قدرت الله صدیقی، تالیف ششہ ۱۱ھ)

"در ابتدائے شوقِ شعر که ہنوز از میر و مرزا کسے در عرصه نیامده بود، و در دورِ ایہام

گویان بود اول کسی که شعرِ ریخته به تتبعِ فارسی گفته اوست چون دران روزہا میر عبدالحیٔ تاباںؔ

دوستی بشدت داشت، چند غزلیات متعدده از خامۂ فکرِ ایشان بر صفحۂ کاغذ ریخته بودند

که مشارالیه مانع آمده آخر ایشان را اقرارِ شعر گفتن بر زبانِ فارسی دادند و بعد ازین بر ریخته

زبان نیالودند، مگر ہمان قدر که با صلاحِ دو سه شاگردان بکار آید، چنانچه تربیتِ انعام الله

خان یقینؔ، نسبت به محمد فقیه دردمندؔ که ساقی نامهٔ ایشان شہرت دارد متوجه

بودند، در تمام دیوانش فصاحت و بلاغت زبانِ استاد جلوۂ ظہور میدہد، فی الحقیقة

نقاش اول زبان ریختہ باعتبار فقیر مرزاست بعدہ تتبعش بدیگران رسیدہ" اھ تذکرہ مصحفی تالیف ۱۲۰۹ھ۔

لطافتِ مزاج اور نزاکتِ طبع کا نتیجہ ہے کہ زبان کی طرف توجہ کی اور اسے ایسا تراشا کہ جو شعرا پہلے گذرے تھے انھین پیچھے ہی چھوڑ کر اپنے عہد کا طبقہ الگ کر دیا۔ اور اہل زبان کو نیا نمونہ تلاش کر دیا، جس سے پرانا رستہ ایہام گوئی کا زمینِ شعر سے مٹ گیا، ان کے کلام مین مضامینِ عاشقانہ عجب تڑپ دکھاتے ہین، اور یہ مقام تعجب نہین کیونکہ وہ قدرتی عاشق مزاج تھے، اورون کے کلام مین یہ مضامین خیالی ہین، ان کے اصل حال، اھ آبحیات،

شمس الدین جانجانان نام مظہر تخلص، والد کا نام مرزا جان تھا، عالمگیر مرحوم کے دربار مین صاحبِ منصب تھے، نسب اُن کا باپ کی طرف سے محمد بن حنفیہ سے ملتا ہی، مان بیجاپور کے شریف گھرانے سے تھین، دادا بھی دربار شاہی مین صاحبِ منصب تھے، دادی اسد خان وزیر کی خالہ زاد بہن تھین، پردادا سے اکبر شاہ کی بیٹی منسوب ہوئی تھین، ان رشتون سے تیموری خاندان کے نواسے تھے، کالا باغ علاقہ مالوہ مین ۱۱ رمضان ۱۱۱۱ھ کو پیدا ہوئے، عالمگیر مرحوم کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ" پسر جانِ پدری باشد" اس کا نام ہم نے جانِ جان رکھا کثرتِ استعمال سے جانجانان ہو گیا،

اٹھارہ برس کی عمر تھی کہ باپ مر گئے، منصب کے حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا، مگر توفیق خداوندی نے رہبری کی، اور اس سعیِ بے حاصل کو چھوڑ کر مدرسون اور خانقاہون کی جاروب کشی شروع کی، شیخ محمد افضل سیالکوٹی سے جو اس زمانہ مین شیخ المحدثین تھے باقاعدہ حدیث پڑھی، اور تیس برس تک مشایخِ نقشبندیہ سے کسبِ کمال کیا،

خدا نے مرزا صاحب کی طبیعت عجب باغ و بہار بنائی تھی، مشیخت و ارشاد سے اس وقت

بحث نہین اُن کے اوضاع و اطوار اور ادب وآداب پر غور کرو کتنے سنجیدہ و برجستہ تھے، جو شخص اُن کی صحبت مین بیٹھتا تھا ہوشیار ہو کر بیٹھتا تھا، لطافتِ مزاج اور سلامتیِ طبع کی نقلین ایسی ہین کہ آج سنکر تعجب آتا ہی، خوش تقریر ایسے تھے کہ بات کہتے وقت منہ سے پھول جھڑتے تھے، اُن کے کمالاتِ گوناگون کی وجہ سے ہر ایک کو اُن سے ملنے کی تمنا رہتی تھی، میر صاحب نکات الشعرا مین فرماتے ہین "بندہ بخدمت او رفتہ سعادت اندوز گشتہ است..... خوش تقریر بمرتبہ است کہ در تحریر نمی گنجد" انشاء اللہ خان دریاے لطافت مین لکھتے ہین "از بسکہ آوازۂ فصاحت وبلاغت جناب فیضمآب مرزا جانجانان مظہر علیہ الرحمہ گوش راقم را مقر خود میداشت دل با دیدہ مستعد ستیزہ شد کہ چرا از دیدار مرزا صاحب خود را این ہمہ محروم می پسندی و مرا از لذت جاودانی وعیشِ روحانی کہ در کلام معجز نظام آنحضرت است باز میداری"

شیخ علی حزین ہندوستان مین کسی کو خاطر مین نہ لاتے تھے، ایک بار دلی مین لبِ سڑک ایک کوٹھے پر بیٹھے ہوئے تھے، مرزا صاحب گھوڑے پر سوار ہو اسی سڑک سے گزرے، شیخ علی حزین نے دیکھکر پوچھا "این کدام جوان است" سامع ایک شاعر اُن کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انھون نے کہا مرزا جانجانان، شیخ نے کہا "چشم بد دور ہم دانی و ہمہ جانی"[۱]

استغنا اور بے تعلقی کا یہ عالم تھا کہ ساری عمر کسی بادشاہ یا وزیر کے سامنے سر نیاز خم نہین کیا، ایک بار محمد شاہ نے نواب اعتماد الدولہ قمر الدین خان کو بھیجکر کہلا بھیجا کہ اتنا بڑا ملک خدا نے مجھکو دیا ہے، اس مین سے جو کچھ چاہیئے قبول فرمایئے، ہنس کر فرمایا "قل متاع الدنیا قلیل، خدا نے ہفت اقلیم کو قلیل فرمایا ہی، پھر ایک اقلیم مین سے ایک ولایت آپ کے حصہ مین

---

[۱] معمولات مظہریہ،

آئی ہو وہ کتنی ہو کہ فقیر اُس کی طرف طمع کا ہاتھ بڑھائے۔[1]

نواب فیروز جنگ نے خانقاہ، مسجد، کنواں، یومیہ اور گاؤن فقرا کے لئے پیشکش کئے، قبول نہ کئے، اور فرمایا کہ موت قریب آپہونچی ہے، اس کی تدبیر کرنا ضروری ہے، معلوم نہیں کہ شب تک حیات وفا کرے یا نہ کرے۔[2]

نواب آصفجاہ نے ایک بار بیس ہزار روپیہ نذر کیا، آپ نے قبول نہیں فرمایا، نواب نے کہا کہ لیکر محتاجون کو بانٹ دیجئے، فرمایا کہ مجکو اس کا سلیقہ نہیں، یہان سے نکل کر بانٹتے چلے جائیے، گھر تک پہونچتے پہونچتے تقسیم ہوجائیگا، نہو تو وہان ہو رہے گا۔[3]

حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب جس طرح کی زندگی بسر کرتے تھے، اُس کے لئے اس دردسر کو گوارا کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی، انھون نے زندگی بھر کہین گھر نہین بنایا، کسی دوست کے گھر یا کرایہ کے مکان مین رہتے، ایک جوڑے سے زیادہ کپڑا نہ رکھتے، کھانا کسی کے گھر نہ کھاتے نہ پکواتے، وقت کے وقت بازار سے منگوا کر کھا لیتے، عام دعوتون کو قبول نہ فرماتے، دوسرے مشایخ کی طرح عرس اور فاتحہ نہ کرتے جس کے لئے روپیہ کی ضرورت پڑتی،[4] نذر و نیاز کے لئے ایسی کڑی شرطین لگا رکھی تھین کہ مشکل سے پوری ہوتی ہون گی،

(۱) یہ کہ پیش کرنے والا شریف و نجیب ہو، (۲) دنیا دارون سے اختلاط نہ رکھتا ہو، (۳) فی الجملہ صالح و پرہیزگار ہو، (۴) حلال و حرام مین تمیز کرنے کا علم رکھتا ہو، (۵) ایسے ملک سے تازہ وارد نہ ہو، جہان لوٹ مار ہوتی ہو، (۶) اخلاص و عقیدت سے پیش کرتا ہو،[5]

سچ یہ ہے کہ نازک مزاجی اور مرزائیت کے ساتھ درویشی کا بلند پایہ پر قائم رکھنا ہر کسی کا کام نہیں، مولانا نعیم اللہ نے ٹھیک کہا ہو کہ "احوال اجتماع اوضاع آن مشکل پسند باوجود

---

[1] مقامات مظہریہ، [2] مقامات، [3] ایضاً، [4] ایضاً، [5] معمولات مظہریہ،

مرزائیت و نازک مزاجی کہ با طوارِ درویشی موافقت ندارد بمیزانِ تقریر لمی سنجد" خود مرزا صاحب نے بھی جا بجا اس کی طرف اشارہ کیا ہی، ع

درجنون ہم میرزائی از دماغِ ما نرفت　　　کہ برائے خویش حمامے زگلخن داشتیم،

بجائے سنگ طفلان پارہ ہائے شیشہ باید زد　　　چو مظہر میرزا دیوانۂ نازک طبیعت تو،

مظہر زما برید و دگر یادِ ما نہ کرد،　　　دیوانہ خوش نبود ز وضعِ کرختِ ما

افسوس ہے کہ شمس العلمار مولوی محمد حسین آزاد نے حسب معمول ان کے حالات بیان کرنے مین چٹکیان لی ہین، کہین واقعہ کی صورت ایسی بنائی ہی جس مین بجاے مدح کے ذم کا پہلو نکلتا ہی، ایک جگہ فرماتے ہین کہ" ان کے باب مین بہت سے لطائف ایسے مشہور ہین کہ اگر آج کسی مین پائے جائین تو زمانہ کے لوگ اچھا نہ سمجھین....... کچھ تو اس اعتقاد سے ع

خطاے بزرگان گرفتن خطا است،

اور کچھ..... مین روسیاہ بزرگون کی ہر بات کو چشم عقیدت کا سرمہ سمجھتا ہون،" الخ (صفحہ ۱۳۰)

تاباںؔ[1] کا حال جیسا چمکا کر لکھا ہی اور سرگوشیون کا فسانہ جس طرح سے بیان کیا ہی وہ بھی ملاحظہ طلب

[1] میر عبدالحی تاباں رضوی سید تھے، دلی مین پیدا ہوئے، ایسے حسین وجمیل تھے کہ لوگ ان کو یوسف ثانی کہتے تھے، اس حسن وجمال کے ساتھ عاشق مزاج بھی تھے، اور شعر وسخن سے اُن کو خدا داد مناسبت تھی، شاہ حاتم نے اپنے دیوان کے دیباچہ مین ان کو اپنا شاگرد لکھا ہی، اور شیفتہ نے گلشن بیخار مین ان کو مرزا رفیع سوداؔ کا شاگرد لکھا ہی، مگر خود تاباں کے کلام سے پایا جاتا ہی کہ وہ میر محمد علی حشمت کے شاگرد تھے،

ہی، (صفحہ ۱۳۹) شعر مندرجہ صفحہ ۱۴۰ کو پڑھئے، پھر مرزا صاحب جیسے مہذب کو اور آزاد کی معذرت کو دیکھئے، فرماتے ہین کہ "تہذیب آنکھ دکھاتی ہی، مگر کیا کیجئے ایشیا کی شاعری کہتی ہو کہ یہ میری صفائی زبان اور طراری کا نمک ہی" (صفحہ ۱۴۰) مرزا رفیع سودا کی ہجو پر حاشیہ چڑھاتے ہین کہ "ایک دھوین گھر مین ڈالی تھی" (صفحہ ۱۴۳)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۴) میر صاحب نکات الشعرا مین فرماتے ہین "نسبت بشعرا و استادا و را رتبہ شاگردی او بود" اس سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ حشمت ہی کے شاگرد تھے، ممکن ہو کہ شاہ حاتم سے بھی اصلاح لی ہو، سودا کی شاگردی صحیح نہین معلوم ہوتی، تاباں مرحوم کو عنفوان شباب مین میگساری کی عادت پڑ گئی تھی، اور وہ اتنی بڑھی کہ اُن کے لئے بلاے جان ہو گئی، ہر وقت مدہوش رہنے کی وجہ سے دوستون نے اُن سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا، میر صاحب فرماتے ہین کہ مرنے سے سات آٹھ روز پہلے ایکبارگی اس کو چھوڑ دیا، اور اپنے دوستون کو اس مضمون کے رقعے لکھ بھیجے "عزیزان من توبہ کردم شما شاہد وخبرگیران من باشید، چراکہ شراب بسبب کثرت استعمال مزاج من شدہ بود از گذاشتن این از خود گذشتن من بر نزدیک می نماید غافل از احوال من بودن از عقل بسیار دور است" آخر کار وہی ہوا کہ وہ جانبر نہ ہو سکے،

میر تقی میر اور میر حسن نے اُن کے اور مرزا مظہر علیہ الرحمہ کے تعلقات کا کچھ ذکر نہین کیا، تاہم کچھ شبہ نہین کہ تاباں کو مرزا صاحب سے عقیدت اور مرزا صاحب کو اُن سے محبت تھی، بعضون نے لکھا ہو کہ مرزا صاحب کے مرید ہو گئے تھے، مگر جو شخص پیر و مرید کے تعلقات خصوصاً مرزا صاحب کے انداز اور طور و طریقہ سے واقف ہوگا، وہ کبھی ان خرافات باتون کو تسلیم نہین کر سکتا، جن کو آزاد نے آبحیات مین بیان کیا ہو،

تاباں مرحوم کے چند اشعار،

کس کس طرح کی دل مین گذرتی ہین حسرتین ہے وصل سے زیادہ مزا انتظار کا،



کسی واقعہ کی صورت بنانے کا نمونہ ملاحظہ ہو فرماتے ہین کہ "ایک نواب صاحب اُن کے خاندان کے مرید تھے، ملاقات کو آئے، اور خود صراحی لیکر پانی پیا، اتفاقاً جو آبخورہ رکھا ٹیڑھا رکھا، مرزا صاحب کا مزاج اس قدر برہم ہوا کہ ہرگز ضبط نہ ہو سکا، اور بگڑ کر کہا کہ عجب بیوقوف احمق تھا جس نے تمھین نواب بنادیا، آبخورہ بھی صراحی پر رکھنا نہین آتا،" مین پوچھتا ہون کہ اس مین لطیفہ کیا ہوا، یہ جس انداز سے بیان کیا گیا ہی، اس مین بجاے مدح کے ذم کا پہلو نکلتا ہی، مرزا صاحب کی نازک مزاجی نہین آتش مزاجی ضبط و تحمل کی کمی اور بد تہذیبی کی یہ مثال ہو سکتا ہی، نواب کے قصور پر بادشاہ کو بیوقوف اور احمق مرزا صاحب کی زبان سے کہلانا کتنی دوراز قیاس بات ہی،

واقعہ یہ ہے کہ ایک نواب زادے ملنے کو آئے، جن کا تمام خاندان مرزا صاحب سے عقیدت رکھتا تھا، اور خود یہ صاحبزادے مرزا صاحب کے شاگرد تھے، اِن کو پیاس معلوم ہوئی، اِدھر، اُدھر دیکھنے لگے، کوئی آدمی نظر نہین آیا، مرزا صاحب سمجھ گئے، فرمایا کہ پیاس ہو تو خود اٹھ کر پی لو، گھڑا اور آبخورہ قرینہ سے ایک طرف کو رکھا ہوا تھا، انھون نے اُٹھکر پانی پیا اور آبخورہ جو رکھا ٹیڑھا رکھا، گھڑے کو بھی سیدھا نہین کیا اور آکر بیٹھ گئے اور جوش عقیدت مین آکر عرض کیا کہ بغیر کسی پیش خدمت کے آپ کو تکلیف ہوتی ہوگی اگر ارشاد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۵) ہنستا ہی گل چمن مین تو نالان ہی عندلیب | دو دل خوشی نہ دیکھے کبھی اس جہان کے بیچ



انجان ہو تو اس سے کوئی درد دل کہے | جو جانتا ہو ہین اسے آگاہ کیا کرون



اے باغبان! تو جاتے ہین ہم قفس مین | چھوٹے تو پھر ملین گے گر بال و پر رہین گے
جاتی ہی عمر ہر دم ہم کو خبر نہین ہے | کیا جانئے کہ کب تک ہم بے خبر رہین گے

ہو تو دو ایک خدمتگار ہمیں متعین کر دو ں، مرزا صاحب نے ہنس کر گھڑے کی طرف دیکھا، اور فرمایا کہ تم کو آبخورہ رکھنے کا سلیقہ نہیں تو تمہارے خدمت گار کو کیا ہوگا۔"

اصل یہ ہے کہ مولانا آزاد نے مرزا صاحب کو آبحیات میں نا خواستہ طبیعت جگہ دی ہے جیسا کہ اُن کے اندازِ بیان سے معلوم ہوتا ہے، وہ جوش و خروش اور کثرت کلام ڈھونڈھتے ہیں، جو یہاں نہیں ملتا[1]۔ اس کا حال مصحفی سے سنو وہ کہتے ہیں "ہنوز از میر و مرزا کسے در عرصۂ وجود نیامدہ بود و در دور ایہام گویان بود، اول کسے کہ شعر ریختہ را بہ تتبع فارسی گفتہ اوست"، آگے بڑھ کر کہتے ہیں "نقاش اول زبان ریختہ باعتقاد فقیر مرزا است"

مرزا صاحب کا دیوان ریختہ گوئی موجود نہیں، یقین کا دیوان اٹھا کر دیکھو، اور انصاف کرو، مصحفی کہتے ہیں "در تمام دیوانش فصاحت و بلاغت زبان استاد جلوۂ ظہور می دہد"

مرزا صاحب کا ایک دیوان فارسی ہے، ساٹھ برس کی عمر ۱۱۷۰ھ میں ۲۰ ہزار شعر میں سے ایک ہزار شعر انتخاب کئے تھے، اسی واسطے اکثر غزلیں ناتمام ہیں، فارسی کلام کے متعلق میر تقی میر کی رائے ہے کہ وہ سلیم و کلیم کے کلام سے کم پایہ نہیں، میر صاحب کے الفاظ یہ ہیں "دیوان مختصر فارسی او بنظر فقیر مؤلف آمدہ است، از سلیم و کلیم پائے کمی ندارد، اگرچہ شعر گفتن دون مرتبہ اوست لیکن گاہے متوجہ این فن بے حاصل می شود۔"

---

[1] یہاں تو نہیں مگر میر ضاحک اور میر خلیق کے یہاں کیا مل گیا، میر ضاحک کا ایک شعر اور میر خلیق کے دو شعر ہاتھ آئے، مگر اُن کے حالات لکھنے کی بے چینی ملاحظہ ہو، میر ضاحک کے حالات میں فرماتے ہیں، "ابتدا سے دل چاہتا تھا کہ اس خانوادۂ سیادت کا سلسلہ مسلسل لکھوں مگر پھول نہ ہاتھ آئے، جو لڑی پروتا ...... اب کہ طبع ثانی کا موقع ہے، آرزوے قدیم پھر دل میں لہرائی ناچار برسوں کے سوکھے مرجھائے پھول دل افسردہ کے طاق میں پڑے تھے انہیں کا سہرا بنا کر سادات عظام کے روضوں پر چڑھاتا ہوں، الخ،

خریطۂ جواہر ایک مختصر انتخاب اساتذۂ فارسی کے اشعار کا ہی کہ اپنے پسند کے موافق لکھے گئے تھے، وہ حقیقت مین خریطۂ جواہر ہے، اور فارسی دیوان کے ساتھ یہ بھی چھپ گیا ہے،

اردو مین پورا دیوان نہین، غزلین اور اشعار ہین، جو سودا اور میر کی زبان ہی، وہی ان کی ہے، شاگردون مین انعام اللہ خان یقین، میر محمد باقر حزین، خواجہ احسن اللہ خان بیان، مصطفی خان یکرنگ، بساون لعل بیدار، ہیبت قلی خان حسرت، محمد فقیہ، دردمند صاحب دیوان اور اچھے شاعر ہوئے ہین،

ساتوین محرم کی تھی کہ رات کے وقت ایک شخص آیا، دروازہ بند تھا، اُس نے آواز دی، باہر نکلے تو ایک قرابین ماری، وہ تو بھاگ گیا، مگر حضرت کو زخم کاری رہا، تین دن تک استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ زندہ رہے، عالم اضطراب مین لوٹتے تھے، اور اپنے ہی اشعار پڑھتے تھے،

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن ۔۔۔ خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را



سیلِ خون از سینۂ گرمم روان کرد است عشق ۔۔۔ نازم اعجازش کہ طوفان از تنور آوردہ است



زخم دل مظہر بہادا بہ شود آگاہ باش ۔۔۔ کاین جراحت یادگارِ ناوکِ مژگانِ اوست

بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ قاتل نہین ملتا پتہ بتائیے تو ہم اُس کو سزا دین، جواب مین فرمایا کہ "فقیر کشتہ راہِ خدا ہین، مردہ کا مارنا قتل نہین، قاتل ملے تو آپ سزا نہ دین یہان بھیجدین"

آٹھوین محرم ۱۱۹۵ھ کی شام کو اہلبیت کرام سے جا ملے، میر قمر الدین منت کی تاریخ ہے،

جس کا مادہ خاص الفاظِ حدیث ہین، اور اتفاق یہ کہ موزون ہین "عاش حمیداً مات شہیداً"
لوحِ مزار پر خود حضرت کا یہ شعر کندہ ہی، جو بالکل حسب حال اور صحیح پیشینگوئی ہی،

بلوحِ تربتِ من یافتند از غیب تحریرے — کہ این مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

چونکہ اردو کا کلام حضرت کا نایاب ہی، لہذا جس قدر مجکو مل سکا ہی بغیر انتخاب کے ناظرین کی ضیافتِ طبع کے لئے پیش کرتا ہون،

چلے اب گل کے ہاتھون سے لٹا کر کاروان اپنا — نہ چھوڑا ہاے بلبل نے چمن مین کچھ نشان اپنا
یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے — اگر ہوتا چمن اپنا، گل اپنا، باغبان اپنا
الم سے یان تلک روئین کہ آخر ہو گئین رسوا — ڈبویا ہاے آنکھون نے مژہ کا خاندان اپنا
رقیبان کی نہ کچھ تقصیر ثابت ہی نہ خوبان کی — مجھے ناحق ستاتا ہے یہ عشقِ بدگمان اپنا
مرا جی جلتا ہی اس بلبلِ بیکس کی غربت پر — کہ جس نے آسرے پر گل کے چھوڑا آشیان اپنا
جو تو نے کی سو دشمن بھی نہین دشمن سے کرتا ہی — غلط تھا جانتے تھے تجکو جو ہم مہربان اپنا
کوئی آزردہ کرتا ہے سجن اپنے کو اے ظالم — کہ دولتخواہ اپنا، مظہر اپنا، جانجان اپنا

گرچہ الطاف کے قابل یہ دلِ زار نہ تھا — لیکن اس جور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا
لوگ کہتے ہین موا مظہرِ بیکس افسوس — کیا ہوا اُس کو کہ اتنا بھی وہ بیمار نہ تھا

نہین کچھ غم کہ کیون جلتا نہین پیان گسل میرا — کہ مین روتا ہون دل کی بیکسی پر ہاے دل میرا

جوان مارا گیا خوبان کے اوپر میرزا مظہر — بھلا تھا یا برا تھا زور کچھ تھا خوب کام آیا،

زخمی تری نگہ کا اک پل جیا تو پھر کیا　　صیاد کی بغل مین ٹک دم لیا تو پھر کیا

ہم نے کی ہو توبہ اور دھومین مچاتی ہو بہار　　ہاے بس چلتا نہین کیا مفت جاتی ہو بہار
لالہ و گل نے ہماری خاک پر ڈالا ہو شور　　کیا قیامت ہو موؤن کو بھی ستاتی ہو بہار
نرگس و گل کی کھلی جاتی ہین کلیان دیکھو سب　　پھران خوابیدہ فتنون کو جگاتی ہو بہار
ہم گرفتارون کو اب کیا کام ہو گلشن مین لیک　　جی نکل جاتا ہو جب سنتے ہین آتی ہو بہار
شاخ گل ہلتی نہین یہ بلبلون کو باغ مین　　ہاتھ اپنے کے اشارہ سے بلاتی ہو بہار

اتنی فرصت دے کہ ہولین رخصت اے صیاد ہم　　مدتون اس باغ کے سایہ مین تھے آزاد ہم

گر گل کو گل کہون تو ترے رو کو کیا کہون　　بولون نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہون

توفیق دے کہ شور سے اکدم وہ چپ رہے　　آخر یہ میرا دل ہے الٰہی جرس نہین،

مت اختلاط کر اے نو بہار تو ہم سے　　چمن مین ہونے کا اس خاک کو دماغ نہین

لوگ کہتے ہین مرگیا مظہر　　فی الحقیقت مین گھر گیا مظہر،

یہ بلبلون کا صبا مشہد مقدس ہو　　قدم سنبھال کے رکھیو ترا یہ باغ نہین،

آج مت رنگِ حنا سے کفِ پا لال کرو ‏ ‏ اے بتان اس دلِ پرخون کو پامال کرو



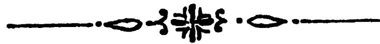
کسی کے خون کا پیاسا کسی کی جان کا دشمن ‏ ‏ نہایت منہ لگایا ہو سجن نے بیڑہٗ پان کو



آتش کہو شرارہ کہو کوئلا کہو ‏ ‏ مت اِس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو



اس گل کو بھیجنا ہے مجھے خط صبا کے ہاتھ ‏ ‏ اس واسطے لگا ہون چمن کی ہوا کے ہاتھ
برگِ حنا اوپر لکھو احوالِ دل مرا ‏ ‏ شاید کہ جا لگے وہ کسی میرزا کے ہاتھ
آزاد ہو رہا ہون دو عالم کی قید سے، ‏ ‏ بینا لگا ہے جب سے مجھ بے نوا کے ہاتھ
مرتا ہون میرزا ئیے گل دیکھ ہر سحر، ‏ ‏ سورج کے ہاتھ جوڑی تو نکلا صبا کے ہاتھ
مظہر چھپا کے رکھ دلِ نازک کو اپنے تو ‏ ‏ یہ شیشہ بیچنا ہے کسی میرزا کے ہاتھ



الٰہی مت کسو کے پیش رنجِ انتظار آوے ‏ ‏ ہمارا دیکھیئے کیا حال ہو جب تک بہار آوے



تجلی گر تری پست و بلند انکو نہ دکھلاتی ‏ ‏ فلک یون چرخ کیون کھاتا زمین کیون فرش ہو جاتی
حنا تیرے کفِ پا کو نہ اس شوخی سے سہلاتی ‏ ‏ یہ آنکھین کیون لہو روتین انھون کی نیند کیون جاتی
اگر یہ سرد مہری تجکو آسایش نہ سکھلاتی ‏ ‏ تو کیونکر آفتابِ حسن کی گرمی مین نیند آتی
الٰہی درد و غم کی سرزمین کا حال کیا ہوتا ‏ ‏ محبت گر ہماری چشمِ تر سے مینھ نہ برساتی



یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہے — کہان اُس کو دماغ و دل رہا ہے
نہ تو ملنے کے اب قابل رہا ہے — نہ مجکو وہ دماغ و دل رہا ہے
نہین آتا کسی تکیہ اوپر خواب — یہ سر پانون سے تیرے ہل رہا ہے
خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو — یہی اک شہر مین قاتل رہا ہے



خدا کو اب تجھے سونپا ارے دل — یہین تک تھی ہماری زندگانی

مرزا محمد رفیع سودا

جوانے است خوش خلق و خوش خوے گرم جوش، یار باش، شگفتہ روے، مولد او شاہجہان آباد است، نوکر پیشہ، غزل و قصیدہ و مثنوی و قطعہ و مخمس و رباعی ہمہ را خوب می گوید، سر آمد شعراے ہندی اوست بسیار خوش گو است...... چنانچہ ملک الشعرائی ریختہ او را شایدا ہ نکات الشعرا میر تقی،

در فنون انواع سخن طاق و بجمیع کمالات سخنوری شہرۂ آفاق در مضمار قصیدہ گوئی گوے سبقت از عرفی و خاقانی ربودہ و در غزل گوئی سلیم و کلیم را پس پشت می گذارد، بسیار خوشگو و پر گو است چندمدت بسبب ویرانگی دہلی در بلدہ فرخ آباد ہمراہ مہربان خان ماندہ الحال بطرف لکھنؤ رفتہ نوکر شجاع الدولہ بہادر شدہ است، اہ طبقات الشعرا،

الحال در سرکار نواب شجاع الدولہ بہادر بوسیلۂ فن شاعری سرافراز است در علم موسیقی نیز ماہر است، و تصانیف بسیار در نغمہ ہم دارد تا حال مثل او در ہندوستان جنت نشان کسے بر نخاستہ اکثر فقیر در خدمت آن بزرگوار می رسد بسیار کرم میفرمایند اہ تذکرۂ میر حسن

"زعم بعضے آنکہ سرآمد شعرائے فصاحت مرزا محمد رفیع سودا در غزل گوئی بوے (میر تقی) نرسیدہ اما حق آنست کہ ع ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است، مرزا دریاے است بیکران و تبحر ہنرے است عظیم الشان در معلومات قواعد میر را بر مرزا برتریست و در قوت شاعری مرزا را بر میر سروری" اھ تذکرہ حکیم قدرت اللہ خان،

"بزعم فقیر غزلش بہ از قصیدہ است و قصیدہ اش بہ از غزل اگر گوئی کہ غزل از اشعار رکیک مملو است، و قصیدہ ازان خالی زیادہ ازین چہ توان گفت کہ قباحت این تحقیق بر نظارگیان دیوانش حالی" اھ گلشن بیخار،

مرزا محمد رفیع سودا کے والد مرزا محمد شفیع میرزایان کابل سے تھے، بزرگون کا پیشہ سپہگری تھا، مرزا شفیع بطریق تجارت ہندوستان آئے، ہند کی خاک دامنگیر ہوئی، یہین کے ہو رہے، مرزا رفیع ۱۱۲۵ھ مین پیدا ہوئے، دلی مین تربیت اور پرورش پائی، اول سلیمان قلی خان وداد کے پھر شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے طبیعت شعر و سخن کے مناسب تھی، کثرتِ مشق نے اُس مین جلا دے دی، استاد کی زندگی ہی مین اُن کی استادی کو خاص و عام نے مان لیا، اور اُن کی غزلین گھر گھر ہر ایک کی زبان پر چڑھ گئین، شاہ عالم بادشاہ اپنا کلام اصلاح کے لئے اُن کو دینے لگے، اور دلی جیسے شہر مین ان کے فضل و کمال کو سب لوگون نے مان لیا،

یہ بھی جب تک ہو سکا دلی سے باہر نہین نکلے، شاہ عالم کا جب کھیل بگڑا، اور بسر اوقات کا کوئی ذریعہ نہ رہا تو بادل ناخواستہ نکلے، فرخ آباد مین نواب احمد خان غالب جنگ بر سرِ حکومت تھے، مہربان خان رند، ان کا دیوان تھا، وہ خود شاعر اور شاعرون کا قدردان تھا، اُس زمانہ مین دلی سے جو نکلتا، اُس کی پہلی منزل فرخ آباد ہوتی تھی، یہ بھی براہ راست فرخ آباد آئے،

ور مہربان خان کی مہربانی سے چند سال تک اطمینان و فراغت سے زندگی بسر کی،

۱۱۸۱ھ میں نواب احمد خان کا انتقال ہو گیا، یہ برداشتہ خاطر ہو کر فیض آباد چلے آئے، اس وقت ان کا سن ساٹھ برس کا ہو چکا تھا، نواب شجاع الدولہ برسرِ حکومت تھے، وہ بہت اعزاز سے ملے اور اُن کی تنخواہ مقرر کر دی،

شجاع الدولہ کے بعد نواب آصف الدولہ مسند نشین ہوئے، ان کا فیض آباد میں جی نہین لگا، اپنی ماں بہو بیگم[1] کی روک ٹوک سے گھبرا کر لکھنؤ چلے آئے، اور اس کو مرکزِ حکومت

---

[1] بہو بیگم کا اصلی نام امۃ الزہرا بیگم تھا، یہ موتمن الدولہ نواب محمد اسحٰق خان شوستری کی بیٹی تھین، محمد شاہ بادشاہ نے ان کو اپنی بیٹی بنایا تھا، اور شجاع الدولہ کے ساتھ شادی کی تھی، جہیز مین وہ کچھ دیا جو ایک شاہزادی کو مل سکتا تھا، سسرال سے بہو بیگم اور خاص محل کا خطاب ملا، یہ بڑی فرزانہ اور دانشمند بیگم تھین، فیاضی اور سیرچشمی مین انکا کوئی نظیر نہین تھا، جب دلی کی سلطنت بگڑی تو بھائیون کو بھی سمیٹ لیا، اور باپ بھائی کے ملنے والون پر کیا موقوف ہے، دلی کا ادنیٰ اور اعلیٰ جو آجاتا، اس کے ساتھ برادرانہ سلوک کرتی تھین، ان کے حسنِ سلوک کی وجہ سے فیض آباد دلی کا ایک محلہ بن گیا تھا، نواب آصف الدولہ ان کے اکلوتے بیٹے تھے مگر ان مین نہ باپ کا سا بھولا پن تھا نہ ماں کی سی فرزانگی، صرف ایک فیاضی ان کے ترکہ مین ملی تھی، ماں انکی خفیف حرکتون سے ناخوش ہوتین اور روک ٹوک کرتی تھین اور انکو دل کھول کر اپنے ارمانون کے نکالنے کا موقعہ نہ ملتا تھا، اس وجہ سے تنکار کے بہانے فیض آباد سے لکھنؤ آ گئے، اور پھر یہین محلسرا مین باغات اور بازار تیار کر کے رہ پڑے، بہو بیگم کی جاگیر بہت بڑی تھی جو بجائے خود ایک چھوٹی سی ریاست تھی، علاوہ اس کے جواہرات کا ذخیرہ بھی اُن کے پاس بہت کچھ تھا، ساری عمر دل کھول کر خرچ کیا، آصف الدولہ کے بعد سعادت علیخان ہمیشہ اُن کے مرنے اور اس دولت پر قابض ہونے کے متمنی رہے، مگر بہو بیگم انکو مار کر مرین، ورمرتے مرتے ایک کروڑ کے روپیہ اور کچھ اوپر چھپن لاکھ کا وثیقہ سرکار کمپنی کی تحویل مین دیکر دستاویز کر دی کہ ان کے اعزہ اور متوسلین کی جو تنخواہین انھون نے کر رکھی ہین ہمیشہ جاری رہین، چنانچہ ان لوگون کی اولاد اس سے فائدہ اٹھا رہی ہے،

قرار دیا تو مرزا رفیع بھی لکھنؤ آرہے، اور جب تک جیتے رہے، نواب اور اہلِ لکھنؤ کی قدردانی سے فارغ البال رہے،

آزاد کہتے ہین کہ ۱۱۸۵ھ مین لکھنؤ پہونچے نواب شجاع الدولہ نے بے تکلفی سے یا طنز سے کہا کہ مرزا تمھاری وہ رباعی اب تک میرے دل پر نقش ہی، یہ بہا پاس وضعداری پھر دربار نہ گئے یہ سب افسانہ ہے، شجاع الدولہ فیض آباد مین رہتے تھے، لکھنؤ کی اُس وقت ایک قصبہ سے زیادہ حیثیت نہ تھی، یہ بھی غلط ہے کہ دلی سے براہ راست یہان آئے، یہ بھی غلط ہو کہ سودا ایک بار کے سوا پھر دربار نہین گئے، شجاع الدولہ جب تک جیتے رہے یہ اُن کی ملازمت مین رہے، اُن کے کلیات مین متعدد قصیدے شجاع الدولہ کی تعریف مین موجود ہین، مصحفی اپنے تذکرہ مین لکھتے ہین "ہر جا کہ میرفت عزت وحرمت تمام می یافت نواب مرحوم مغفور نیز بود ن اورا در سرکار خود بسیار غنیمت می دانستند"

آزاد نے دلی کے قدردانون مین بسنت خان کے ساتھ مہربان خان کا نام بھی لیا ہے، وہان بھی کوئی مہربان خان ہون تو مجھے اِس سے کچھ بحث نہین، مگر کلیات مین جہان جہان مہربان خان کا نام آیا ہی، اس سے مراد مہربان خان رند ہین، جو فرخ آباد مین دیوان[1] تھے،

---

[1] نواب مہربان خان رند دیوان فرخ آباد بڑے مہمان نواز آشنا پرور اور خوش اخلاق امیر تھے، باوجودیکہ علم نہین رکھتے تھے، مگر اہلِ کمال کی صحبت مین معلومات بہت وسیع ہو گئی تھی، میر سوز مدت تک اُن کے پاس رہے، اُن سے شاعری تیراندازی اور شمشیر شناسی وغیرہ کی مشق کی تھی، موسیقی مین بہت ماہر تھے، کبت بہت اچھے کہتے تھے، قیافہ شناسی اور قدردانی مین کمال رکھتے تھے، جب مرزا رفیع سودا نے دلی چھوڑی اُن کو ہاتھون ہاتھ لیا، اور مدت تک فرخ آباد مین رکھا اور ان سے مشقِ سخن کرتے رہے، مصحفی کہتے ہین، کہ اگرچہ شخص جاہل بود اما سلیقہ صحبت شعرا و داہم بو رسہ قلیل مرتبہ والائے شاعری رسانیدہ" میر حسن فرماتے ہین "از شاگردانِ میر سوز و مرزا رفیع مشہور ست" (بقیہ صفحہ آیندہ پر

کلیات ان کا ہر جگہ مل سکتا ہی، اول اردو کے قصائد ہین، پھر چوبیس چھوٹی چھوٹی مثنویان ہین، ایک مختصر دیوان فارسی کا، ایک تمام وکمال دیوان ریختہ کا، جس مین بہت سی غزلین، مطلع، رباعیان، قطعات، مستزاد، تاریخین، پہیلیان، ترجیع بند، مخمس، اور ہر قسم کی نظم مین ہجوین ہین،

عبرۃ الغافلین نام ایک رسالہ ہے، بڑی کاوش اور تحقیق سے لکھا ہی، مرزا فاخر مکین کے اعتراضون کا جواب جو انھون نے فارسی کے شعرائے سلف پر کئے تھے اور اُن کے کلام مین دخل بیجا کیا تھا، اور خود مرزا فاخر کے کلام پر اعتراض کرکے اُسے ناقص ٹھہرایا ہی،

آزاد نے سچ کہا ہی کہ مرزا اس فن مین استادِ مسلم الثبوت تھے، وہ ایسی طبیعت لیکر آئے تھے جو شعر اور فن انشا ہی کے واسطے پیدا ہوئی تھی۔ .... اُن کا کلام کہتا ہی کہ دل کا کنول ہر وقت کھلا رہتا تھا، اس پر سب رنگون مین ہمرنگ اور ہر رنگ مین اپنی ترنگ، جب دیکھو طبیعت شورش سے بھری اور جوش وخروش سے لبریز، نظم کی ہر فرع مین طبع آزمائی کی ہے، اور کہین رکے نہین، چند صفتین خاص ہین، جن سے کلام اُن کا جملہ شعرا سے ممتاز معلوم ہوتا ہے، اول یہ کہ زبان پر حاکمانہ قدرت رکھتے ہین، کلام کا زور مضمون کی نزاکت سے ایسا دست و

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۵) در تصانیف نفیسہ بہم دستے پیدا کردہ چنانچہ اکثر اہل غنا دل عشاق را بنغمۂ دلآویزی او می بربند بسیارے کلامش را چون کلام میرزا سودا و میر سوز، سر لوح دیوان می انگارند" کلام ملاحظہ ہو،

خلقت تمام گردشِ افلاک سے بنی، ماٹی ہزار رنگ کی اس چاک سے بنی،

مجھ سا تھ تیری دوستی جب ہو گئی آخر | دنیا کی مرے دل سے طلب ہو گئی آخر
حاصل تو ہوا وصل نہین رات پر افسوس | اک پل مین شبِ عیش وطرب ہو گئی آخر

گریبان ہی، جیسے آگ کے شعلے مین گرمی اور روشنی، بندش کی چستی اور ترکیب کی درستی سے لفظون کو اس در و بست کے ساتھ پہلو بہ پہلو جڑتے ہین، گویا ولایتی طپنچہ کی چا نپین جڑی ہوئی ہین، اور یہ خاص اُنکا حصہ ہے، چنانچہ جب اُن کے شعر مین سے کچھ بھول جائین تو جب تک وہی لفظ وہان نہ رکھے جائین شعر مزا ہی نہین دیتا، خیالات نازک اور مضامین تازہ باندھتے ہین، مگر اس باریک نقاشی پر اُن کی فصاحت آئینہ کا کام دیتی ہی تشبیہ اور استعارے ان کے ہان ہین، مگر اسی قدر کہ جتنا کھانے مین نمک یا گلاب کے پھول پر رنگ، رنگینی کے پردہ مین مطلب اصلی کو گم نہین ہونے دیتے،

مرزا نے تقریبًا ستر برس کی عمر پائی، ۱۱۹۵ھ مین دنیا سے انتقال کیا، اور آقا باقر کے امام باڑے مین دفن ہوئے، مصحفیؔ نے تاریخ کہی، ع

سوؔدا کجا و آن سخنِ دلفریب او،

مرزا کے بہتر خنجر[1] تلاش کرنے سے پیشتر اُن کے قصیدون اور ہجوون کا رنگ بھی دیکھ لینا چاہئے جس کے وہ مرد میدان ہین اور اس مین کوئی اُن کا حریف نہین،

شہر آشوب

اب سامنے میرے جو کوئی پیر و جوان ہے، دعویٰ نہ کرے یہ کہ مرے منہ مین زبان ہی
مین حضرت سوؔدا کو سنا بولتے یارو، اللہ رے اللہ ہے کیا نظم بیان ہے،
اتنا مین کیا عرض کہ فرمایئے حضرت آرام سے کٹنے کی طرح کوئی بھی یہان ہی،

[1] اہل مذاق جس طرح میر تقی میر کے کلام مین بہتر نشتر بتاتے ہین، سودا کے زبردست کلام مین سے بہتر خنجر تیار کرتے ہین، اسکی نسبت آزاد کی رائے ٹھیک ہی کہ جو کلام آج کے طرز کے موافق ہی، وہ ایسے مرتبۂ عالی پر ہی، جہان ہماری تعریف کی پرواز نہین پہنچ سکتی، اور دل کی پوچھو تو جن اشعار کو پرانے محاورے کے جرم مین ردی کرتے ہین آج کے ہزار محاورے اُن پر قربان ہین،

سن کر یہ لگے کہنے کہ خاموش ہی رہ جا — اس امر مین قاصر تو فرشتون کی زبان ہی،
کیا کیا مین بتاؤن کہ زمانہ کی کئی شکل — ہے وجہِ معاش اپنی سو جس کا یہ بیان ہی،



گھوڑا لے اگر نوکری کرتے ہین کسو کی — تنخواہ کا پھر عالم بالا پہ نشان ہی،
گذرے ہے سدا یون علف و دانہ کے خاطر — شمشیر جو گھر مین تو سپر بنئے کے یہان ہی،
ثابت ہو جو دگلا تو نہین موزون مین کچھ مال — تیرون مین ہی بد گیری تو بے چلہ کمان ہی
کہتا ہے نفر غزہ کو صراف سے جا کر — بی بی نے تو کچھ کھایا ہے فاقہ سے یہان ہی
یہ سن کے دیا کچھ تو ہوئی عید و گر نہ، — شوال بھی پھر ماہِ مبارک رمضان ہی

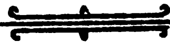


گر ہو جئے جا کر کسی عمدہ کے مصاحب — اُس کی تو اذیت ہی بڑی آفتِ جان ہی
وہ جاگے جو راتون کو تو بیٹھے ہین دو زانو — کیسا ہی اگر اپنے تئین خوابِ گران ہی
بے وقت خورش اُسکی جو ہو اپنے تئین بھوکھ — سو کیا کہون تجھ سے کہ مصیبت کا بیان ہی
گھڑیال کی چپ بیٹھے ہوئے گنتے ہین گھڑیان — اور ریح خلا رو دون مین جن اپ ولان ہی



صیغہ پہ طبابت کے بھلا آدمی نوکر، — تو دو تو روپئے کا جو کسی عمدہ کے یہان ہی
صحبت ہے یہ اُس سے اگر آقا کے تئین چھینک — آوے تو وہ اُس کو بخشونت نگران ہی
مطبوخ مین ہی خربزہ اور خربزہ پر دودھ — ہی دودھ اوپر پھلی تس اوپر گاؤ زبان ہی
یہ بھی تو نہین ہے کہ اسی پر ہو تسلی، — اس سب پہ تفنن کے لئے بینی نان ہی
اور ماحضر اوپر جو وہ نواب کو دیکھے، — کھاتا تو یہ کھاتے ہین پر اُس کو خفقان ہی

اس مین جو کہین درد اٹھا پیٹ مین اُس کے — پھر بو علی سینا ہے تو وہ ہیچمدان ہی
رکھتے ہین غرض مرض سے لڑنے کو سپاہی — گر نوکری سمجھو یہ طبابت کی کمان ہی



سوداگری کیجیے تو ہے اس مین مشقت — دکھن مین بکے وہ جو خرید صفہان ہی
ہر صبح یہ خطرہ ہے کہ طے کیجیے منزل — ہر شام بدل وسوسۂ سود و زیان ہی
لیجا جو کسی عمدہ کی سرکار مین دے جنس — یہ درد جو سنئے تو عجب طرفہ بیان ہی
قیمت جو چکاتے ہین سو اس طرح کہ ثالث — سمجھے ہو فروشندہ پہ دزدی کا گمان ہی
جب مول مشخص ہوا مرضی کے موافق — پھر پیسون کا جاگیر کے عامل پہ نشان ہی
پروانہ لکھا کر گئے عامل کنے جس وقت — کہتا ہے وہ پیسا ابھی مجھ پاس کہان ہی
ادھر سے پھر آئے تو کہا جنس ہی لیجا — دیوان بیوتات یہ کہتے ہین گران ہی
آخر کو جو دیکھو تو نہ پیسے ہین نہ وہ جنس — ہر اک متصدی سے میان اور تیان ہی



شاعر جو سنے جاتے ہین مستغنی الاحوال — دیکھے جو کوئی فکر و تردد کو تو ہیان ہی
گر عید کا مسجد مین پڑھے جا کے دوگانہ — نیت قطعۂ تہنیت خان زمان ہی
تاریخ تولد کی رہی آٹھ پہر فکر — گر رحم مین بیگم کے سنے نطفۂ خان ہی
اسقاط حمل ہو تو کہین مرثیہ ایسا — پھر کوئی نہ پوچھے میان مسکین کہان ہی



ملائی اگر کیجیے ملا کی ہے یہ قدر — ہون دو روپیے اسکے جو کوئی مثنوی خوان ہی
دن کو تو بچارا وہ پڑھایا کرے لڑکے — شب خرچ لکھے گھر کا اگر ہندسہ دان ہی

تس پر یہ ستم ہے کہ نہالی تلے اُس کے
لڑکون کی شرارت سے سدا خار نہان ہی



چاہے جو کوئی شیخ بنے بہرِ فراغت
چھٹتے ہی تو شعرا کے وہ مطعونِ زبان ہی

دیتا ہے وہ مرخر سے کوئی شملہ کو نسبت
گنبد سے کوئی پگڑی کو تشبیہ کنان ہی

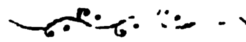
اور اُس کو جو دیکھے کوئی وہ بہرِ معیشت
اِس فکر و تردد ہی مین ہر ایک زمان ہی

پوچھے ہے مریدون سے یہ ہر صبح کو اٹھکر
ہے آج کدھر عرس کی شب روز کہان ہی

تحقیق ہوا عرس تو کر داڑھی کو کنگھی،
لے خیلِ مریدان گئے وہ بزم جہان ہی

ڈھولک جو لگی بجنے تو دہان سب کو ہوا وجد
کو دے ہی کوئی روئے کوئی نعرہ زنان ہی

اور ماحصل اس رنج و مشقت کا جو پوچھو
ڈالا ہوا وہان دال نخود قلیہ و نان ہی



بالفرض اگر آپ ہوئے ہفت ہزاری
یہ شکل بھی مت سمجھو تو راحتِ جان ہی

ٹک دیکھنا منصور علی خان جی کا احوال
چھاتی پہ کڑک بجلی ہے اور شیر دہان ہی



آرام سے کٹنے کا سنا تو نے کچھ احوال
جمعیتِ دل کی کوئی صورت ہو کہان ہی

دنیا مین تو آسودگی رکھتی ہے فقط نام
عقبیٰ مین یہ کہنا ہی کوئی اُس کا نشان ہی

سو اُس پہ تیقن کسی کے دل کو نہین ہی
یہ بات بھی گو بندہ ہی کا محض گمان ہی

یان فکرِ معیشت ہے وہان دغدغۂ حشر
آسودگی حرفیست یہان ہو نہ وہان ہی



تضحیکِ روزگار

ہجو اسپ بخیل

ہے چرخ جب سے ابلقِ ایام پر سوار — رکھتا نہین ہے دست عنان کا بیک قرار
جن کے طویلے بیچ کئی دن کی بات ہو — ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
ایک دیکھتا ہون مین کہ زمانہ کے ہاتھ سے — موچی سے کفش پا گٹھاتے ہین وہ ادھار
تنہا وے نہ دہر سے عالم خراب ہے، — خسّت سے اکثرون نے اٹھایا ہو ننگ عار
ہین گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہربان — پاوے سزا جو اُن کا کوئی نام لے نہار
نوکر ہین سو روپے کے دیانت کی راہ سے — گھوڑا رکھے ہین ایک پرا تنا ذلیل وخوار
نہ دانہ و نہ کاہ نہ تیمار نے سئیس، — رکھتا ہو جیسے اسپ گلی طفلِ شیر خوار
ناطاقتی کا اُس کے کہانتک کرون بیان — فاقون کا اُس کے اب مین کہانتک کرون شمار
مانندِ نقشِ نعل زمین سے بجز فنا — ہرگز نہ اُٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار
اِس مرتبہ کو بھوک سے پہنچا ہو اُس کا حال — کرتا ہے راکب اُس کا جو بازار مین گذار
قصاب پوچھتا ہے مجھے کب کروگے یاد — امیدوار ہم بھی ہین کہتے ہین یون چمار
دیکھے ہے جب وہ توبڑہ و تھان کی طرف — کھودے ہے اپنے سم سے کنوین ٹاپین مار مار
فاقون سے ہنہنانے کی طاقت نہین رہی — گھوڑی کو دیکھتا ہو تو پادے ہے بار بار
ہے اس قدر ضعیف کہ اڑ جائے باد سے — میخین گر اُس کے تھان کی ہووین نہ استوار
نہ استخوان نہ گوشت نہ کچھ اُس کے پیٹ مین — دھونکے ہو دم کو اپنے کہ جون کھال کو لوہار
سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق ہے یا سرنگ — خارشت سے زبسکہ ہے مجروح بے شمار
ہر زخم پر زبسکہ بھنکتی ہین مکھیان — کہتے ہین اُس کے رنگ کو مگسی اِس اعتبار

القصہ ایک دن مجھے کچھ کام تھا ضرور | آیا یہ دل مین جایئے گھوڑے پہ ہو سوار
رہتے تھے گھر کے پاس قضارا وہ آشنا | مشہور تھا جنھون کنے وہ اسپ نابکار
خدمت مین اُن کی مین نے کیا جا یہ التماس | گھوڑا مجھے سواری کو دو اپنا مستعار
فرمایا تب انھون نے کہ اے مہربان من | ایسے ہزار گھوڑے کرون تم پہ مین نثار
لیکن کسی کے چڑھنے کے لائق نہین یہ اسپ | یہ واقعی ہوا اس کو نہ جانو ہے انکسار



ہے پیر اس قدر کہ جو بتلاوے اُس کا سن | پہلے وہ لے کے ریگ بیابان کرے شمار
لیکن مجھے زروے تواریخ یاد ہے، | شیطان اسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار

مطلب تو اس قدر ہے کہ جو کچھ کہ تم سنا | لیکن اب اکدن کی حقیقت کہون مین یار
دلی مین آن پہنچے تھا جس دن کہ مرہٹہ | مجھ سے کہا نقیب نے آ کر ہے وقت کار
مدت سے کوڑیون کو اڑاتے ہو گھر مین بیٹھ | ہو کر سوار اب کرو میدان مین کارزار
ناچار ہو کے تب تو بندھا یا مین اُس پہ زین | ہتھیار باندھ کر مین ہوا اُس اوپر سوار
جس شکل سے سوار تھا اس دن مین اُس اوپر | دشمن کو بھی خدا نہ کرے یون ذلیل و خوار
جابک تھے دونون ہاتھ مین پکڑے تھا منہ مین باگ | ٹخ ٹخ کی پاشنون سے مرے پاؤن تھے فگار
آگے سے توبڑہ اسے دکھلائے تھا نفر | پیچھے نقیب ہانکے تھا لاٹھی سے مار مار
ہرگز وہ اس طرح بھی نہ لایا تھا رو براہ | ہلتا نہ تھا جگہ ستی جون میخ استوار
اس مضحکہ کو دیکھ ہوئے جمع خاص و عام | اکثر مدبر اُن مین کے کہتے تھے یون پکار
پہیے اسے لگاؤ کہ تا ہووے یہ روان۔ | یا بادبان باندھ پون کے دو اختیار

کہتا تھا کوئی ہے یہ کوہی نہین یہ اسپ
کہتا تھا کوئی سے ہے گا ولایت کا یہ حمار

پوچھے تھا کوئی مجھ سے ہوا تجھ سے کیا گناہ
کتوال نے گدھے پہ کیا کیون تجھے سوار

کہنے لگا یہ آکے اُس اجماع مین ایک شخص
گھوڑا نہ یہ گدھا نہ یہ راکب گناہ گار

سمجھون ہون مین تو یہ کہ سپاہی کے بھیس مین
ڈائن چلی ہو سیر کو ہو چرخ پر سوار

اس مخمصے مین تھا ہی کہ ناگاہ ایک اور
فتنے کو آسمان نے کیا مجھ سے وہان دوچار

دھوبی کمہار کے گدھے اُس دن ہوئے تھے گم
اس ماجرے کو سن کیا دونون نے وہان گذار

ہر اک نے اُس کو اپنے گدھے کا خیال کر
پکڑے تھا دھوبی کان تو کھینچے تھا دم کمہار

کتے بھی بھونکتے تھے کھڑے اُس کے گرد و پیش
سا تھ اُس سمند خرس نما کے ہو چشم چار

جھگڑون مین وہ یون ہے کہ لڑکون کو دون جواب
کتون کو مارون یا کہ مرون اپنا پیٹ مار

بارے دعا مری ہوئی اُس وقت مستجاب
وہان سے بھر نمط کیا جنگاہ تک گذار

یہ کہہ کے حق ستی مین ہوا مستعد بجنگ
اتنے مین مرہٹہ بھی ہوا مجھ سے آ دوچار

گھوڑا تھا بسکہ لاغر و بیت و ضعیف و خنگ
کرتا تھا یون غنیمت مجھے وقت کارزار

جاتا تھا جب ڈپٹ کے مین اسکو حریف پر
دوڑون تھا اپنے پاؤن سے جون طفل بے سوار

جب مین نے دیکھا جنگ کی یان تو بندھی یہ شکل
لے جھ تون کو ہاتھ مین گھوڑا بغل مین مار

مرزا ہجو کے بادشاہ تھے، قصیدہ، غزل، قطعہ، رباعی، مخمس، مسدس، ترجیع بند، مثنوی
غرض کہ کوئی صنف اصناف سخن سے نہین چھوٹی جس مین انھون نے اپنے دل کا بخار نہ نکالا

یون تو بہت کم لوگ اُن کی شرر باری سے بچے ہون گے، مگر مکین، ندرت، فدوی، مولوی ساجد اور میر ضاحک کی جیسی مٹی پلید کی ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، یہ تمام ہجوین اُن کے کلیات مین موقع موقع سے شامل ہین، اُن کو یکجا کرو تو خاصا زعفران کا کھیت نظر آئیگا جسکے دیکھنے سے ہنستے ہنستے پیٹ مین بل پڑ جائین گے،

ان ہجوون کے پڑھنے سے جو خاص قسم کا اثر دل پر پڑتا ہے وہ انکی قادرالکلامی اور گرمی کلام کے زور کا ہوتا ہی، قصیدون مین وہ واقعات کو اس بے تکلفی اور سادگی سے نظم کرتے ہین، کہ دوسرا شخص مثنوی مین بھی اس طرح سے نظم نہین کر سکتا،

مگر افسوس ہی کہ وہ جی کھول کر اور آنکھین بند کرکے ایسا منہ آئے ہین کہ اُس کا معمولی سا نمونہ بھی پیش کرنے سے طبیعت ہچکچاتی ہے، جس کو شوق ہو وہ کلیات اٹھا کر دیکھے،

تغزل کا رنگ دیکھئے:۔

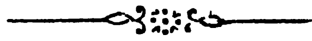
اِس گلشنِ ہستی مین عجب دید ہے لیکن
جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم ہے خزان کا

بیکس کوئی مرے تو جلے اُس پہ دل مرا
گویا یہ ہے چراغ غریبون کی گور کا،

سودا ہوئے جب عاشق کیا پاس آبرو کا
سنتا ہے اے دوانے جب دل دیا تو پھر کیا

سودا قمارِ عشق مین شیرین سے کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا،
کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا،

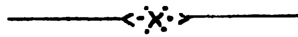
رخصت ہو باغبان کہ ذرا دیکھ لین چمن — جاتے ہین وان جہان سے پھر آیا نہ جایگا



چھیڑ مت بادِ بہاری کہ مین جون نکہتِ گل — پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤن گا

اس خرابی سے تو مت مجھ کو نکال اب گھر سے — تو کہے آج نکل مین کہون کل جاؤن گا

ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ — دنیا سے گذرنا سفر ایسا ہے کہان کا



آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا — کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا



بہنا کچھ اپنی چشم کا دستور ہو گیا — دی تھی خدا نے آنکھ سو ناسور ہو گیا



کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکین تجکو غیر پاس — پر جو خدا دکھائے سو لاچار دیکھنا



کیا کرونگا ہاتھ سے حورون کے واعظ لیکے جام — ہون مین ساغر کش کسی کی نرگسِ مخمور کا



سودا جو ترا حال ہے اتنا تو نہین وہ — کیا جانئے تو نے اُسے کس آن مین دیکھا



کدھر کو چھوڑ گئے مجکو ہمرہان تنہا — پھرون ہون دشت مین جون گردِ کاروان تنہا



ترا مجھ سے نہین ملتا مرا دل رہ نہین سکتا — غرض ایسی مصیبت کہ مین کچھ کہہ نہین سکتا

زبان ہے شکر مین قاصر شکستہ حالی کے
کہ جس نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا



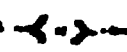
یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا گاہے پیام
کچھ بھی اے خانہ خراب اس دل کے سمجھانے کی طرح



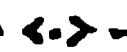
اے لالہ گو فلک نے دیئے تجھکو چار داغ
چھاتی مری سراہ کہ اک دل ہزار داغ



نہ زر نہ زور نہ طالع نہ تیرے دل مین رحم
جو چاہے تجھ سے یہ دل کامیاب ہو معلوم



قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
ذرہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام



تونے سودا کے تئین قتل کیا کہتے ہین،
یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہین،



بوسہ ہنس کر نہ دیا اس نے سوائے دشنام
سو بھی یہ جب نہ ملا کوئی تو مجبور نہین،



کیفیتِ چشم اُس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا مین



ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ مین
تڑپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانے مین



اے مرغ دل سمجھ کے تو چشمِ طمع کو کھول
تونے سنا ہے دام جسے ہے وہ دانہ مین

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانہ مین،



کیا گلہ صیاد سے ہمکو یون ہی گذری ہی عمر
اب اسیر دام ہین تب تھے گرفتارِ چمن،



جی تک تو دے کے لون کہ تو ہو کارگر کہین
اے آہ کیا کرون نہین بکتا اثر کہین،

ہوتی نہین ہے صبح نہ آتی ہی مجکو نیند
جس کو پکارتا ہون وہ کہتا ہو مر کہین،

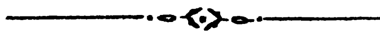
ساقی ہے یک تبسمِ گل فرصتِ بہار
ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سے بھر کہین،



سخت مشکل ہے کہ ہر بات کنایہ سمجھو
ہو زبان میری بھی گفتار کرون یا نہ کرون



دل کو تو ہر طرح سے دلاسا دیا کرون
آنکھین جو مانتی نہین مین اس کو کیا کرون



عاشق کی بھی کٹتی ہین کیا خوب طرح راتین
دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتین



یہ تو نہین کہتا ہون کہ سچ مچ کرو انصاف
جھوٹی بھی تسلّی ہو تو جیتا ہی رہون مین



کس کی ملّت مین گنون آپ کو بتلاے شیخ
تو کہے گبر مجھے، گبر مسلمان مجکو،



اس کشمکش سے دام کے کیا کام تھا ہمین
اے الفتِ چمن ترا خانہ خراب ہو،

دل کو چاہا میں کہ خالی کروں مانندِ حباب — ہو گئی جان ہوا اِک نفسِ سرد کے ساتھ
جو طبیب اپنا تھا اُس کا دل کسی پر زار ہے — مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہی

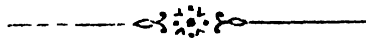
اب تو میں چھوڑنے کا نہیں اُس کو ناصحا — ہونی جو کچھ تھی قبلۂ حاجات ہو گئی
پینا ابھی نہ دیر لگائی تھی بس وے — دھڑکے ہے دل کہ یہ نہ کہے رات ہو گئی
مستی سے اُس نگاہ کی اے محتسب خبر — دینا تمام بزم خرابات ہو گئی
سودا کسی کو وہ تو سنائے نہ بے سبب — کیا جانئے کہ تجھ سے ہی کیا بات ہو گئی

سودا جہان میں آکے کوئی کچھ نہ لے گیا — جاتا ہوں ایک میں دلِ پر آرزو لئے

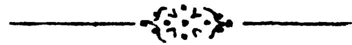
گل پھینکے ہے غیروں کی طرف بلکہ ثمر بھی — اے خانہ بر انداز چمن کچھ تو اِدھر بھی
دل اُس نے لیا مجکو ملی دولتِ دیدار — کیا لوٹ کا سامان اودھر بھی ہے اِدھر بھی
کیا ضد ہے میرے ساتھ خدا جانے وگرنہ — کافی ہے تسلی کو مرے ایک نظر بھی
سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات — آئی ہے سحر ہونے کو ظالم کہیں مر بھی

نسیم بھی ترے کوچہ میں اور صبا بھی ہے — ہماری خاک سے کچھ دیکھو رہا بھی ہے
ترا غرور مرا عجز تا کجا ظالم — ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے
سمجھ کے رکھیو قدم دشتِ زار میں مجنوں — کہ اس جوار میں سودا برہنہ پا بھی ہے

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے، اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے
گر ہو شراب و خلوت و محبوب و خوبرو زاہد تجھے قسم ہے کہ تو ہو تو کیا کرے
قاتل ہماری نعش کی تشہیر ہے ضرور آیندہ تا نہ کوئی کسی سے وفا کرے
فکرِ معاش و عشقِ بتان، یادِ رفتگان اس زندگی مین اب کوئی کیا کیا کیا کرے



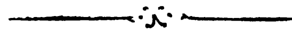
صورت مین مین کہتا نہین ایسا کوئی کب ہے اک دیج ہے کہ وہ قہر ہے آفت ہی غضب ہی
کیا چیز ہے وہ دل جسے کہتے ہین الٰہی اک قطرۂ خون سینہ مین آفات طلب ہی
دشنام کے دینے کی قسم کھائی ہے لیکن جب دیکھے ہے وہ مجکو تو اک جنبشِ لب ہی



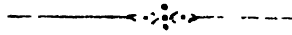
ہے قسم تجھکو فلک دے تو جہان تک چاہے جلوۂ حسن اُسے حسرتِ دیدار مجھے،



جس روز کسی اور پہ بیداد کروگے یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کروگے،



عشرت کے دو جہان کے یہ دل ہاتھ دھو سکے تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے،



اثر ہے آہ مین ہر چند نے تاثیر نالے مین پر اتنا ہے کہ ان دونون سے میرا جی بہلتا ہے



خواہ کعبے مین تجھے خواہ مین تبخانے مین اتنا سمجھون ہون مرے یار کہین دیکھا ہی،



پھر نظر تجکو نہ دیکھا کبھی ڈرتے ڈرتے حسرتین جی کی رہین جی ہی مین مرتے مرتے

رستم سے بھلا کہہ تو سر تیغ تلے دھر دے پیارے یہ ہمین سے ہو پھر کا رے دھر مر دے

رُباعی،

سوداپئے دنیا تو پھر سو کب تک آوارہ ازین کوچہ بآن کو کب تک

حاصل یہی اس سے نہ کہ تا دنیا ہو بالفعل ہوا یہ بھی تو پھر تو کب تک

میر محمد تقی میر

مجموعۂ قابلیت و ہنر صاحب طبع خوش فکر سر آمد مشہوران عصر محاورہ دان و تتبع متلاشی مضامین نو در نگین مجسس الفاظ چرب و شیرین در میان غزل پردازی گوے فصاحت از معاصران می برد ہر چند سادہ گو است اما در سادہ گوئی پرکار بہاوارد" اھ طبقات الشعراء،

اکثرے در فن شعر ریختہ او را در پلہ مرزا رفیع سودا گرفتہ اند و اکثرے در غزل و مثنوی بہتر از مرزا قیاس میکنند و مرزا را در نجود قصیدہ بر وفقیات می دہند غرض ہر چہ ہست استادی ریختہ بر و مسلم است" اھ تذکرہ مصحفی،

محمد تقی نام، میر تخلص تھا، اُن کے والد میر عبد اللہ شرفاے اکبر آباد سے تھے سراج الدین علیخان آرزو کے رشتہ دار تھے، کسی نے میر صاحب کو خان آرزو کا بھتیجا، کسی نے بھانجا لکھا ہے، آزاد کہتے ہین کہ میر صاحب میر عبد اللہ کی پہلی بیوی سے تھے، وہ مرگئین تو خان آرزو کی ہمشیرہ سے شادی کی تھی، اس لئے سوتیلے بھانجے ہوئے، جو کچھ بھی ہو میر نے خان آرزو کے دامن تربیت مین پرورش پائی،

خود میر صاحب نے نکات الشعرا مین خان آرزو کا ذکر بہت محبت و ادب سے کیا ہے،

ایک جگہ کہتے ہین "استاد و پیر مرشد بندہ است" دوسری جگہ فرماتے ہین "ہمہ استادان مضبوط فن ریختہ ہم شاگردان آن بزرگوار ند" ایک اور جگہ لکھا ہو "تاحال ہیچ ایشان بہندوستان جنت نشان بہم نرسیدہ بلکہ بحث در ایران می رود[۱]"

میر صاحب کی تحصیلِ علمی کا حال معلوم نہین، مگر اُن کی تصنیفات سے معلوم ہوتا ہو کہ فارسی مین استعداد اچھی تھی، اور استاد کی تربیت کا پورا فیض حاصل کیا تھا،

دلی مین میر صاحب کی بہن میر محمد حسین کلیم کو بیاہی تھین، وہ اپنے بھائی کو بہت چاہتی تھین، اور اُن کے لحاظ سے کلیم کو بھی میر سے بہت محبت تھی، میر نے نکات الشعرا مین کلیم کا جہان کہین ذکر کیا ہو اُس سے ان دونون کے باہمی اخلاص و محبت کا پتہ چلتا ہو،

خواجہ محمد ناصر عندلیب کے یہان بھی آمد و رفت تھی، اُن کے یہان ہر مہینہ کی پندرھوین کو مشاعرہ ہوا کرتا تھا، اُس مین میر صاحب شریک ہوا کرتے تھے، اور خواجہ میر دردؔ سے بہت خلوص تھا، نکات الشعرا مین فرماتے ہین "فقیر بخدمتِ آن بزرگوار شرف اندوز می شد، از زبانِ مبارکش فرمود میر تقی میر تو میر مجلس خواہی شد، الحمد للہ والمنہ حرفِ آن سر سلسلۂ خدا پرستان موثر افتاد"

انقلاباتِ زمانہ سے مشاعرہ کا سلسلہ خواجہ میر درد کے یہان درہم برہم ہو گیا تو انھون نے میر صاحب سے فرمایا کہ اپنے یہان مشاعرہ کیا کرو، چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل مین ہر مہینہ کی

---

[۱] آزاد کہتے ہین کہ خان صاحب حنفی مذہب تھے، اور میر صاحب شیعہ، اس پر نازک مزاجی غضب کی، کسی مسئلہ پر خانصاحب بگڑ کر الگ ہو گئے، تاریخی حیثیت سے اس واقعہ کی تصدیق یا تکذیب کرنا دشوار ہو، اس واسطے کہ جتنے پرانے تذکرے پیش نظر ہین، ان مین کہین اس سے بحث نہین، مگر میر صاحب نے جو کچھ خانؔ صاحب کے متعلق خیالات ظاہر کئے ہین، اُن کو دیکھتے ہوئے اس واقعہ کو باور کرنا مشکل معلوم ہوتا ہو،

پندرھوین کو ان کے یہان مشاعرہ ہونے لگا، خواجہ صاحب بھی اُس مین شرکت فرماتے تھے، تذکرہ مین لکھتے ہین "مجلس ریختہ کہ بخانہ بندہ تاریخ پانزدہم ہر ماہ مقرر است واللہ بذات ہمین بزرگست"

خوب معلوم نہین کہ دلی مین ان کی گذر اوقات کا کیا ذریعہ تھا، مگر اتنا یقیناً معلوم ہے کہ سلطنت کی تباہی اور مرہٹہ گردی مین جس طرح اور شرفا مفلوک اور تباہ ہوگئے میر بھی اسی کشمکش مین مبتلا تھے، تاہم ان کی وضعداری کی داد دینا چاہئے کہ مرزا رفیع سودا، میر سوز اور خدا جانے کتنے لوگ پریشان ہو کر دلی سے نکل کھڑے ہوئے، کوئی فرخ آباد گیا، کوئی لکھنؤ، کوئی اور آگے بڑھ گیا، مگر جب تک ہوسکا میر صاحب دلی مین قدم جمائے بیٹھے رہے،

جب پانی سر سے گذر گیا تو ساٹھ برس کے سن مین بقول مرزا لطف ۱۱۹۷ھ مین دلی چھوڑ کر لکھنؤ آئے، نواب آصف الدولہ[1] کا زمانہ تھا، ان کی تعریف مین قصیدہ لکھکر پیش کیا

---

[1] نواب آصف الدولہ یحییٰ علیخان ہز ہر جنگ امۃ الزہرا بیگم کے بطن سے نواب شجاع الدولہ کے ایک ہی بیٹے تھے ۱۱۸۸ھ مین باپ کے مرنے کے بعد مسند وزارت پر بیٹھے، اودھ، روہیلکھنڈ، صوبہ الہ آباد اور صوبہ اکبر آباد مین چکلہ کوڑا اور چکلہ اٹاوہ کا زرخیز علاقہ ترکہ مین پایا، مگر ناقابلیت کے ساتھ مزاج مین عیش پرستی تھی، یہان خواجہ سراؤن کے ہاتھ مین زمام حکومت، دوسری طرف حریف سلطنت مدبر اور زمانہ شناس نتیجہ یہ ہوا کہ جونپور، بنارس، غازیپور کے تین سرسبز و شاداب ضلع سرکار کمپنی بہادر نے نواب وزیر سے برضا و رغبت لے لئے، اور اُن کے مرتے ہی آدھا ملک ان کے جانشین نواب سعادت علیخان کی ہوس حکمرانی کے نذر ہوگیا، صرف اودھ کے اضلاع باقی رہے جس کا الحاق واجد علی شاہ کے زمانے مین سرکار کمپنی کے ملک محروسہ سے ہوگیا،

نواب آصف الدولہ سات برس فیض آباد رہنے کے بعد لکھنؤ آرہے، اور اسی کو دارالحکومت بنایا، انکے زمانے کی عمارتون مین عالیشان امام باڑہ ابتک قائم ہے جو لکھنؤ مین فن تعمیر کے لحاظ سے ایک ہی عمارت ہے

اور اُس مین اپنی غربت اختیار کرنے کا پورا ماجرا بیان کیا، نواب نے اُسی دن خلعتِ فاخرہ سے سرفراز کر کے تین سو روپئے ماہوار اُن کے لئے مقرر کر دیئے جو مرتے دم تک اُن کو ملتے رہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۲) اس کو کفایت اللہ خان دلی کے مشہور مہندس (انجنیر) نے تیار کیا تھا، اُس کا رومی دروازہ باؤلی، مسجد، امام باڑہ کے لداؤ کی تین چھتین اور بھول بھلیان دنیا کی عجیب و غریب عمارتون مین سمجھی جاتی ہین، اور دور دور سے اس کے دیکھنے کو سیاح آکر محو حیرت بن جاتے ہین،

آصف الدولہ مین جہان کچھ عیوب تھے وہان ایک صفت فیاضی اور سیر چشمی کی ایسی تھی جس سے وہ اپنے ملک مین نہایت ہر دلعزیز تھے، آج تک لکھنؤ کے دوکاندار اُن کا نام لیکر صبح کو دوکان کھولتے ہین اور یہ فقرہ بطور ضرب المثل کے بولا جاتا ہو کہ "جسکو نہ دلائے مولا اسے کیا دین آصف الدولہ"،

امام باڑہ وغیرہ جیسی نادر اور عالیشان عمارتون پر پچاس لاکھ روپیہ صرف کیا، پچاس لاکھ روپیہ سے نجف اشرف مین نہر آصفی جاری کرائی جس سے اُن کا نام عراق مین بھی اسی نیکی سے لیا جاتا ہو جیسا کہ لکھنؤ مین،

شعرا کی قدردانی مین بھی یہ اپنے پیشرو سے آگے تھے، میر سوز ان کے اُستاد تھے، ان کی خدمت جو کچھ کرتے ہونگے وہ معلوم نہین، مرزا رفیع سودا کو چھ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر دی تھی، میر تقی میر کو تین سو روپیہ ماہوار دیتے تھے، علاوہ اس کے داد و دہش مین جب ادنی ادنی نفرون کو ہزارون کی خلعت ملتی تھی تو ان کا کیا پوچھنا،

نواب آصف الدولہ کے زمانے کا یہ کارنامہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہو کہ لہو و لعب مین مشغول ہونے کے ساتھ مذہب تشیع کی اشاعت مین انھون نے دل سے کوشش کی، ان کے نائب حسن رضا خان بھی مذہبی آدمی تھے، وہ بھی اسی کوشش مین لگے رہتے تھے، اُن کی کوششون سے ہزارون خاندان سنی سے شیعہ ہو گئے، اور ان کو جاگیرین ملین اور جو اپنی ضد پر قائم رہے اُن کی جاگیرین جو شاہان مغلیہ کے وقت سے چلی آتی تھین ضبط کی گئین، شاہ علی اکبر چشتی مودودی کے مشورے اور ملا محمد علی فیض آبادی کی تحریک سے نواب حسن رضا خان نے جمعہ و جماعت قائم کر کے سب سے پہلے مولوی سید دلدار علی نصیر آبادی کے اقتدا مین ۱۳ رجب ۱۲۰۰ھ کو نماز ادا کی، یہ پہلا دن ہو کہ، (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

آزاد کہتے ہین کہ میر صاحب اپنی بد دماغی اور نازک مزاجی سے کسی بات پر نواب سے بگڑ کر گھر بیٹھ رہے، اور فقر و فاقہ مین زندگی گذاردی ایک دوسری جگہ فرماتے ہین کہ جب سعادت علیخان کا دور ہوا تو یہ دربار چھوڑ چکے تھے، وہان سے کسی نے طلب نہ کیا، ایک دن نواب کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۳) وسط ہند مین شیعون نے اپنا جمعہ و جماعت علیحدہ کر لیا، نائب امام کی حیثیت سے مجتہدین کے ہاتھ مین زمام مذہب دی،

مگر افسوس ہو کہ نواب آصف الدولہ کو اُن کی غفلت اور عیش پرستی نے انگریزون کے ہاتھ مین کٹھ پتلی بنا رکھا تھا، اور اسی غم مین ان کی جان گئی، دانستہ انھون نے ایسی تدبیرین اختیار کین جن سے جلد بیمار ہون، اور ایسے بیمار ہون کہ جانبر نہ ہو سکین، حکیم شفائی خان دلی کے نامور طبیب معالج تھے، اُن سے پوچھا کرتے اور جو بتاتے اُس کے خلاف عمل کرتے، نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی یہ آرزو ۱۲۱۲ھ مین پوری ہو گئی اور استسقا کی بیماری نے ان کا کام تمام کر دیا، (کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو)

آصف نہ چھٹے عشقِ بتان دل سے ہمارے سو بار اگر پھر بھی بنادین اسے گھڑ کر،

شوخیِ چشم کی شہرت کو تری سُن سُن کر، شرم سے باغ مین نرگس نے چھپائین آنکھین

جس جگہ آنسو گرے ہے آبلہ پڑ جائے ہو آب سے آتش ہوئے کیونکر ہم کیا جانئے

پوچھتے کیا ہو شبِ ہجر کی حالت یارو مین ہون اور رات ہو اور بسترِ تنہائی ہو

تیرے کوچہ مین نقشِ پا کی طرح ایسے بیٹھے کہ پھر نہ وہان سے گئے،

سواری جاتی تھی، یہ تحسین کی مسجد پر بر سرِ راہ بیٹھے تھے، سواری سامنے سے آئی، سب اٹھ کھڑے ہوئے، یہ اُسی طرح بیٹھے رہے، سید انشا خواصی مین بیٹھے ہوئے تھے، نواب نے پوچھا یہ کون شخص ہے، عرض کی یہ وہی گداے متکبر ہے جس کا ذکر حضور مین اکثر آیا ہی، گذارہ کا وہ حال اور مزاج کا یہ عالم، آج بھی فاقہ ہی سے ہوگا، سعادت علی خان نے خلعت بحالی اور ایک ہزار روپیہ دعوت کا بھیجا، میر صاحب نے واپس کر دیا، پھر سید انشا خود لیکر گئے، اور سمجھا بجھا کر راضی کیا، کبھی کبھی دربار جانے لگے۔

میرے نزدیک کچھ عجب نہین کہ کبر سنی کی وجہ سے یا خودداری کے خیال سے کہ بے بلائے نہ جائین دربار کا آنا جانا چھوڑ دیا ہو، مگر یہ صحیح نہین کہ گھر بیٹھ رہنے سے ان کی تنخواہ بند کردی گئی اور فقر و فاقہ مین انھون نے زندگی بسر کی، مرزا علی لطف میر صاحب کے ہمعصر ہین، وہ گلشن ہند مین لکھتے ہین کہ،

"اگرچہ گرفتہ مزاجی سے ان کی روز بروز صحبت نواب مرحوم سے بگڑتی گئی، لیکن تنخواہ مین کبھی قصور نہ ہوا، اور نواب سعادت علی خان بہادر کے عہد مین آج تک کہ ۱۲۱۵ھ ہے، وہی حال ہے"

اب تم خود غور کرو کہ بقول آزاد نواب آصف الدولہ کے زمانے مین میر صاحب گھر بیٹھ رہے تھے، اور فقر و فاقہ مین مبتلا ہو چکے تھے، جب سعادت علی خان نواب وزیر ہوئے تو انھون نے اُن کو پوچھا نہین، چند دنون کے بعد انشار اللہ خان کی مہربانی سے ان کو خلعتِ بحالی ملا، لطف یہ کہ ۱۲۱۵ھ مین خود انشار اللہ خان کی رسائی نواب سعادت علی کے دربار مین ہوئی ہے، اور اس وقت تک بقول لطف اُن کی تنخواہ جاری تھی، حقیقت یہ ہے کہ آزاد نے میر صاحب کی جو تصویر آبحیات مین کھینچی ہے، وہ اُن کے منہ پر کھلتی نہین، کچھ شبہہ نہین

کہ میر صاحب نازک مزاج تھے. مگر آزاد نے جو واقعات لکھے ہین اگر آج وہ کسی مین پائے جائین تو ہر شخص اُس کو نازک مزاج نہین خرد ماغ سمجھے گا،

آزاد کہتے ہین کہ جس زمانے مین میر صاحب نواب سے بگڑ کر گھر بیٹھ رہے تھے، ایک دن بازار چلے جاتے تھے، نواب کی سواری سامنے سے آگئی، دیکھتے ہی نہایت محبت سے بولے کہ میر صاحب آپ نے بالکل ہمین چھوڑ دیا، کبھی تشریف نہین لاتے، میر صاحب نے کہا "بازار مین باتین کرنا داب شرفا نہین، یہ کیا گفتگو کا موقع ہے" اگر تھوڑی دیر کے لئے اس واقعہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو میرے نزدیک جس کو خللِ دماغ ہوگا وہی اس کو نازک مزاجی سے تعبیر کر سکتا ہے، ورنہ جس کی نسبت بیان کیا گیا ہے، اس کے پاگل ہونے مین کچھ شبہہ نہین،

آزاد کہتے ہین کہ "افسوس یہ ہے کہ اُن کو اورون کے کمال بھی دکھائی نہ دیتے تھے اور یہ میر سے شخص کے دامن پر بدنما دھبہ ہے" ایک اور جگہ کہتے ہین کہ "خواجہ حافظؒ اور شیخ سعدیؒ کی غزل پڑھی جائے تو وہ سر ہلانا گناہ سمجھتے تھے، کسی کی اور حقیقت کیا ہے" مگر جب اس کی جانچ ہم انکی کتاب نکات الشعرا سے کرتے ہین تو حیرت کی کچھ انتہا نہین رہتی کہ یہ بیان کس قدر واقعہ کے خلاف ہے، میر سجاد میر صاحب کے زمانے مین ایک نوجوان شاعر تھے، تاہم اُن کی نسبت فرماتے ہین "سخن او بپایۂ استادی رسیدہ" اُن کے ایک شعر پر وجد کرتے ہین، اور سو جگہ لکھنے کی تمنا کرتے ہین، سجاد کا شعر ہے، ؎

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے — جو یہ کشتی تری تو بس ڈوبی،

میر صاحب داد دیتے ہین، "ہمہ شعر سبحان اللہ لیکن فقیر را از دیدن این شعر تواجد دست بہم می دہد از بسکہ از خواندن این شعر حظے برمیدارم میخواہم کہ بصد جا بنویسم"

آزاد کہتے ہین کہ "تو زمرحوم پہلے میر تخلص کرتے تھے، جب میر تقی مرحوم میر کے تخلص سے

عالمگیر ہوئے تو انھون نے سوز اختیار کیا، دوسرے مقام پر کہتے ہین کہ سوز نے ایک مشاعرہ مین کہا تھا کہ فقیر نے تو تخلص میر کیا تھا، مگر وہ میر تقی صاحب نے پسند فرمایا، فقیر نے خیال کیا کہ اُن کے کلام کے سامنے میرا نام ہندو شن ہو سکے گا، ناچار سوز اختیار کیا،

ایک اور جگہ کہتے ہین، کہ میر سوز کے ذکر پر میر تقی میر نے کہا کہ شرفا مین ہم نے ایسے تخلص کبھی سنے نہین، اب دیکھو کہ میر صاحب خود کیا کہتے ہین" محمد میر میر تخلص جوانے است بسیار اہل خوش طبع ہر چند طرز علٰحدہ دارد لیکن از خوش کردن تخلص من نصف دلم از و خوش است"
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب نے ان کا تخلص پسند نہین کیا، بلکہ میر سوز نے پسند کیا، تاہم جس خوش دلی سے اُن کا ذکر کرتے ہین اس سے یہ بعید ہے کہ جب وہ میر صاحب کی بزرگی کا لحاظ کر کے اپنا تخلص بدل ڈالین تو میر صاحب فرمائین کہ شرفا مین ہم نے ایسے تخلص کبھی سنے نہین،

آزاد میر صاحب کی سلسلۂ تصنیفات مین نکات الشعرا کا ذکر کر کے لکھتے ہین کہ وہان بھی اپنا انداز قائم ہے، دیباچہ مین فرماتے ہین کہ یہ اردو کا پہلا تذکرہ ہے، اس مین اکھزار شاعرون کا حال لکھونگا، مگر اُن کو نہ لونگا جن کے کلام سے دماغ پریشان ہو، ان ہزار مین ایک بیچارہ بھی طعنون اور ملامتون سے نہین بچا، ولی کہ بنی نوعِ شعرا کا آدم ہے، اُس کے حق مین فرماتے ہین" وے شاعریست از شیطان مشہورتر" نکات الشعرا چھپ گیا ہے، اور پیش نظر ہے، اُس کے دیباچہ مین یہ کہین نہین ہو کہ اس مین اکھزار شاعرون کا حال لکھونگا، یہ بھی نہین ہے کہ اُن کو نہ لونگا جن کے کلام سے دماغ پریشان ہو، ولی کی نسبت فرماتے ہین " از کمالِ شہرت احتیاجِ تعریف ندارد" شیطان والا فقرہ سارے تذکرے مین کہین نہین ہے،

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا آزاد کی نظر سے نکات الشعرا نہین گذرا نہ اِس قسم کے مضامین

جو آبحیات مین لکھے ہین کسی مستند ماخذ سے لئے گئے ہین، صرف قصے کہانیون پر اُن کی بنیاد ہے
یا بقول مولانا شروانی[1] قیاس کی بلند پروازی نے طوطے مینا بنا کر اڑائے ہین، اور اُن کی

[1] مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی حسرت تخلص بھیکن پور ضلع علی گڈھ کے مقتدر رئیس، خوش رو، خوش خو، خوش گو، خوش اخلاق امیر ہین، علوم وفنون عربیہ کی تعلیم مولوی عبدالغنی خان فرخ آبادی اور اُن کے استاد مولانا لطف اللہ مرحوم سے پائی ہو، شعروسخن کی مشق منشی امیر احمد مینائی سے کی ہو، فارسی اور اردو دونون زبانون مین طبع آزمائی فرماتے ہین فضیلت علمی کیساتھ خدانے اُن کو ایسی صفتین عنایت کی ہین جن پر ہمیشہ مجکو رشک آتا رہا ہو،

سب سے نمایان صفت اُن کی متانت اور اصابت رائے ہے جس کی آزمائش نازک ترین مواقع پر ہوچکی ہو اور ہر موقع پر ایسے جوہر کھلے ہین جس نے سب کو مسحور کر دیا ہو، دوسری صفت اُن کی انتظامی قابلیت ہو جس کے لئے خدانے اُن کو نہایت موزون دماغ عطا فرمایا ہو، اور اس کا بہترین نمونہ اُن کی ریاست کا انتظام ہے جس وقت انکے ہاتھ مین کام آیا ہو، ریاست زیربار قرض تھی، چند روز مین اپنی انتظامی قابلیت سے لاکھون روپیے کا قرض ادا کرکے زیرباری سے اس کو محفوظ کر دیا، یہ بھی تھوڑی بات نہین ہو کہ ان کا قیام حیدرآباد مین ہو، سال مین دوبار مہینے مہینے ڈیڑھ ڈیڑھ مہینے کو آجاتے ہین، مگر انتظام کے ایسے عمدہ اصول بنا دیئے ہین کہ ہر کام ٹھیک وقت پر ہوتا رہتا ہو، تیسری صفت انکی یہ ہے کہ باوجود نوجوانی اور رنگین مزاجی اور دولت مندی کے مذہبی جذبات کی پرورش وپرداخت سے غفلت نہین کی، عنفوان شباب مین قبلۂ ارشاد حضرت مولانا فضل الرحمٰن قدس سرہ سے بیعت کی اور شیخ الحدیث مولانا حسین بن محسن انصاری یمانی کو حبیب گنج مین تکلیف اقامت دیکر صحاح ستہ کی سند حاصل کی اور اپنے اوقات کا بہترین حصہ تفسیر وحدیث کی خدمت مین صرف کیا، چوتھی صفت یہ ہے کہ باوجود ان تمام مشغولیتون کے اپنے اوقات کا بیشتر حصہ ایسے کامون مین صرف کرتے رہے جن سے مسلمانون کی فلاح وبہبود وابستہ ہو، ندوۃ العلما کی بنیاد ۱۳۱۱ھ مین پڑی اُسی سال انکے رکن انتظامی منتخب ہوئے، اس وقت سے اب تک کہ تیئس سال کا زمانہ ہونے کو آیا ہو اس کے رکن رکین ہین اور ہر ممکن ذریعہ سے مدد دینے مین پہلو تہی نہین کرتے، علاوہ اسکے برسون محمڈن کالج علی گڈھ کے ناظم امور مذہبی رہی ہو، اور (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

سحر بیانی سے سامعین کو خوش کیا ہی۔

نکات الشعرا کی مدد سے نیز تذکرہ نویسون کی تحریر سے میر صاحب مین جو اوصاف ہمین نظر آئے ہین وہ یہ ہین کہ وہ نہایت مہذب، زندہ دل، یار باش، انصاف پسند اور وضعدار آدمی تھے، میانہ قد، لاغر اندام، گندمی رنگ، ہر کام متانت اور آہستگی کے ساتھ کرتے، بات بہت کم کرتے اور وہ بھی آہستہ آواز مین نرمی اور ملائمت، مزاج مین قناعت اور غیرت حد سے بڑھی ہوئی، صلاحیت و بر سرکاری کے ساتھ عادات و اطوار نہایت سنجیدہ و متین، ہر وقت محویت کا عالم طاری اپنے خیالات مین ڈوبے ہوئے بیٹھے رہتے،

سو برس کی عمر پائی تھی، آخر آخر مین بڑھاپے نے ان صفتون کو اور بھی ابھار دیا تھا، اسی مناسبت سے دل کی گرفتگی بھی بڑھ گئی ہوگی، مگر تم اس بات پر غور کرو کہ محمد شاہی دور کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۸) کئی سال سے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے آنریری سکریٹری ہین اور ہر کام کو دلچسپی سے انجام دیتے ہین،

۱۳۳۶ھ مین اعلیحضرت محی الملتہ والدین آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ کی نگاہ دور بین نے دولت آصفیہ دکن کی صدارت کیلئے اُن کا انتخاب فرمایا، باوجودیکہ ان کو اس عزت وجاہ کے پیدا کرنے کی حاجت نہین تھی، مگر جہانتک مجھے معلوم ہے صرف اس خیال سے کہ اس طریقہ سے مسلمانو نکو فائدہ پہنچانے کا نادر موقع ہاتھ آتا ہو اپنی صحت اور انتظام ریاست کے بگڑنے کی پروانہ کرکے اسکو قبول کر لیا، خدا سے دعا ہو کہ وہ اُنکو اتنی ہمت و قوت عطا فرمائے کہ وہ اپنی دماغی قابلیتون کے لحاظ سے دولت اسلامیہ دکن کے بہترین مشیر و وزیر ثابت ہون،

مجکو ممدوح الصدر کی خدمت مین تیس برس سے نیاز حاصل ہو، اس وجہ سے مجھکو ان کے محاسن اخلاق کے دیکھنے اور جانچنے کا کافی موقع ملا ہو اسلیے مین نے انکے انھین اوصاف کا ذکر کیا ہو جنکا خاص طور پر میرے دل پر اثر ہوا، انکی علمی خدمتین اتنی نمایان ہین کہ ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہین، وہ علمائے سلف کے مصنف ہونے کی حیثیت سے نیز سیکڑون اخلاقی اور تاریخی مضامین کے لحاظ سے جو برابر شایع ہوتے رہتے ہین ہندوستان مین کافی شہرت حاصل کر چکے ہین، اور امید ہو کہ آیندہ اس سے زیادہ حاصل کرین گے،

ایک بوڑھا وضعدار شاعر جس کی عمر کا بیشتر حصہ اُن لوگون مین بسر ہوا جن کی وضع قطع، عادات و اطوار غرضیکہ ہر چیز کی سند لیجاتی تھی، قزلباش خان امید، سراج الدین علی خان آرزو، مرزا جانجانان مظہر، خواجہ محمد ناصر عندلیب، خواجہ میر درد، مرزا رفیع سودا، اور میر محمد حسین کلیم جن مین کا ہر ایک مجموعۂ قابلیت و ہنر تھا، اُن کے ساتھ ہر وقت کی صحبت، علمی مذاکرے اور جلسون کی گرمجوشیان مگر عفت و پرہیزگاری، شرم وحیا، مروت و ہمدردی، وضعداری اور دوستی کے اگلے آئین و قوانین کے ساتھ جو ہماری قومی زندگی کی علامتین تھین، ایک کا دوسرے سے میل جول ایسا بے نظیر اور قابلِ تقلید عمل در آمد تھا، جس کی تعریف کرنے سے زبان و قلم کا حوصلہ تنگ ہے،

دیکھنے کی بات ہے کہ جب اُسی شخص پر مصیبت پڑتی ہو تو یارانِ صحبت مین سے ایک ایک کرکے کوئی پیوندِ زمین اور کوئی آوارۂ دشتِ غربت ہو جاتا ہو، اور مرہٹون کی دست برد سے ایک عالم آشوب ہنگامہ برپا ہوتا ہو، جس سے شہر مین خاک اڑنے لگتی ہو۔ اُس وقت اس کے پاے ثبات کو بھی لغزش ہوتی ہے، وہ ایسے شہر مین وارد ہوتا ہے، جہان نئے انداز، نئی تراشین، بانکے ٹیڑھے جوانون کو دیکھتا ہے، اُن کے مشغلون[۱] کو دیکھتا ہو، اُن کے جذبات وخیالات کو

---

[۱] میر صاحب کے کلیات مین ایک مثنوی ہے، جس مین لکھنؤ کی مرغ بازی کا خاکہ اڑایا ہو، یہ زمانہ نواب آصف الدولہ کا ہو، اور نواب کو مرغ بازی کا بہت شوق تھا، اسی وجہ سے گھر گھر اسی کا چرچا تھا، اور ہفتہ مین دو بار شہر مین پالیان ہوتی تھین، چند شعر اس مثنوی کے ملاحظہ ہون ان شعرون سے میر صاحب کی دلی کیفیات کا اندازہ ہو سکتا ہو، ؎

دلی سے ہم جو لکھنؤ آئے | گرم پرخاش مرغ یان پائے
جیسے منگل کو بالی کی ہو دھوم | گلیون مین روز حشر کا ہو ہجوم
مرغ بازون کو ہے قیامت جوش | جس کو دیکھو تو مرغ در آغوش

جا پہنچتا ہے، اُن کی طبیعتون کی شوخی، زبانون کی طراری، تراشون اور ایجادون کے انوکھے پن سے سابقہ پڑتا ہے، پھر تم ہی کہو کہ اس بیچارے بڈھے پرانے اتم پرانی لکیرون کے فقیر کے دل پر کیا گذرتی ہوگی، اس سے یہ بے شبہہ نہ ہوسکتا ہوگا کہ وہ جرأت اور انشا کی شوخیون اور مرزا سعادت یار خان کی جدت پسند طبیعت کی رنگینیون کو سنکر داد سخن دے، اور قہقہون کی آواز مین خود بھی آواز ملائے اسی کو بد دماغی کہہ لو یا نازک مزاجی، جس سے خود میر صاحب بھی واقف تھے، چنانچہ ایک مخمس کے مقطع مین فرماتے ہین، ؎

حالت تو یہ ہے مجکو غمون سے نہین فراغ
دل سوزشِ درونی سے جلتا ہو جون چراغ
سینہ تمام چاک ہے سارا جگر ہے داغ
ہے نام مجلسون مین مرا میر بیدماغ،

از بسکہ کم دماغی نے پایا ہے اشتہار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۰) مرغ لڑتے ہین ایک دو لاتین
سینکڑون ان سفیہون کی باتین
انی پر جھاڑے یہ پھڑکنے لگے
انی کی نوک پہ کڑا کنے لگے
وہ جو سیدھا ہوا تو یہ ہین کج
ساتھ اس کے بدلتے ہین سج دھج
مرغ کی ایک پر فشانی ہو
ان کی صد رنگ بد زبانی ہو،
ایک بولے کہ کاری آئی چوٹ
ایک کہتا ہو بس گیا اب لوٹ
جھکتے ہین آپ کو چراتے ہین
لاتین گویا کہ یہ ہی کھاتے ہین،
ایک کے منہ مین مرغ کی منقار
ایک کے لب پہ نا سزا گفتار
منہ آیا جو کچھ سو بکنے لگے،
تیکھی نظرون سے سب کو تکنے لگے
طرفہ ہنگامہ طرفہ صحبت ہے،
بعد نصف النہار رخصت ہو
کھاپنچے سر بر بغل مین مارے مرغ
لیگئے جیتے ہارے سارے مرغ

اگر جرأت و انشا کو تم خواجہ حافظ اور شیخ سعدی کا ہمرتبہ خیال کرتے ہو تو میر صاحب بے شبہہ اس بات کے گنہگار تھے کہ وہ اُن کی شوخیوں پر سر ہلانا گناہ سمجھتے تھے۔ مین کہتا ہون کہ اُن مین فضل و کمال کے ساتھ خود داری نہ ہوتی تو ان نوجوانون سے پگڑی بچانا مشکل پڑ جاتا جنمین سے ایک بھانڈون سے برابر کی چوٹ لڑ سکتا ہو، اور دوسرے کی زٹل اور فحش ہجوؤن کا ایک ایک مصرع ہزار قمچی اور چابک کا تڑاقا ہو، پھر اُن کی بھی وہی گت بنتی جو غریب مصحفی کی بن کر رہی۔[1]

[1] انشاء اللہ خان اور مصحفی مین جو چوٹین چلین وہان تک تو غنیمت تھین جس حد تک شاعری کو دخل تھا، اس کے بعد جو معرکے ہوئے اور آزاد نے نمک مرچ لگا کر بیان کئے ہین، ان کو آبحیات مین پڑھو، خلاصہ یہ کہ سید انشا نے بہت سی زٹل اور فحش ہجوین کہین، کہ جن کا ایک ایک مصرع بقول آزاد ہزار قمچی اور چابک کا طراقا تھا، بڈھا بیچارہ اپنی شیخی کی جریب اور عصائے غرور کے سہارے سے کھڑا ہو کر جتنا کر مین ہوتا تھا، مقابلہ کرتا رہا، جب نوبت حد سے گذر گئی تو اس کے شاگردون سے لکھنؤ بھرا پڑا تھا، بگڑ اور گرم سب کو لیکر اٹھ کھڑے ہوئے، جو کچھ ہو سکا شاگردی کا حق ادا کیا، ایک دن شہدون کا سوانگ بھر کے ہجو کے اشعار پڑھتے ہوئے سید انشا کی طرف روانہ ہوئے، ان کو پہلے خبر لگ گئی، اپنے یارون کو لیکر استقبال کو نکلے اور ان کو مکان پر لائے، خود دوبارہ پڑھوایا، شیرینیان کھلائین، شربت پلائے، ہار پہنائے، اور عزت و احترام سے رخصت کیا (آزاد نے کوئی شعر اس ہجو کا نقل نہین کیا یہ یاد رکھنے کی بات ہو) اب سنو سید انشا نے جو اس کا جواب حاضر کیا وہ قیامت تھا، یعنی ایک انبوہ کثیر برات کے سامان کے ساتھ ترتیب دیا، اور عجیب و غریب ہجوین تیار کر کے لوگون کو دین کچھ ڈنڈون پر پڑھتے جاتے تھے کچھ ہاتھیون پر بیٹھے تھے، ایک ہاتھ مین گڈا، ایک مین گڑیا دونون کو لڑاتے اور اشعار پڑھتے جاتے تھے جن مین کا ایک شعر یہ ہی، ؎

سوانگ نیا لایا ہو دیکھنا چرخ کہن　　لڑتے ہوئے آئے ہین مصحفی و مصحفن

مرزا علی لطف نے گلشنِ ہند مین یہ بات نئی لکھی ہو کہ جب کلکتہ مین جان گلگرسٹ صاحب کی کوشش سے حکام کو اردو زبان کی سرپرستی کا خیال ہوا، تو لکھنؤ سے بھی زبان دانون کی مانگ ہوئی تو سب سے پہلے کرنل اسکاٹ کے سامنے میر صاحب کی تقریب ہوئی، مگر پیرانہ سالی کی وجہ سے انکا انتخاب نہین ہوا، میر شیر علی افسوس ایک نوجوان شخص بھیجدیئے گئے،

میر صاحب کی تصنیفات کی تفصیل یہ ہے، کہ چھ دیوان ریختہ غزلون کے ہین، چند صفحے ہین جن مین فارسی کے عمدہ متفرق اشعار پر اردو مصرع لگاکر مثلث اور مربع کیا ہی، رباعیان مستزاد چند صفحے، پانچ قصیدے چند مخمس اور ترجیع بند، چند مخمس شکایتِ زمانہ مین، دو واسوخت، ایک ہفت بند، بہت سی مثنویان، ایک دیوان فارسی کا ہے، جس مین دو ہزار شعر ہین،

میر صاحب غزل کے بادشاہ ہین، قصیدے کے مرد میدان نہین، آزاد نے ٹھیک لکھا ہی کہ اُن کے قصیدے کم ہین، اور اسی قدر درجہ مین کم ہین، واسوخت لاجواب ہین، فارسی مین فغانی یا وحشی اردو مین میر صاحب کو واسوخت کا موجد تسلیم کیا گیا ہی،

تذکرۂ نکات الشعرا شعراے ریختہ کے حال مین ہے، فارسی مین لکھا ہی، سنہ تصنیف مجھے نہین ملا، مگر معلوم ہوتا ہی کہ احمد شاہ کے زمانہ مین لکھا ہی، اور انجمن ترقی اردو نے اُس کو چھپوا دیا ہی، میر صاحب نے سو برس کی عمر پائی اور سنہ ۱۲۲۵ھ مین فوت ہوئے، اب کوئی نہین جانتا کہ لکھنؤ مین ان کا مزار کہان پر ہی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۲) ان معرکون مین مرزا سلیمان شکوہ بلکہ اکثر امرانے سید انشا کا ساتھ دیا اور حریف کا سوانگ ایک دفعہ کو توال سے لگکر کروادیا، اس بات نے مصحفی کو بہت شکستہ خاطر کر دیا، جسکی جھلک انکے کلام مین پائی جاتی ہی ان مین سے ایک شعر یہ ہی، ؎

اے مصحفی بے لطف ہی اس شہر مین رہنا ‫ ‫ سچ ہے کہ کچھ انسان کی توقیر نہین یان،

کلام ملاحظہ ہو،

قاصد جو وان سے آیا تو شرمندہ مین ہوا   بیچارہ گریہ ناک و گریبان دریدہ تھا

صیاد ! دل ہو داغِ جدائی سے رشکِ باغ   تجھ کو بھی ہو نصیب یہ گلزار دیکھنا

لیتے ہی نام اُس کا سوتے سے چونک اٹھے   ہو خیر میر صاحب ! کچھ تم نے خواب دیکھا

ہم خستہ دل ہین تجھ سے بھی نازک مزاج تر   تیوری چڑھائی تو نے کہ یان جی نکل گیا،

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا   دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا،

یاد اُس کی اتنی خوب نہین میر باز آ   نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

چشمِ خون بستہ سے کل رات لہو پھر ٹپکا   ہم نے جانا تھا کہ بس اب تو یہ ناسور گیا،

مسجد مین امام آکے ہوا آج وہان سے   کل تک تو یہی میر خرابات نشین تھا،

الجھاؤ پڑ گیا جو ہمین اُس کے عشق مین   دل سا عزیز جان کا جنجال ہو گیا

ہم نے جانا تھا لکھے گا تو کوئی حرف اے میر
پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا،



فلک کو منہ نہین اس فتنے کا اٹھانے کا
ستم شریک ترا ناز ہے زمانے کا،



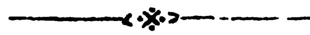
دل عشق کا ہمیشہ حریف نبرد تھا،
اب جس جگہ کہ داغ ہے یان پہلے درد تھا



علاج کرتے ہین سودائے عشق کا میرے
خلل پذیر ہوا ہو دماغ یارون کا،



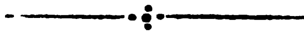
داغ فراق وحسرتِ وصل آرزوئے شوق
مین ساتھ زیر خاک بھی ہنگامہ لے گیا،



سخت کافر تھا جس نے پہلے میر
مذہبِ عشق اختیار کیا،



جہان سے فتنہ کو خالی کبھی نہین پایا
ہمارے وقت مین تو آفت زمانہ ہوا



ابتو جاتے ہین میکدہ سے میر
پھر ملین گے اگر خدا لایا



سمجھے تھے ہم تو میر کو عاشق اسی گھڑی
جب سن کے ترا نام وہ بیتاب سا ہوا



کہنے تو ہو لون کہتے یون کہتے جو وہ آتا
کہنے کی ہین سب باتین کچھ بھی نہ کہا جاتا

اتنی گذری جو مری ہجر مین سو اُسکے سبب صبر مرحوم عجب مونس تنہائی تھا،

عشق ہمارے خیال پڑا ہی خواب گیا آرام گیا جی کا جانا ٹھہر رہا ہی صبح گیا یا شام گیا

یک قطرہ خون ہوکے مژہ سے ٹپک پڑا قصہ یہ کچھ ہوا دلِ غفران پناہ کا

دل و دماغ ہے اب کس کو زندگانی کا جو کچھ کہ یان ہی سو افسوس ہی جوانی کا

میر کے دین و مذہب کو کیا پوچھتے ہوان نے تو قشقہ کھینچا دیر مین بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

کہتے ہین آگے تھا بتون مین رحم ہے خدا جانئے یہ کب کی بات ،

نظر میر نے کیسی حسرت سے کی بہت روے ہم اُسکی رخصت کے بعد

مرگ اک زندگی کا وقفہ ہے یعنی آگے چلین گے دم لیکر،

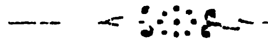
منتظر قتل کے وعدہ کا ہون اپنے یعنی جیتا مرنے کو رہا ہے یہ گنہگار ہنوز

اُس کے کوچہ مین نہ کر شورِ قیامت کا ذکر شیخ یان ایسے تو ہنگامے ہوا کرتے ہین،

چلا نہ اُٹھ کے وہین چپکے پھر تو میر، ابھی تو اس کی گلی سے پکار لایا ہون



ایک بیمارِ جدائی ہون مین آپ ہی تسپر پوچھنے والے جدا جان کو کھا جاتے ہین،



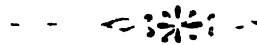
دن نہین، رات نہین صبح نہین، شام نہین، وقت ملنے کا مگر داخلِ ایام نہین



اِک وہم نہین بیش مری ہستیٔ موہوم اِس پر بھی تری خاطرِ نازک پہ گران ہون



مدعی مجکو کھڑے صاف برا کہتے ہین، چپکے تم سنتے ہو بیٹھے اسے کیا کہتے ہین



کاشکے دو دل تو ہوتے عشق مین ایک رکھتے ایک کھوتے عشق مین



جاسے ہے جی نجات کے غم مین ایسی جنت گئی جہنم مین



بیقراری جو کوئی دیکھے ہو کہتا ہے یہی کچھ تو ہی میرا کہ اک دم تجھے آرام نہین



کہتے ہو، اتحاد ہے ہم کو ہان کہو، اعتماد ہے ہم کو
نامرادانہ زیست کرتا تھا میر کی وضع یاد ہے ہم کو



کہنے سے تیرا اور بھی ہوتا ہے مضطرب سمجھاؤن کب تک اس دلِ خانہ خراب کو

ہوگا کسی دیوار کے سایے مین پڑا تیر کیا ربط محبت سے اس آرام طلب کو

یون رفتہ اور بیخود کب تک رہا کروگے تم اب بھی تیر صاحب اپنے تئین سنبھالو

خطرے بہت ہین تیر رہِ صعبِ عشق مین ایسا نہ ہو کہین کہ دل و دین کو کھو رہو

آگے تھے ابتدائے عشق مین ہم اب ہوے خاک انتہا ہے یہ

ایک محروم چلے تیر ہمین دنیا سے ورنہ عالم کو زمانہ نے دیا کیا کیا کچھ

زور و زر کچھ نہ تھا تو بارے میر کس بھروسے پہ آشنائی کی

مین جو بولا کہا کہ یہ آواز اُسی خانہ خراب کی سی ہے،

باہم سلوک تھا تو اٹھاتے تھے نرم گرم کاہے کو تیر کوئی دبے جب بگڑ گئی

گھبرا نہ تیر عشق مین اِس سہل زیست پر جب بس چلا نہ کچھ تو مرے یار مرگئے،

پہونچا تو ہوگا سمع مبارک مین حالِ میر
اِس پر بھی جی مین آئے تو دل کو لگائیے

پاسِ ناموس عشق تھا ورنہ
کتنے آنسو پلک تک آئے تھے

بہت سعی کیجے تو مر رہیے میر
بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہی،

آتے کبھی جو دان سے تو یان رہتے تھے اُداس
آخر کو میر اُس کی گلی ہی مین جا رہے

کعبہ مین جان بلب تھے ہم دوریِ بتان سے
آئے ہین پھر کے یار و اب کی خدا کے ہان سے

پیدا کہان ہین ایسے پراگندہ طبع لوگ،
افسوس تم کو میر سے صحبت نہین رہی،

مقدور تک تو ضبط کرون پر مین کیا کرون
منہ سے نکل ہی جاتی ہو اک بات پیار کی

واعظِ ناکس کی باتون پر کوئی جاتا ہو میر
آؤ میخانے چلو تم کس کی باتون پر گئے

پتھر کی چھاتی چاہئے ہے میر عشق مین
جی جاتا ہو اُس کا جو کوئی وفا کرے،

جب نام ترا لیجے تو چشم بھر آوے،
اِس زندگی کرنے کو کہان سے جگر آوے

اُس کا غضب سے نامہ نہ لکھنا تو سہل ہو لوگون کے پوچھنے کا کوئی کیا جواب دے



شرط سلیقہ ہے ہر اک امر مین عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے،



سرمہ گین آنکھین شرم آلودہ خاک مین بکھولائگی کیا یہ نگاہین نیچی نیچی اوپر اوپر جائین گی،



پھرتے ہین میر خوار کوئی پوچھتا نہین اس عاشقی مین عزتِ سادات بھی گئی



او داسیان تھین مری خانقہ مین قابلِ سیر صنم کدہ مین تو ٹک آکے دل لگا بھی ہی



خواجہ میر دردؔ علیہ الرحمہ،

زبان گفتگویش گرہ کشائے زلفِ مشام مدعا مصرع نوشتہ اش برصفحۂ کاغذ از کاکلِ سیح خوشنما طبع سخن پرداز او سرو مائل چمنستان انداز است گاہے در کوچۂ باغ تلاش بطریقِ گلگشت قدم میفرماید در چمن شعرش لفظ رنگین چمن چمن گلچین خیال او راگل معنی دامن دامن، شاعر زور آور ریختہ در کمالِ علاقگی دار ستہ خلیق متواضع آشنائے داشت شعر فارسی ہم میگوید اما بیشتر رباعی گرمی بازار وسعت مشرب اوست، ام نکات الشعراء،

اگرچہ از دستِ عسرت پریشان شدہ بطرفے رفتند لیکن آن ثابت قدم تکیہ بر توکل نمودہ قدم از جا برنداشت تا حال در شاہجہان آباد مقیم است دیوانش اگرچہ مختصر لیکن مثل کلام حافظ سراپا انتخاب، ام تذکرۂ میر حسن،

"خواجہ میر درد کی غزل سات شعر نو شعر کی ہوتی ہے، مگر انتخاب ہوتی ہے، خصوصاً چھوٹی چھوٹی بحروں میں جو اکثر غزلیں کہتے تھے، گویا تلواروں کی آبداری نشتر میں بھر دیتے ہیں خیالات اُن کے سنجیدہ اور متین تھے، کسی کی ہجو میں زبان آلودہ نہیں ہوئی، تصوف جیسا انھوں نے کہا اردو میں آج تک کسی سے نہیں ہوا، (آبِ حیات)

سید خواجہ میر نام، درد تخلص تھا، خواجہ محمد ناصر عندلیب کے خلیفۃ الرشید تھے، گیارہ واسطوں سے ان کا نسب خواجہ بہاء الدین نقشبندی اور پچیس واسطوں سے امام حسن عسکری علیہ السلام تک پہنچتا ہے، دلی میں پیدا ہوئے اور والد کے آغوشِ تربیت میں پرورش پائی، اور بائیس برس کے سن میں دنیا سے منہ موڑ کر والد کے سجادہ پر بیٹھ گئے، سلطنت کی تباہی آئے دن کی قتل و غارت کے سبب سے اکثر امراء و شرفا کے گھرانے گھر اور شہر چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے، مگر اُن کے پائے استقلال کو جنبش نہ آئی، اللہ پر توکل رکھا، اور جو سجادہ بزرگوں نے بچھایا تھا، اُس پر بیٹھے رہے،

علوم و فنون میں طاق تھے، تصوف اور موسیقی میں اچھی مہارت تھی. دلی کے بڑے بڑے باکمال گوئیے، اپنی اپنی چیزیں بنظرِ اصلاح لا کر سنایا کرتے تھے،

ہر مہینہ کی دوسری اور چوبیسویں تاریخ کو اُن کے ہاں محفلِ سماع منعقد ہوتی تھی، اس میں علماء و مشایخ اور اکثر امرا شرکت کرنا فخر سمجھتے تھے، شاہ عالم بادشاہ بھی کئی بار اس میں شریک ہوئے ہیں، ایک بار بغیر اطلاع کے چلے آئے، چونکہ پاؤں میں درد تھا ضبط نہ کر سکے، ذرا پاؤں پھیلا دیا، خواجہ صاحب اس بے ادبی کے متحمل نہ ہو سکے، فرمایا کہ یہ امر فقیر کی وابِ محفل کے خلاف ہے، بادشاہ نے عذر کیا، اور معافی چاہی، خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اگر طبیعت ناساز تھی تو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی، اس سے خواجہ صاحب کے استغنا کا

اندازہ کرو، حقیقت یہ ہی کہ وہ اپنے فضل و کمال کے ساتھ قدیم متانت اور تہذیب کی ایک مجسم تصویر تھے، ضبطِ نفس، استقلال اور قناعت اُن کی شیخت کا طرۂ افتخار تھا،

اسرار الصلوٰۃ ایک رسالہ ہی جو پندرہ برس کے سن مین لکھا ہی، واردات درد نام ایک دوسری کتاب ہی جس مین ایک سو گیارہ رسالے ہین، نالۂ درد، آہِ سرد، دردِ دل، سوزِ دل، شمعِ محفل وغیرہ اس کی شرح مین علم الکتاب جیسی کتاب تصنیف کی اگر اُن کے فضل و کمال کا صحیح اندازہ کرنا چاہو تو علم الکتاب کا مطالعہ کرو، ایک رسالہ بحثِ غنا مین لکھا ہی، ایک دیوان فارسی مین ہی، ایک ریختہ مین، میرے عزیز دوست نواب نور الحسن خان[1] مرحوم نے اپنی حسنِ عقیدت سے یہ سب کتابین چھپوا دی ہین،

[1] یادش بخیر نواب نور الحسن خان مرحوم امیر الملک والا جاہ نواب سید صدیق حسن خان بہادر کے بڑے بیٹے جمال الدین خان بہادر مدار المہام بھوپال کے نواسے، نانا کی طرح عالی حوصلہ، فیاض، سیر چشم اور اپنے والد کے مانند ذہین، ذکی، قوی الحافظہ اور سریع الادراک تھے، ۱۲ رجب ۱۲۷۸ھ کو بھوپال مین پیدا ہوئے، اپنے والد ماجد و دیگر علما و محدثین سے علوم آلیہ و عالیہ کی تحصیل کی، اور افتخار الشعرا حافظ خان محمد خان شہیر سے مشق سخن کی،

ایک مدت تک اپنے والد اور نواب شاہجہان بیگم والیۂ بھوپال کے سایۂ عاطفت مین نہایت عیش و آرام سے زندگی بسر کی، بچپن سے مزاج مین بے تعلقی اور وارستگی تھی، جمال الدین خان بہادر کے بعد نواب شاہجہان بیگم مرحومہ نے چاہا کہ ان کو مدار المہام مقرر کرین، مگر اس کو منظور نہین کیا، حقائق و معارف کے دلدادہ تھے، مطالعہ یا مذاکرہ مین صرفِ اوقات کرنے کو پسند کرتے تھے،

نواب شاہجہان بیگم کے انتقال کے بعد لکھنؤ مین آکر بود و باش اختیار کی، اور اسی بے تعلقی اور وارستگی مین زندگی بسر کر دی، اخیر زمانہ مین گوناگون امراض مین مبتلا ہو جانے خصوصاً اختلاجِ قلب اور خفقان کی وجہ سے کاوشِ فکر کی عادت جاتی رہی تھی، مگر اس پر بھی تھوڑے تامل کے بعد نہایت آبدار شعر (بقیہ حاشیہ صفحۂ آیندہ پر)

آزاد کہتے ہیں کہ میر صاحب نے اِن کو آدھا شاعر مانا ہی، میرے نزدیک میر صاحب پر یہ نرا بہتان ہی، جس کو آبحیات میں آزاد نے چمکا کر دس پانچ جگہ بیان کیا ہی، میر صاحب کی جو رائے خواجہ صاحب کے باب میں ہی، اس کو پڑھ چکے، نکات الشعرا چھپ گیا ہی، اُس کو دیکھ لو،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۱) کہہ لیتے، ذہن و ذکاء ایسے تھے کہ جب بیٹھ جاتے تو جزو دو جزو ایک جلسہ میں لکھکر اُٹھتے، زود نویسی کے ساتھ شیرین قلم بھی تھے، اور ان دونوں باتوں میں اپنے والد نامدار کی یادگار تھے، ذہن نہایت سلیم تھا، حافظہ کی یہ کیفیت تھی کہ تیس پینتیس برس پہلے حدیث شریف کی کتابیں پڑھی تھیں، مگر موقع آجاتا تو متن اور اسناد کے ساتھ زود پیش کر دیتے،

فیاضی اور سیرچشمی میں اپنے نانا کے نظیر تھے، امیر، فقیر، بچہ، بوڑھا جو آتا اُس کو کچھ دیئے بغیر نہ رہتے، اور دینا بھی وہی جو اُس کے مناسبِ حال ہو، اور دیتے بھی اس طرح سے کہ ایک ہاتھ سے دیں دوسرے کو خبر نہ ہو، انکے بچوں کو معلوم نہ تھا کہ بیوی کو کیا دیا اور بیوی کو معلوم نہ تھا کہ بیٹی کو کیا دے آئے، اسی پر باہر والوں کو قیاس کرو،

بڑی خصوصیت اُن کے دینے کی یہ تھی کہ دیتے اس طرح سے تھے کہ لینے والے کو شرمندگی ہوتی اور اسکو بغیر لئے نہ بن پڑتا، دینے کی اور کوئی تدبیر بن نہ پڑتی تو جس کسی کو کچھ دینا ہوتا، اسکی کسی شکستہ اور بوسیدہ چیز کی تعریف کرتے اور کہتے کہ یہ مجھے بہت پسند ہی، میری فلان چیز سے بدل لیجئے، وہ کہتا بدلنے کی کیا ضرورت ہی، آپ اس کو یون ہی قبول فرمائیے، تو اس کو نہ مانتے اور بدل کر چھوڑتے اور اس کو دوسرے وقت کسی اور حاجتمند کو دیدیتے،

دسترخوان وسیع تھا، اور مزیدار کھانون کے تیار کرانے کا شوق تھا، اپنے باورچی خانہ میں ہر روز طرح طرح کے کھانے پکائے جانے کا حکم دیتے، علاوہ اس کے شہر میں جہان کہین ہوشیار رکابدار آجاتا بلا کر اس سے پکواتے یا عرب و عجم سے کوئی سیاح آجاتا اس سے ترکیبیں پوچھتے اور پکانے کی فرمایش کرتے اور بے تکلف دوستون کو مدعو کرکے خود بہت کم کھاتے، مگر دوسرون کو اصرار کرکے کھلاتے،

مرنے سے تقریباً پندرہ سال پہلے مجھ سے شناسائی ہوئی اور وہ یوماً فیوماً اتنی بڑھی کہ انکو (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

خواجہ صاحب کی زبان اور طرزِ ادا وہی ہو جو میر کی ہے، قصیدے کی طرف مائل نہین ہوئے، اس واسطے کہ جس مرتبہ کے وہ آدمی تھے اس کو ہجو سے کیا نسبت غزلون کا دیوان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۳) بغیر مجھ سے ملے چین نہ آتا تھا، ہر روز ایک دو بار خود تشریف لاتے اور گھنٹون بیٹھتے اور اس فکر مین رہتے کہ مجھکو اپنے ساتھ لیجائین،

گھر مین اگر کسی کو چھینک آگئی اور اُن کو معلوم ہو گیا تو فوراً تشریف لاتے اور کہتے کہ چلئے فلان مریض کو دکھانا ہے، وہان پہنچتا تو اکثر ایسا ہوتا کہ علمی اذکار یا کھانے پینے کے شغل مین سارا وقت کٹ جاتا اور کسی مریض کے دیکھنے کی نوبت نہ آتی، اور کچھ بہانہ نہ ملتا تو حسب معمول صبح سے آکر مطب مین بیٹھ جاتے، جس وقت بھیڑ چھٹ جاتی کہتے کہ مین نے فلان کتاب نئی منگوائی ہے چلکر دیکھو یا مین نے تمھارے لئے خاص کر فلان فلان قسم کے کھانے پکوائے ہین، غرضکہ ہر روز کوئی نہ کوئی بہانہ لیجانے کا تلاش کر لیتے، مگر باوجود اس کے کہ ہر وقت یکجائی رہتی، دور باش اور ادب کا رکھ رکھاؤ اخیر وقت تک اتنا قائم رکھا جس سے زیادہ تصور مین نہین آسکتا، مین ان سے عمر مین چھوٹا اور فضیلت علمی مین کم پایہ تھا، مگر محبت کا قانون سب سے نرالا قانون ہے، خدا جانے کیون وہ میرا ادب کرتے تھے، گاڑی مین کبھی میرے پاس نہین بیٹھتے، مکان مین تکیہ سے لگ کر نہین بیٹھے، میرے سامنے کبھی ننگے سر نہین بیٹھے، کبھی لیٹے نہین کبھی بغیر سہارے بیٹھے بیٹھے تھک جاتے تو دوسرے کمرہ مین چلے جاتے، وہان تھوڑا سا آرام کر کے پھر آکر بیٹھ جاتے، مرض الموت مین بھی باوجود شدتِ تنفس کے جس وقت مین جاتا گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کرتے اور خود نہ اُٹھ سکتے تو آدمیون کو حکم دیتے، کہ وہ اٹھا کر بٹھا دین، مین نے ہرچند کوشش کی کہ اس وضعداری کو اب ترک کر دین مگر نہین مانا، صرف اس وقت لیٹے جبکہ سکرات کی حالت مین اٹھ نہ سکتے تھے، اور حیف صد ہزار حیف کہ یہ گنج خوبی ۸ محرم ۱۳۳۶ھ کو پیوند زمین ہو گیا،

مرحوم کو خواجہ میر دردؔ سے بہت عقیدت تھی، ان کی تصنیفات جہان تک مل سکین نالۂ درد، آہِ سرد، سوزِ دل، شمعِ محفل، یک مجموعہ مین علم الکتاب جو مجلد ضخیم ہے، دیوان فارسی اور مجموعہ رباعیات فارسی اپنے صرف سے ان کے والد کی کتاب نالۂ عندلیب دو جلدون مین سرکار عالیہ بھوپال سے لکھکر چھپوائین، ان کے علاوہ (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

بقول میر حسن کے مثل دیوان حافظ کے سراپا انتخاب ہے، تصوف اور اخلاق کی چاشنی کے اعتبار سے ان کا کلام میر و مرزا کے کلام سے زیادہ دلآویز ہی،

خواجہ صاحب نے ۲۴ صفر ۱۱۹۹ھ روز جمعہ کو اڑسٹھ برس کی عمر مین رحلت فرمائی، دلی مین ان کا مرقدِ منور ترکمان دروازے سے باہر زیارت گاہِ خاص و عام ہی،

ہو گیا مہمان سرائے کثرتِ موہوم آہ، وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوتخانہ تھا
وائے نادانی کہ بعد از مرگ یہ ثابت ہوا خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا،



قتلِ عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا، پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا
ذکر میرا تو وہ کرتا تھا صریحاً لیکن مین نے پوچھا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا



سینہ و دل حسرتون سے چھا گیا، بس ہجومِ یاس جی گھبرا گیا،
مین نے تو ظاہر نہ کی تھی دل کی بات پر مری نظرون کے ڈھب سے پا گیا



ان بتون نے نہ کی مسیحائی ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا



درد ہم کو یہ رات دن تیرا، نالۂ زار خوش نہین آتا،



(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۴) دیگر مصنفین کی بھی بہت سی کتابین چھپوائین، خود بھی صاحب تصنیف تھے، اردو فارسی کلام کا مجموعہ، طرازِ عشق اردو شعرا کے کلام کا بہترین مجموعہ اور مجموعہ رسائلِ تصوف بار بار چھپوا کر تقسیم کی تھین،

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا، مین چاہون اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا،

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ مین اثر، مین نے تو درگذر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

ہے کو تہی اجل کے طرف سے وگرنہ مین اک عمر سے اسیر ہون زلف دراز کا

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک اور تو یان کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

نالۂ دل کا اثر دیکھ لیا ذوق بس جی مین نہ رہجائے یہ آہ بھی کر دیکھنا

کی تھی تو تاثیر آہِ آتشین نے اُس کو بھی، جب تلک پہونچے ہی پہنچے راکھ کا یان ڈھیر تھا

پھرتی ہے میری خاک صبا دربدر لئے اے چشم اشکبار یہ کیا تجکو ہو گیا،

مثلِ نگین جو ہم سے ہوا کام رہگیا ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہگیا
یارب یہ دل ہے یا کوئی مہمان سرائے ہے غم رہگیا کبھو، کبھو آرام رہگیا
سو بار سوزِ عشق نے دی آگ پر ہنوز دل وہ کباب ہو کہ جگر خام رہگیا

دل بھی لے قدر قطرۂ خون تھا آنسوون مین کہین گرا ہو گا،

وہ دن کدھر گئے کہ ہمین بھی فراغ تھا   یعنی کبھو تو اپنے بھی دل تھا دماغ تھا،

جائیے کس واسطے اے درد میخانہ کے بیچ   اور ہی مستی ہے اپنے دل کے پیمانہ کے بیچ

صیاد اب رہائی سے کیا مجھ اسیر کو،   ہے کس کو زندگی کی توقع بہار تک

ہمارے پاس ہی کیا جو فدا کرین تجھ پر   مگر یہ زندگیٔ مستعار رکھتے ہین،

مدت تلک جہان مین ہنستے پھرا کئے   جی مین ہے خوب روئیے اب بیٹھکر کہین

جو اہل دید ہین انہین گلشن مین جا نہین   نرگس کی گو کہ آنکھین ہین پر سوجھتا نہین،

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کرین   دل ہی نہین رہا ہی کہ کچھ آرزو کرین

نزع مین تو ہون ولے تیرا گلہ کرتا نہین   دل مین ہی وہی وفا پر جی وفا کرتا نہین

نہین شکوہ مجھے کچھ بیوفائی کا تری ہرگز   گلہ تب ہوا اگر تو نے کسی سے بھی نباہی ہو

کیا فرق داغ و گل مین اگر گل مین بو نہو   کس کام کا وہ دل ہی کہ جس دل مین تو نہو

اپنے بندہ پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو ‌ ‌ ‌ ‌ پر نہ آ جائے کہین جی مین کہ آزاد کرو
نہ کہین عیش تمھارا بھی منغص ہو جائے ‌ ‌ ‌ ‌ دوستو درد کو محفل مین نہ تم یاد کرو



اہلِ فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے ‌ ‌ ‌ ‌ لوحِ مزار بھی مری چھاتی کا سنگ ہی



خدا جانے کیا ہوگا انجام اس کا ‌ ‌ ‌ ‌ مین بے صبر اتنا ہون وہ تندخو ہی



کس لئے آئے تھے اور کیا کر چلے ‌ ‌ ‌ ‌ تہمت چند اپنے ذمہ دھر چلے،
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے، ‌ ‌ ‌ ‌ ہم تو اس جینے کے ہاتھون مر چلے
شمع کے مانند ہم اس بزم مین، ‌ ‌ ‌ ‌ چشم تر آئے تھے دامن تر چلے،
ساقیا اب لگ رہا ہی چل چلاؤ ‌ ‌ ‌ ‌ جب تلک بس چل سکے ساغر چلے،



اگلے معانقے کو اگر کیجیے معاف ‌ ‌ ‌ ‌ لگ جایئے گلے سے مکافات کے لئے



اس طرح سے یک لخت جو آنسو نہین تھمتے ‌ ‌ ‌ ‌ معلوم ہوا درد کہین آنکھ لڑی ہے،



تیری گلی مین، مین نہ چلون اور صبا چلے ‌ ‌ ‌ ‌ یون ہی خدا جو چاہے تو بندہ کی کیا چلے



روندے ہے مثل نقش قدم خلق یان مجھے ‌ ‌ ‌ ‌ اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہان مجھے،

دل بھلا ایسے کو اے دردؔ نہ دیجے کیونکر
ایک تو یار رہو اور نپہ طرحدار بھی ہو

سلطنت پر نہین ہے کچھ موقوف
جس کے ہاتھ آئے جام سو جم ہے،

رباعی

اے دردؔ یہ درد جی کا کھونا معلوم
جون لالہ جگر سے داغ دھونا معلوم
گلزار جہان ہزار پھولے لیکن
میرے دل کا شگفتہ ہونا معلوم



سید محمد میر سوزؔ

"میر تخلص جو ان نے است بسیار اہل خوش طبع ہر چند طرز علٰحدہ دارد لیکن از خود کردن تخلص من نصف دلم از و خوش است" ا ہ نکات الشعرا،

"بسیار نازک طبع از دو در ریختہ نکتہ سنج مردے عجیب بہت و شخصی غریب مو جد طرز علٰحدہ، شعر را باد اے نادر کہ دست و چشم بلکہ تمام اعضا در حرکت می آیند می خواند و مردمانِ نا فہم را متوجہ جانب خود دیگر دانند" ا ہ طبقات الشعرا،

"در عہد خود از جملہ ادا بندان ممتاز طرز ادائیہ ملک اوست و خواندن اشعارش از زبان او نیکو از خواندنش چنان خوب می نماید کہ در گفتن نمی آید" ا ہ تذکرہ میر حسن،

سید محمد میر نام، سوزؔ تخلص میر ضیاء الدین کے بیٹے اور قطب عالم گجراتی کی اولاد مین تھے، دہلی مین پیدا ہوئے، وہین نشو و نما ہوا، تعجب ہے کہ گلشنِ بیخار مین ان کو لکھنوی لکھا ہے، ایک طرح سے یہ بھی سچ ہے کہ یہ لکھنؤ مین آکر پیوندِ خاک ہوئے ہین،

خط شفیعہ اور نستعلیق خوب لکھتے تھے شہسواری اور تیراندازی میں بھی خوب ماہر تھے، ورزش کرتے تھے، اور طاقت خداداد ایسی تھی کہ ہر ایک اُن کی کمان کو چڑھا نہ سکتا تھا، شعر و سخن کا شوق بچپنے سے تھا، پہلے تیر تخلص کرتے تھے، جب میر تقی میر کی شہرت نے تیر کو اپنے لئے مخصوص کرلیا تو انھون نے سوز اختیار کیا،

آزاد نے آبحیات مین لکھا ہی کہ میر صاحب نے ان کو پاؤ شاعر مانا ہی، ایک خود، ایک مرزا رفیع سودا، آدھے خواجہ میر درد، پاؤ میر سوز، یہ آزاد کی صرف بذلہ سنجی ہی، خواجہ میر درد کے حال مین اس کو مین لکھ چکا ہون،

ہان اس مین شبہہ نہین کہ میر سوز کی شاعری کو اُس زمانہ کے شعرا خاطر مین نہ لاتے تھے، میر صاحب کا قول دیکھو، ہرچند طرز علحدہ دارد، میر حسن کی بھی سنو وہ کیا کہتے ہین، از خوانندش چنان خوب می نماید کہ در گفتن نمی آید، شیفتہ نے کھل کر کہدیا ہی، کلامش از جادہ مستقیمہ شعرا برکران مگر انصاف یہ ہے کہ آزاد کی راے اس مین بے لاگ ہی، وہ کہتے ہین کہ میر سوز کی زبان عجب میٹھی زبان ہی، اور حقیقت مین غزل کی جان ہی، ان کی انشا پردازی کا حسن تکلف اور صنائع مصنوعی سے بالکل پاک ہی، البتہ غزل مین دو تین شعر کے بعد ایک آدھ پرانا لفظ ضرور کھٹک جاتا ہی،

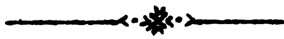
شاہ عالم کے زمانہ مین جب دلی پر تباہی آئی تو میر سوز بھی گھبرا گئے، سیدھے فرخ آباد گئے اور نواب مہربان خان رند کی سرکار مین کچھ دنون زندگی بسر کی، اس کے بعد لکھنؤ آئے مگر رنگ نہین جما، مرشد آباد گئے، وہان بھی قسمت نے یاوری نہ کی، پھر لکھنؤ واپس آئے اب کی تقدیر جگی نواب آصف الدولہ اِن کے شاگرد ہو گئے، چندروز آرام سے نہ گذری تھی کہ ۱۲۱۳ھ مین ستر برس جی کر دنیا سے گذر گئے،

اہلِ ایمان سوز کو کہتے ہین کافر ہو گیا آہ یارب رازِ دل اُن پر بھی ظاہر ہو گیا

تڑپتی کیون ہے اے بلبل کمال اتنا تو پیدا کر
کہ تیرا اشک جس جا گر پڑے گلزار ہو پیدا



قتل سے یہ یگنہ راضی ہو اپنے اس لئے،
ہاتھ مین اک روز تو دامانِ قاتل ہوئیگا،



کعبہ ہی کا قصد یہ گمراہ کرے گا
جو تم سے بتو ہو گا سو اللہ کرے گا،



سوزؔ کیون آیا عدم کو چھوڑ کر دنیا مین تو
وہان تجھے کیا کمی تھی یہان تجکو کیا درکار تھا



یہ سب باتین ہین قاصد یار میرے گھر نہین آتا
نہ دیکھون جب تلک آنکھون سے کچھ باور نہین آتا



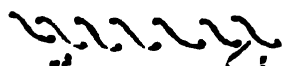
کہتا نہ تھا مین اے دل اس کام سے تو باز آ
دیکھا مزا نہ تو نے نادان عاشقی کا،



بغیر از عاشقی کچھ کام مجھ سے ہو نہین سکتا
تڑپنے کے سوا آرام مجھ سے ہو نہین سکتا



اور تو بس نہین چلتا ہے رقیبون کا مگر
سوزؔ کے نام کو لکھ لکھ کے جلا دیتے ہین



لوگ کہتے ہین مجھے یہ شخص ہی عاشق کہین
عاشقی معلوم لیکن دل تو بے آرام ہے



سر زانو پہ ہو اس کے اور جان نکل جائے
مرنا تو مسلّم ہے ارمان نکل جائے

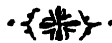
منہ دیکھو آئینہ کا تری تاب لا سکے
خورشید پہلے آنکھ تو تجھ سے ملا سکے



اشک خون آنکھون مین آکر جم گئے،
دور کے بھی دیکھنے سے ہم گئے،



ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی



جون خضر ہوس عمر ابد کی نہین مجکو
اُس دم کی تمنا ہی جو تجھ پاس گذر جائے



پرکار کی روش پھرے ہم جتنے چل سکا
اس گردشِ فلک سے نہ باہر نکل سکے

شیخ قیام الدّین قائمؔ

"بسیار آدم با مزہ و اہل درد، متواضع خلیق، مہذب صورت، پاکیزہ سیرت، خوش مقال، ودر سخنوری باکمال، از خوش خیالانِ زمان و بلند فطرتانِ جہان فکر رسا وارد و در نازک خیالی و معنی یابی دادِ سخنوری می دہد" از طبقات الشعرا،

"در پختگیِ کلام و چستی مصراع غزل در و یہ قصیدہ و مثنوی وغیرہ موافق رواج زمانہ دوش بدوش استاد راہ میرفت، بلکہ در بعضے مقام رجحان میجست" از تذکرہ مصحفی

قیام الدّین علی نام تھا، قائمؔ تخلص، چاندپور ضلع بجنور کے رہنے والے تھے، مگر ملازمت کے تعلق سے زندگی کا بیشتر حصہ دلی مین بسر ہوا، توپخانہ مین اسامی تھی، تحصیلِ علم کا حال معلوم نہین، مگر اس قدر استعداد ضرور تھی، کہ اپنی انشا پردازی مین خلل نہین آنے دیتے اور

جوہر اس زمانہ کے شریف خاندانیون کے لئے عام تھا،

دلی اس زمانہ مین آج کی ایسی دلی نہ تھی، خواجہ میر درد، مرزا رفیع سودا، میر محمد تقی میر، سید محمد میر اثر، حکیم ہدایۃ اللہ وغیرہ جیسے ارباب کمال کا جمگھٹا تھا، اور شاعری کا ہنگامہ گرم تھا، ان کو بھی شعر وسخن کا شوق پیدا ہوا، خواجہ میر درد کی خدمت مین آنے جانے لگے، چند روز ان سے فیض یاب ہوکر مرزا رفیع سودا کے شاگرد ہو گئے، اور ایسی مشق بہم پہنچائی کہ ان کے طرز ادا کو دیکھکر سودا کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے،

دلی کی تباہی کے بعد وطن واپس آئے اور کچھ دنون نواب محمد یار خان[1] کے ساتھ ٹانڈہ مین زندگی بسر کی، جب اُن کا بھی کام بگڑا تو رامپور چلے گئے، اور احمد یار خان پسر نواب فیض اللہ خان نے اُن کی تنخواہ مقرر کردی. کچھ دنون اسی پر قناعت کی، جب تنگ حالی سے زیادہ

[1] نواب محمد یار خان امیر تخلص نواب علی محمد خان مورث نوابان رامپور کے چوتھے بیٹے اور نواب فیض اللہ خان رئیس رامپور کے بھائی تھے، اوند کے قریب ٹانڈہ ایک بستی ہے، وہان بود و باش تھی، شعر وسخن اور سیر و شکار کا شوق تھا، میر سوز اور مرزا رفیع سودا کو فرخ آباد بلایا تھا وہ نہین آئے تو شیخ قیام الدین قائم کو بلاکر سو روپیہ ماہوار ان کے کردیئے اور ان سے مشق سخن کی، شیخ غلام ہمدانی مصحفی، قدوی لاہوری، میر محمد نعیم پروانہ، علی شاہ، میان حسرت، حکیم کبر علی سنبھلی، وغیرہ شعرا بھی ملازم تھے، اور رات دن شعر وسخن کا چرچا رہتا تھا، ان کے حکم سے عاقل خان مصور نے ایک مرقع تیار کیا تھا، جس مین نواب اور ان کے حاشیہ نشین شاعرون کی تصویرین بنائی تھین،

مرہٹہ گردی مین یہ تمام لوگ بنات النعش کی طرح منتشر ہو گئے اور نواب کو فیض اللہ خان آکر رامپور لے گئے. اور پچاس ہزار سالانہ ان کی جیب خاص کے لئے مقرر کردیا، ۱۱۸۸ھ مین وفات پائی،

بیٹھے بٹھائے کو چۂ قاتل مین لے گیا یارب برا ہو اس دل خانہ خراب کا

ساقی گزک کی کچھ نہین حاجت شراب دے ہم دل جلون مین آپ مزا ہو کباب کا

گر وقت ذبح نالہ کیا مین نے کیا ہوا پیارے کسی کا ہاتھ، کسی کی زبان چلے

پریشان ہوئے تو لکھنؤ آئے اور مہاراجہ تکیت رائے کا شقہ اپنے وطن کے عامل کے نام لے گئے، تو مئے
اور ملکیتین جو ضبط ہو چکی تھین اُن کو پھر بحال کرایا،

اس کے بعد پھر رامپور چلے گئے اور وہین سنہ ۱۲۱۰ھ مین انتقال کر گئے،

قسمت کو دیکھئے کہ کہان ٹوٹی جا کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

غیر سے ملنا تمہارا سن کے گو ہم چپ رہے
پر سنا ہو گا کہ تم کو اک جہان نے کیا کہا

معاملہ ہے یہ دل کا اسے کہے گا کون
پیامبر کے ہمین ساتھ آپ جانا تھا

لے گیا خاک مین ہمراہ دل اپنے قائم
شاید اس جنس کا یان کوئی خریدار نہ تھا

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا آپ ہی تجھ سے مین اور آپ ہی من گیا

قائم ضرور کیا ہے اب اُس جنگجو سے صلح
مدت ہوئی کہ جان سے مین ہاتھ دھو چکا

طوفان گریہ کی ہے اے حد عمر نوح
دریا نہین کہ آج چڑھا کل اتر گیا

درد دل کچھ کہا نہین جاتا
آہ چپ بھی رہا نہین جاتا

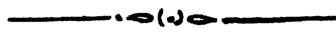
ہر دم آنے سے مین بھی ہون نادم　　کیا کرون پر رہا نہین جاتا ،



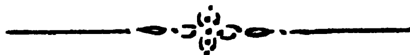
جلوہ ہر رنگ مین ہو اُس بت ہرجائی کا　　یہ پریشان نظری جرم ہے بینائی کا



قائم آتا ہی مجھے رحم جوانی پہ تری ،　　مرچکے ہین اسی آزار مین بیمار بہت ،



کچھ طرفہ مرض ہو زندگی بھی　　اِس سے جو کوئی جیا تو مر کر



تم کو کیا قدر ہے اے دیدہ مرے رونے کی　　ایک بوند آئی ہے سو خونِ جگر سے باہر



جو سوزِ عشق کا چرچا وہان نہین قائم ،　　تو کیا مین جاؤنگا دینے بہشت مین آتش



مے کی توبہ کو تو مدت ہوئی قائم لیکن　　بے طلب اب بھی جو مِلجائے تو انکار نہین



مجھ سا جہان مین کوئی بھی آشفتہ سر نہین　　ہو یون تو زلفِ یار بھی پر اس قدر نہین



تنگ تو ہم کو اے حبیب کرے ہے لیکن　　اٹھ گیا ہاتھ گر اپنا تو پھر اک تار نہین



آگے مرے نہ غیر سے گو تم نے بات کی　　سرکار کی تو نظرون کو پہچانتا ہون مین

جور سپہر دوری یاران و روئے غیر، جو کچھ نہ دیکھنا تھا سو اب دیکھتا ہون مین

ایک مدت سے یہان وہ تو موا پھرتا تھا، آج تم مرنے کا عاشق کے عجب کرتے ہو،

تھا بد و نیک جہان سے مین عدم مین آزاد آہ کس خواب سے ہستی نے جگایا مجکو،

اس حسنِ نیرنگ کے صدقے کہ جس کے بیچ ہلکی سی ایک شوخی کی تہ ہو حیا کے ساتھ

دامان گل تئین ہے کہان دسترس مجھے تکلیف سیر باغ نہ کرائے ہوس مجھے

بعد خط آنے کے تھا اُس سے وفا کا احتمال لیک وان تک عمر نے اپنے وفاداری نکی

دنیا مین ہم رہے تو کئی دن پر اس طرح دشمن کے گھر مین جیسے کوئی میہمان رہے

خدا نہ کردہ اوسے غیر سے نہین سروکار تھی ایک بات ہمارے ہی یہ جلانے کی

کسی بلا مین پھنسے قید ہوئے جان سے جائے پر آدمی کو خدا تجھ پہ مبتلا نہ کرے
بتون کی دید کو جاتا ہون دیر مین قائم مجھے کچھ اور ارادہ نہین خدا نہ کرے،

شیخ جی آیا نہ مسجد مین وہ کافر ورنہ ہم پوچھتے تم سے کہ اب وہ پارسائی کیا ہوئی

دل ڈھونڈھ نیا سینہ مین مرے بوا بھی ہو اک ڈھیر ہو یان راکھ کا اور آگ دبی ہو

گو ہم سے تم ملے نہ تو کچھ ہم نہ مر گئے، کہنے کو بات رہ گئی اور دن گذر گئے،

پھرے زمانہ جہان تک ہی ہم سے یا نہ پھرے کسی کے پھرنے نہ پھرنے سے کیا خدا نہ پھرے

مرجائیے کسی سے پر الفت نہ کیجئے جی دیجئے تو دیجئے پر دل نہ دیجئے
فلک جو دے تو خدائی بھی اب نہ لے قائم وہ دن گئے کہ ارادہ تھا بادشاہی کا
تا بفلک نالہ تو پہونچا تھا رات مین ہی بچھ اللہ کا ڈر کر گیا،

انعام اللہ خان یقین

"جوانے بود خوش رو و خوشگو، خوش خلق و قابل منظور نظر و تربیت کردۂ مرزا مظہر موصوف دسعین عنفوان جوانی پدرش نسبت بعصرے کہ از یقین بوقوع آمدہ باشد کشت یقین است کہ منفور تش شدہ باشد" ۱ھ طبقات الشعرا

"بے افراق ریختہ گوئی بر طاق بلند گذاشتہ و تخم معنی در زمین سخن کاشتہ و انچہ از طبعش سرزدہ از فرط شیوع و حسن قبول در تمام ہندوستان بر افواہ و السنہ جاری است" ۱ھ تذکرہ فتح علی شاہ،

"در دورۂ ایہام گویان اول کسے کہ ریختہ را شستہ و رفتہ گفتہ این جوان بود بعد ازان تتبعش بدیگران رسیدہ چنانچہ خودمی گوید،

حق کو یقین یار و بر باد مت دو آخر طرز سخن کے اس کے تم نے اڑائیان ہین، (تذکرۂ مصحفی)

انعام اللہ خان نام تھا، یقین تخلص، نواب اظہر الدین خان کے بیٹے، حضرت شیخ عبد الاحد سرہندی کے پرپوتے اور جناب مرزا مظہر کے شاگرد رشید تھے، معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کلام کے زور میں وہ دوسروں کو خاطر میں نہ لاتے تھے، میر صاحب ان سے بہت خفا ہیں نکات الشعرا میں لکھتے ہیں :۔

"القصہ پر دو پیچ چند کہ یافتہ است کہ ما و شما نیز توانیم یافت این قدر برخود چیدہ است کہ رعونت فرعون پشت دست بر زمین میگذارد بعد ملاقات این قدر معلوم شد کہ ذائقہ سخن فہمی مطلق ندارد"

میر صاحب کی زبردستی دیکھو، یقین کا دیوان اُن کی سخن گوئی کی زندہ شہادت ہے ایسے سخن گو کی سخن فہمی کا انکار کرنا میر صاحب کی زبان سے اچھا نہیں لگتا، اس سے بھی زیادہ ستم ظریفی یہ ہے کہ اُن کے معاصرین میں سے کچھ لوگ سرے سے یقین کے کلام کو مرزا صاحب کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یقین کو شعر کہنا ہی نہیں آتا تھا، محمد حسین کلیم نے اس شعر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے،

یقین کے شعروں پہ ہیں بدگمان بعضے کہ اسکے نہیں   غلط ہے ہم نے بوجھا ہے گا مرزا جان جاناں کو

مگر میر صاحب نے باوجود ناراضی کے اس سے انکار کیا ہے وہ فرماتے ہیں :۔

" مردمان می گفتند کہ مرزا مظہر او را شو گفتہ می دہد و وارث شعرہاے ریختہ خود گردانیدہ از قبول کردن این معنیش بندہ را خندہ می آید کہ ہمہ چیز لوارث میرسد الا شعر، مثلاً کسے کہ بر شعر پدر خود یا بر مضمون او متصرف شود ہمہ کس او را دزد خواہند گفت تا بشعر استاد چہ رسد"

مصحفی کے تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۵ برس کے سن میں یقین کا کام تمام ہوگیا، اگر جیتے رہتے تو میر ہوں یا مرزا ہوں کسی کا چراغ اُن کے سامنے نہیں جل سکتا تھا،

کلام ملاحظہ ہو

ہر گھڑی صحرا نشینی پر نکر جرأت یقین ، آگئی تھی راس مجنون کو بیابان کی ہوا

اتنا کوئی جہان مین کبھی بے وفا نہ ہو ملتی ہو تیری مجھ سے یہ دل آشنا نہ تھا

جو کچھ کہین یہ تجھکو یقین ہو سزا تری بندہ جو تو بتون کا ہوا کیا خدا نہ تھا .

تری الفت سے مرنا خوش نہین آتا مجھے ورنہ یہ ایسا کار آسان اسقدر دشوار کیون ہوتا

خفیف مجھ سے الجھ کر عبث ہوا واعظ کہ مین تو مست تھا اس کو بھی کیا شعور نہ تھا

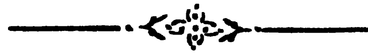
فصلِ گل بھی آن پہنچی دیکھیے کیا ہو یقین اب کی چلتا ہو جنون پر جی ہمارا بے طرح

بہار آخر ہوئی ہو اب تو سینے دے گریبان کو یقین کرتا ہو کوئی اسقدر دیوانہ پن بس کر

ناصح سے مجکو غم نے کیا شرمسار حیف سو بار پھٹ چکا یہ گریبان ہزار حیف .

کعبہ سے ہم گئے نہ گیا بر بتون کا عشق اس درد کی خدا کے بھی گھر مین دوا نہین

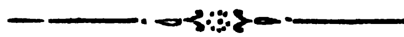
یہ سینہ عشق سے محروم درد داغ نہین ہزار شکر کہ یہ ملک بے چراغ نہین،



یقین مارا گیا جرم محبت پر زہے طالع شہادت اس کو کہتے ہین سعادت اسکو کہتے ہین



فکر مرنے کی مرہم واسطے مت کر ناصح خوب ہوتا نہین اس عشق کا ناسور کبھو،



روداد محبت کی مت پوچھ یقین مجھ سے کچھ خوب نہین سننا افسون ہے یہ افسانہ



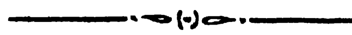
اگرچہ عشق مین آفت ہے اور بلا بھی ہے۔ نرا برا نہین یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے،



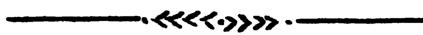
جور و جفا مین یار بہت ہو گیا دلیر کرنے کو کی یہ راس نہ آئی وفا مجھے



عشق مین ملتی نہین راحت مگر جون کوہکن جانِ شیرین دیجئے تب خواب شیرین کیجئے



اگر زنجیر میرے پیر مین ڈالی تو کیا ہو گا بہار آنے دو میرے ہاتھ ہو اور یہ گریبان ہو



یقین کے واقعے کی سن خبر وہ بدگمان بولا یہ دیوانہ تو ایسا تو نہ تھا بیمار کیا کیئے،



نظر آتا نہین ثابت گریبان ایک غنچے کا چمن پر یہ ستم کرتا ہے اے بادِ صبا کو ئی

شب ہجران کی وحشت کو تو اے بیداد کیا جانے　　جو دن پڑتے ہین اُ تون کو مجھے تیری بلا جانے



گریبان چاک کرنے سے کسی کے کیا تجھے ناصح　　ہمارے ہاتھ جانین اور ہمارا پیرہن جانے



خدا ہی مفت مر کر یار کیون دیجئے رقیبون کو　　ہماری ہم سے پوچھو کوہکن کی کوہکن جانے



مفت کب آزاد کرتی ہو گرفتاری مجھے　　جی ہی لیکر چھوڑیگی آخر یہ بیماری مجھے



یقین جاتا رہا گر بلبلون کیساتھ جانے دو　　کوئی اس بے مروت دل کو اپنے پاس کیا رکھے



پڑین پتھر الٰہی اس محبت پر کہ وہ بیکس　　مرے فرہاد اور پرویز شیرین کو اٹھا لائے



یقین ہوا مجھے قطرہ سے اشک کے معلوم　　نہ اٹھ سکے کوئی جو آنکھ سے گرا ہووے



حق مجھے باطل آشنا نہ کرے　　مین بتون سے پھرون خدا نہ کرے



خواجہ احسن اللہ بیان،

شاعر عذب البیان از خوشگویان زمان خواجہ احسن اللہ المتخلص بہ بیان از تلامذۂ مرزا مظہر جانجانان مولدش شاہجہان آباد احوال معلوم نیست کہ کجا است ذریح نامہ از ومشہور است

بسیار خوب گفتہ رباعیات دلپذیر وارد" امہ تذکرہ میر حسن"

خواجہ احسن اللہ نام، بیان تخلص، اصلی وطن اکبرآباد تھا، دلی مین پیدا ہوئے۔ اور مرزا مظہر جانجانان علیہ الرحمہ کے آغوشِ تربیت مین ان کی شاعری نے ترقی کی، مولانا فخرالدین دہلوی کے مرید تھے، آخر عمر مین حیدرآباد گئے، اور نواب آصفجاہ ثانی کی سرکار مین عزت سے زندگی بسر کی،

خوش خلق، پاکیزہ سیرت، ظریف طبع اور لطیف مزاج تھے، دوستون سے خندہ پیشانی کیساتھ ملتے اور جو ایک بار اُن سے ملتا وہ ہمیشہ اُن سے ملنے کا متمنی رہتا،

۱۲۱۳ھ مین وفات پائی، اور حیدرآباد مین مدفون ہوئے۔ ان کے شاگرد رائے گلاب چند ہمدم نے تاریخ کہی" استاد از جہان رفت"

ان کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ مین موجود ہے، اور ہندوستان مین بھی کہین کہین پایا جاتا ہے،

ان کے کلام کے دیکھنے اور پرانے پرانے تذکرہ نویسون کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب اصولِ شاعری سے باخبر، خوش گو، تیز طبع اور مشاق سخنور تھے، اِن کے کلام مین نمکینی اور رنگینی ایسے غضب کی ہے، کہ شعر کو پڑھکر دل تڑپ جاتا ہے، وور از قیاس استعارون اور پیچیدہ بندشون سے کلام پاک وصاف ہے اور سادگی مین بھی اس کا انداز ایسا ہے جس پر ہزارون بناوٹین قربان کردی جائین۔

کب تلک اس کی شکایت ہو نہ لب سے آشنا
ایک بیگانہ ہے مجھ سے اور سب سے آشنا

کوئی کسی کا بیان آشنا نہین دیکھا — سوائے اسکے ان آنکھون نے کیا نہین دیکھا

کیون آج سماتا نہین سینہ مین خوشی سے — پہنچا ہی مگر دل! تجھے پیغام کسی کا

خانمان کچھ ہم بھی رکھتے تھے کبھو لیکن بیآن — اب یہی در ہے، یہی گھر خانۂ الفت خراب

تو بزم سے اٹھا تو ہوئی تلخ مے کشی ، — مین سچ کہون شراب کو سمجھا حرام آج

کہتا نہین مین عرش پر اے نالہ جا پہنچ — کانون تلک تو اس کے تو اے نارسا پہنچ

ہمارا ضعفِ بصارت ہی مانعِ دیدار — وگرنہ سامنے آنکھون کے یار ہی موجود

عرش تک جاتی تھی اب لب تک بھی آسکتی نہین — رحم آتا ہی بیآن اب مجھکو اپنی آہ پر

ہم سرگذشت کیا کہین اپنی کہ مثلِ خار — پامال ہوگئے ترے دامن سے چھوٹ کر

صاف منہ پر مین نہین کہتا کہ ہوگا اُس کے پاس — ورنہ کیا واقف نہین مین دل ہی میرا جس کے پاس

جانے دے مجکو اے ہوس سیرِ گلستان — اب اِس چمن سے اپنے غم آباد کی طرف

شیرین! گذر نہ کیجیو فرہاد کی طرف ہووے گا ذوق حسرت دیدار مین خلل

کہ سینے سے آتی نہین لب تلک ہوئی آہ اب اس قدر نار سا

مرے دل مین خدائی کا بھی خطرہ ہو تو کافر ہون تمنا بادشاہی کی کسی سفلہ کو ہووے گی

اک مختصری جا ہو مین ہون اور تو ہو کافر ہو جس کے دل مین، کچھ اور آرزو ہو

اُسے کہتے ہین جیتا جو کوئی یان نقد جان ہارے تمارِ عشق کی بازی بھی کچھ دنیا سے باہر ہے

آتا ہے اوس کی بزم مین بار دگر مجھے رسوا ابھی سے کرتی ہے اے چشم تر مجھے
پھر لیچلا ہے یہ دلِ وحشی ادھر مجھے آیا ہون اُس گلی سے ابھی دم نہین لیا

جس طرح کٹا روز گذر جائیگی شب بھی مت آئیو اے وعدہ فراموش تو اب بھی
نالان ہی یہان مین نے تو دیکھا تجھے جب بھی اب ہجر مین کہتا ہے کہ تھا وصل مین آرام

اگر گردون دون آسودہ زیر خاک رہنے دے ہزارون قصر جنت کے برابر مین سمجھتا ہون
اگر آلودگی دنیا کی اس کو پاک رہنے دے فرشتون کی عبادت کا مصلیٰ ہے مراد امن

شبِ فراق کی دہشت سے جان جاتی ہو یہی ہے صبح سے دھڑکا کہ رات آتی ہے

جاتا ہے یار کچھ تو بیاں منہ سے بول لے اے بے نصیب مانعِ گفتار کون ہے

خدا تجھے مرے آغوش سے جدا نہ کرے یہ بات کہتے ہی دھڑکے ہے دل خدا نہ کرے

کیجیے عرض حال گو کچھ ہو، نہیں رہتی زبان پر آئی،

کیا ہوا عرش پر گیا نالہ دل میں اس شوخ کے تو راہ نہ کی

میر محمد باقر حزیںؔ

"میر محمد باقر حزیںؔ تخلص شاعر ریختہ است صاحب دیوان از نصیریان مرزا جانجاناں مظہر شنیدہ می شود کہ بہ بنگالہ رفت" ام نکات الشعراء

"طبع رسا و فکرے والا داشت و در ملک سخنوری علم شاہی می افراشت، غنچۂ استعدادش از نسیم انفاسِ مرزا مظہر شگفتہ" ام تذکرۂ فتح علی شاہ،

میر محمد باقر نام تھا، حزیںؔ تخلص، دہلی کے رہنے والے، اور جناب مرزا مظہر علیہ الرحمہ کے شاگردوں میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، مرزا صاحب کو بھی ان سے بیحد لطف تھا، دیوان میں جہاں کہیں استاد کا ذکر کرتے ہیں، اُس سے اُن کے اخلاص و عقیدت اور مرزا صاحب کے لطف و کرم کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں، سہ

جس طرح جی چاہتا ہو ہو نہین سکتی حزین حضرت استاد یعنی شاہ مظہر کی ثنا،

ایک اور موقع پر فرماتے ہین،

اے حزین شکر کہ ہے مصحف ارباب جنون فیض سے حضرت استاد کے دیوان میرا

افسوس ہو کہ مصائب روزگار سے تنگ آکر انھین آخر کار دلی چھوڑنا پڑا،

عظیم آباد پہنچے، وہان نواب صولت جنگ نے ان کی قدردانی کی، اور انھین کی سرکار مین فراغت کے ساتھ زندگی بسر کی، اب تک کسی تذکرے مین ان کا سنہ وفات میری نظر سے نہین گذرا، دیوان ان کا کہین کہین پایا جاتا ہو، جس مین قصائد اور غزلین ردیف وار موجود ہین،

غزلون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہو کہ طبیعت معنی یاب و فکر رنگین رکھتے تھے، اور سوز و گداز کی چاشنی اس مین کسی سے کم نہین،

خوب سوجھا ہو مزا عشق مین رسوائی کا معتقد دل سے ہون اس دل کی مین دانائی کا

یہ کہکر باغ سے رخصت ہوئی بلبل کہ یا قسمت لکھا تھا یون کہ فصل گل مین چھوڑین آشیان اپنا

گوارا ہو گیا دل پر ہمارے جور یار آخر ہمین رنج و الم سے ہو گئی صحبت برآر آخر

نہ ہولے باغبان بلبل کو مانع گل کے ملنے سے نہین رہنے کی گلشن مین بہار آخر سدا ہرگز

آتی ہے نو بہار دھڑکتا ہے دل کہ ہائے پھر شور و شر کریگا یہ خانہ خراب دل

فصلِ گل آخر ہوئی کیا دیکھ ہونگے شاد ہم　　کچھ کرا ے صیاد اب ہونگے نہین آزاد ہم

بیوفائی دیکھکر اِن خوش نگاہون کی حزین　　اب کسی سے اس طرح ملنے کو میرا دل نہین

آرزو مین عشق کی ہوتی نہ دیکھین سر براہ　　کوہکن بھی سر پٹک کر مر رہا آخر وہین،

جس دن سے مین سنا ہو کہ آخر ہوئی بہار　　اس دن سے چھوٹنے کی مجھے کچھ ہوس نہین
ویران ہوا خزان سے چمن یان تلک کہ اب　　چاہین کہ جل مرین تو کہین خار و خس نہین

نہ وصل مین اوسے راحت نہ ہجر مین آرام　　کسی طرح سے حزین دل کے تئین قرار نہین

کچھ کہا شاید اس نے قاصد سے،　　دل پہ میرے وہ اضطراب نہین

حال اے قاصد مرا جو کچھ کہ تو جاتا ہو دیکھ　　اس طرح سے اُس سے مت کہیو کہ وہ محجوب ہو

بکھ سکے ہجر مین کچھ وصل مین گریان گذرے　　کیا مری عمر کے اوقات پریشان گذرے

ہر نصیحت مین تری مانو نگا اے ناصح پر ایک　　دلبرون کے دیکھنے مین دل مرا ناچار ہو

مین چاہتا ہون عشق چھپاؤن پہ کیا کرون   رسوا کرے ہی خلق مین یہ چشم تر مجھے،

راحت مین دل کے ہاتھ نپاؤن گا ایکدم   جبتک کہ میرے ساتھ یہ خانہ خراب ہے

حزین مین درد دل کا کس طرح ظاہر کرون اسسے   مجھے کہتا ہی تیری بات مجکو خوش نہین آتی

وفا میری اگر جور وجفا تجکو نہ سکھلاتی   تو کیا آرام سے یہ زندگانی ہائے کٹ جاتی

حکیم ہدایۃ اللہ خان ہدآیت،

"ہدایت تخلص از دہلی است ریختہ را بطرز میگوید از یاران خواجہ میر است اگرچہ در ظاہر بعجز وانکسار پیش می آید اما کیت خامہ او در عرصہ میدان سخن بال بستہ راہ میرود" اھ نکات الشعرا،

"مشاق قدیم معاصر وہم طرح محمد قائم شریک دون میر و مرزا شاگرد بلکہ مرید خواجہ میر درد نور اللہ مرقدہٗ شخصے است بسیار حلیم وسلیم شعر را بسیار بفصاحت میگوید عمرش از شصت متجاوز خواہد بود، صاحب دیوان است" اھ تذکرۂ مصحفی،

ہدایت اللہ نام ہدایت تخلص تھا، خواجہ میر درد کے فیضان صحبت سے دل کو روشن کیا اور شعر وسخن کی مشق بھی انھین سے کی، طبابت مین نام برآوردہ تھے، میر قدرۃ اللہ خان قاسم ان کے شاگرد رشید تھے، ۱۲۱۵ھ مین واصل بحق ہوئے، علاوہ دیوان ریختہ کے بقول مرزا لطف ایک مثنوی بنارس کی تعریف مین بہت خوب لکھی ہی،

نہ رحم اُس کے ہے جی مین نہ دل مین اپنے صبر   ہماری گذرے گی کیونکر آلہی کیا ہوگا

دیکھ اوس کی چشم مست کو دل تو بہک گیا | بس میری جان وہی پیالون مین چھلک گیا
دیکھا نہین ہی ہم نے ہدایت کو اندنون | شاید کسی جگہ پہ دل اس کا اٹک گیا

ہے آدمی کو بھی قید حیات اک زندان | کسی نے خوب کہا ہی موا سو چھوٹ گیا

آیا ہون تنگ کشمکش دام زلف مین | یارو مین کس بلا مین گرفتار ہو گیا
بوسہ طلب کیا تھا فقط اور کچھ نہین | مین اتنی بات کہہ کے گنہگار ہو گیا

اک دن بھی مہربان نہ وہ بے وفا ہوا | اے آہ و نالہ سحری تم کو کیا ہوا

کوئی پھرا نہ ملک عدم سے تو اب تلک | پایا جہان کسو نے کچھ آرام رہ گیا

رہا مرتے مرتے مجھے غم اسی کا | نہین بعد میرے کوئی بیکسی کا
کیا تیغ قاتل نے جب کام اپنا | مین منہ دیکھتا رہ گیا بیکسی کا

کس دل جلے کی خاک سے گذرے چمن مین آج | دیکھا عرق فشان مین نسیم بہار کو

تجھ بن تو چاہتا نہین جی سیر باغ کو | لگتی ہی ٹھیس نکہت گل سے دماغ کو

تم نہ فریاد کسی کی، نہ فغان سنتے ہو　　اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جہان سنتے ہو

کرتا نہین ہے جانے کو دل کوے یار سے　　گو اس مین جی رہے نہ رہے ہم تو یان رہے

کیا کہون مین کہ ترے ہجر مین کیونکر گذرے　　وہی جانے ہو مری جان کہ جس پر گذرے

دن جو گذرا تو مجھے روز قیامت سے دراز　　رات گذری تو شبِ ہجر سے بدتر گذری

میر محمد بیدار

"قریب چہاردہ سال شدہ باشد کہ فقیر اورا در لباس درویشی در شاہجہان آباد دیدہ بود، طبع دردمند داشت، باریک وسخنی بزیور علم وحیا آراستہ معلوم نیست کہ الحال کجا است،"

ا ہ تذکرۂ میر حسن،

میر محمد علی نام بیدار تخلص، مگر شہرت میر محمدی کے نام سے ہوئی، دلی وطن تھا، وہین نشوونما بھی ہوا، مرتضی قلی بیگ فراق سے فارسی، اور حضرت خواجہ میر درد سے اردو مین مشق سخن کی، پھر مولینا فخرالدین دہلوی کے فیضانِ صحبت سے بہرہ ور ہوئے، اور طریقۂ چشتیہ کے اذکار و اشغال کی ورزش کرنے کے بعد خرقۂ خلافت پہنا، جب تک دلی مین رہے، عرب سرا مین قیام تھا، ہر روز اپنے پیر و مرشد کی خدمت مین آتے جاتے تھے، آخر عمر مین دلی سے آگرہ چلے گئے، اور وہین کٹرہ دندان فیل مین سکونت اختیار کر لی، دو دیوان یادگار چھوڑ کر ۱۲۰۹ھ؁ ۱۷۹۴ء؁ مین وفات پائی، اور آگرہ مین مدفون ہوئے، میر و مرزا کے ہمعصر تھے، جب اُنھون

نے رعایت لفظی کے ناپسندیدہ رنگ کو ترک کیا تو بیدار نے بھی اسمین کوشش کی اور صفائی کیساتھ تصوف کا رنگ بقدر مناسب شامل کرکے اپنے طرز کلام کو علٰحدہ کرلیا، اُنکے اشعار دلآویزی کے باعث ابتک لوگونکی بازبانون چڑھے ہوئے ہین ع

قبول خاطر و لطف سخن خدا داد است

واہ واے دلبر کج فہم یون ہی چاہئے، ہم سے ہو نا آشنا غیرون سے ہو نا آشنا



تیرے رخسار و قد و چشم کے ہین عاشق زار گل جدا، سرو جدا، نرگس بیمار جدا،



کس کس کا دل نہ شاد کیا تو نے اے فلک اک مین ہی غمزدہ ہون کہ ناشاد رہ گیا،
بیدار راہ عشق کسی سے نہ طے ہوئی، صحرا مین قیس کوہ مین فرہاد رہ گیا



کرو ہون شاد دل اپنا ترے تصور سے اگر یہ شغل نہ ہوتا تو کیا کیا ہوتا،



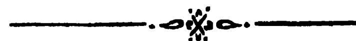
اے شانہ کھولیو گرہ زلف دیکھکر دل سیکڑون ہین اس مین گرفتار دیکھنا



چھوڑکر کوئے بتان جاتا ہی تو کعبے کو جلد پھریو تجھے بیدار خدا کو سونپا،



ہم خاک بھی ہوگئے پر اب تک دل سے نہ ترے غبار نکلا،



ہم پہ سو ظلم و ستم کیجئے گا، ایک ملنے کو نہ کم کیجئے گا،

دامن کو ترے نہ پہونچے اب تک　　　ہر چند غبار ہو گئے ہم



نے پر پرواز ہے بیدار نے فصلِ بہار　　　کس توقع پر قفس سے ہووین اب آزاد ہم



یہ بھی کوئی وضع ہے آنے کی جو آتے ہو تم　　　ایک دم آئے نہین گذرا کہ پھر جاتے ہو تم



صورت اسکی سما گئی دل مین　　　آہ کیا آن بھا گئی دل مین



ہم تری خاطرِ نازک سے حذر کرتے ہین　　　ورنہ یہ نالے تو پتھر مین اثر کرتے ہین،



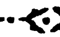
شکوۂ کم نگہی آنکھون سے اُس کی نہ کرو　　　گفتگو خوب نہین مردم بیمار کے ساتھ



اب تک مرے احوال سے وان بیخبری ہے　　　اے نالۂ جان سوز یہ کیا بے اثری ہے



کس باغ سے آتی ہے بتا مجکو کہ یہ آج　　　کچھ اور ہی بو تجھ مین نسیم سحری ہے



ربط جو چاہئے بیدار سو اوس سے معلوم　　　مگر اتنا کہ ملاقات چلی جاتی ہے،



مردم چشم سے پوچھ اے مہ تابان تجھ بن　　　کون سی شب نہین گذری مجھے روتے روتے

کس کے آگے میں کروں چاک گریباں کہو
جو ترے ہاتھ سے ناصح مرا داماں چھوٹے



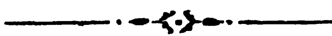
جام و مینا و مے و مطرب و ساقی ہمراہ
اس سرانجام سے بیدار کہاں جاتا ہے



بیدار کیونکر آتشِ دل رشک سے بجھے
ظاہر کی آگ ہووے تو پانی بجھا سکے



نے میکدہ سے کام نہ مطلب حرم سے تھا
محوِ خیالِ یار رہے ہم جہاں رہے،



میر قدرۃ اللہ قدرت

"مردیست از متوسلانِ میر شمس الدین فقیر درویش وضع خلیق طبع، رتبہ قدرش رفیع و شیوۂ معانیش بدیع سمندِ نطقش در میدانِ فارسی و ہندی چالاک و چست و تصویر بے نظیر معانیش در استخوان بندی الفاظ درست بندہ وے را یک بار در مشاعرۂ لکھنؤ دیدہ ام"
از تذکرہ میر حسن"

میر قدرۃ اللہ نام قدرت تخلص میر شمس الدین فقیر کے عزیز قریب اور شاگرد رشید تھے، دلی وطن تھا، اُس کی تباہی کے بعد چندے اِدھر اُدھر پھرے، آخر کار مرشد آباد میں سکونت اختیار کرلی، وہاں کے امرا و شرفا نے اعزاز و اکرام سے ان کا خیر مقدم کیا، اور بہت فارغ البالی سے زندگی بسر کی،

میر تقی میر شاید ان سے ناخوش ہیں فرماتے ہیں "او عاجز سخن است لیکن برائے خاطر میر عارف کہ از یاران درست فقیر است نوشتہ شد" اس کے بعد ایک شعر ان کا نکات الشعرا میں

درج کیا ہی، ممکن ہو کہ قدرت کا بہترین کلام میرصاحب تک نہ پہنچا ہو، یا اُن کی کسی بات پر چڑھ گئے ہون، اور اُن کو یارانِ بزم مین شریک کرنا پسند نہ کرتے ہون، قدرت کے قادر الکلام ہونے مین کچھ شک نہین، ایسے شخص کو عاجز سخن کہنا میرصاحب کی زبردستی ہی، قدرت نے غالباً ۱۲۰۰؁ھ مین وفات پائی اور مرشد آباد مین مدفون ہوئے،

کچھ دیر ہوئی اشک نہین آنکھون سے گرتے ۔ شاید تہِ مژگان کوئی لختِ جگر آیا



جب مسیحا دشمنِ جان ہو تو کب ہو زندگی ۔ کون رہ بتلا سکے جب خضر بہکانے لگا



مجکو غفلت نے خبر ایام فرصت کی نہ دی ۔ آہ جب جاتے رہے دن تب مین پچھتانے لگا



اوپر سے زخم گرچہ ہرے ہو چلے ولے ۔ ناسور تھا جگر مین سو ناسور رہ گیا،



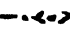
یہ دلِ شوریدہ جب سے ساتھ ہی زیرِ زمین ۔ شورِ محشر ہی رہا قدرت کی مشتِ خاک پر



شائستۂ دنیا نہ سزاوار ہون دین کا ۔ اے وائے مین قدرت نہ اِدھر ہون نہ اُدھر ہون



زخم پر زخم لگے تب ہو تسلی دل کی ۔ حوصلے پر مرے اک زخم کچھ افزود نہین



تو بھی کم ابر بہاری سے نہین اے چشم تر ۔ کر دے اب رشکِ چمن خونِ جگر سے آستین

تو کیا سامان پوچھے ہو کہ تجھ بن کیونکہ گذرے ہو
یہ سر ہی اور زانو آستین اور چشم پر خون ہو

حسرت اے صبح چمن ہم سے چمن چھوٹے ہو
مژدہ اے شام غریبی کہ وطن چھوٹے ہو

سینہ اُس کا ہو دل اُس کا ہو جگر اسکا ہے
تیر بیداد جدھر رُخ کرے گھر اس کا ہے

قطعہ

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
کیا ہی ملک روم و کیا ہی سرزمین طوس ہو
سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے
چل دکھاؤں تو کہ قید آز کا محبوس ہو
لے گئی ایکبارگی گورِ غریبان کی طرف
جس جگہ جانِ تمنا سو طرح مایوس ہو
مرقدین دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے
یہ سکندر ہے، یہ دارا ہو، یہ کیکاؤس ہو
پوچھ تو ان سے کہ جاہ و تمکنت دنیا سے آج
کچھ بھی ان کے ہاتھ غیر از حسرت و افسوس ہو
کل تو قدرت پائے خم رکھتے تھے تسبیح ریا
آج رہنِ جام ہے پھر خرقۂ سالوس ہو

میر ضیاء الدّین ضیا

"ضیا تخلص متوطن دہلی جوانے است مہذب مودب متواضع با فقیر ربطے بسیار دارد"

(نکات الشعرا)

"شعر ہر درد ش بر جگر عاشقان نشتر زارے است و برائے سوختگان عشق شرارے اکثر غزلی

در زمین سنگلاخ گفتن والفاظ نامعقول المقبول ساختن کار او ست" (تذکرۂ میر حسن)

ضیاالدین: نام تھا، ضیا تخلص، دلی کے رہنے والے، اور مرزا رفیع سودا کے ہمعصر تھے، مگر معلوم نہین مشق کس سے کی تھی،

دلی کی تباہی کے بعد یہ فیض آباد چلے آئے تھے، کچھ دنون وہان رہے، اور کچھ دنون لکھنؤ مین، اس کے بعد عظیم آباد پٹنہ مین جاکر بیٹھ رہے، گوشۂ عزلت کے دلدادہ تھے آشنا پرست دردمند رنج و راحت مین ہمیشہ خوش رہتے، اصناف سخن مین سے غزل کو پسند کیا تھا، قصیدہ اور مثنوی کی طرف طبیعت نہین مائل ہوئی، سنگلاخ زمینون مین غزل کہنے کا شوق تھا جس مین شعر کا سرسبز کرنا ہر کسی کا کام نہین،

عظیم آباد مین راجہ شتاب رائے کا بیٹا انکی ضروریات زندگی کا متکفل رہا وہ ان سے مشق سخن بھی کرتا تھا، سنہ وفات کا پتہ نہین چلا،

کل کی رسوائی تجھے کیا کم نہ تھی اے ننگ خلق ۔۔۔ اوس کے کوچہ مین ضیا تو آج پھر جانے لگا

برس اے ابر جتنا چاہے تو اب تیری باری ہو ۔۔۔ کبھی دل تھا تو مین بھی رو رو اک دریا بہاتا تھا

رو دین ہم بزمون کو کیا اپنے دنون کے پھیر ہین ۔۔۔ شمع محفل تھے جو کل سو راکھ کے اب ڈھیر ہین

رسوائیون کی اپنی مجھے کچھ ہوس نہین ۔۔۔ ناصح یہ کیا کرون کہ مرا دل پہ بس نہین

آہستہ پانؤن رکھیو اے بوے گل زمین پر ۔۔۔ سوتے ہین اس زمین مین نازک دماغ کتنے

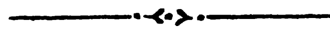
کسی دشمن کی بھی یارب نہ گذرے شب جدائی کی — کہ جیسے اوس سے میرے وصل کا یہ دن گذرتا ہی



رازِ دل ہین پوچھتے اور بولنے دیتے نہین — بات منہ پر آرہی ہے اور لب ہلانا منع ہی



اے آہ بچ نکل نہ کہین دل تھلک پڑے — یہ جام بھر رہا ہی بہادا چھلک پڑے،



کون سے زخم کا کھلا ٹانکا، — آج پھر دل مین درد ہوتا ہے،



رُباعی

کیا عیش ونشاط وشادمانی کرتے — کیا ناز ونیاز جاودانی کرتے

گر یار کہے مین اپنے ہوتا تو ہم — کیا خوب طرح سے زندگانی کرتے



دوسرا دور

متوسطین شعرائے اردو کا

سید محمد میر اثرؔ

"درویشے است موقر صاحب سخنے است موثر عالم و فاضل رتبۂ قدرش بغایت بلند و گوہر صدرش نہایت ارجمند در خدمت برادر بزرگوار خود گوشہ نشینی اختیار کردہ و قدم بر جادۂ بزرگان خود نہادہ بسر می برد" اھ تذکرہ میر حسن،

دیوان قلیل الحجم دارد ملاحظہ شد بعض خیالات ایشان تصوفی غایت درمندانہ و دلپذیر و مطبوع واقع شدہ مثنوی ایشان شہرت تمام دارد کہ بنائے آن بر محاورہ است اھ گلشن بیخار

سید محمد میر نام تھا، اثر تخلص، خواجہ محمد ناصر عندلیب کے بیٹے تھے، اور خواجہ میر دردؔ کے چھوٹے بھائی، بڑے بھائی کے دامنِ تربیت مین پرورش پائی تھی، اور انھین کے نقشِ قدم پر چلتے تھے، علوم و فنون اساتذۂ دہلی سے حاصل کئے تھے، تصوف، موسیقی، حساب، اور دیگر فنون ریاضیہ مین ان کا جواب نہ تھا،

فنون ریاضیہ کی تعلیم خواجہ احمد دہلوی سے پائی تھی، جو مرزا خیر اللہ مہندس کے شاگرد تھے یہ وہی مرزا خیر اللہ ہین جن کے اہتمام سے دلی مین محمد شاہی رصد قائم ہوئی تھی، اور زیج محمد شاہی کے مصنف ہونے کی حیثیت سے وہ دنیا مین کافی شہرت رکھتے ہین،

میر اثر نے اپنے بڑے بھائی خواجہ میر درد کے بعد آبائی سجادہ کو زینت بخشی، اور مدت دراز تک اپنے ظاہری و باطنی کمالوں سے لوگوں کو فیضیاب کرتے رہے۔ تقویٰ، توکل، زہد و قناعت مین یہ کسی طرح اپنے باپ اور بھائی سے پیچھے نہین رہے۔ تصوف و شاعری مین جو رنگ بڑے بھائی کا ہے وہی ان کا بھی ہے،

تصنیفات مین ایک دیوان غزلون کا ہی ایک مثنوی جو اپنے رنگ کی اردو مین پہلی مثنوی ہی اس کا نام خواب و خیال رکھا ہی، کہا جاتا ہی کہ نواب مرزا شوق نے زہر عشق، بہار عشق وغیرہ مثنویون مین اسی مثنوی کا تتبع کیا ہو۔ افسوس ہو کہ یہ مثنوی میری نظر سے نہین گذری، مرزا لطف نے کچھ اشعار اس کے اپنے تذکرے مین نقل کئے ہین، مگر صحیح اندازہ کسی مثنوی کے حسن و قبح کا اسوقت تک نہین ہوسکتا جب تک کہ اس کی ایک پوری داستان پیش نظر نہ ہو، خواجہ محمد میر کی تاریخ وفات مجھے نہین ملی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۵۰ھ سے پہلے انھون نے رحلت کی ہو،

منتخب اشعار

میرے تئین تو کام نہ تھا کچھ بتون سے آہ ، پر دل کے ساتھ مفت مین بد نام ہو گیا
دیکھین گے اُس کی سنگدلی کو ہم اے اثر گر کوئی نالہ ہم سے سرانجام ہو گیا

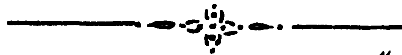
اُس سنگدل کے دل مین تو نالے نے جا نہ کی کیا فائدہ جو اور کے جی مین اثر کیا

بے وفا تیری کچھ نہین تقصیر مجکو میری وفا ہی راس نہین
تو ہی بہتر ہے ہم سے آئینہ ہم تو اتنے بھی رو شناس نہین

یون خدا کی خدائی برحق ہے　　　پر اثر کی تو ہم کو آس نہین



عاشقی اور عشق کی باتین　　　سب جہان سے آثر کے ساتھ گئین



مر تو چلے کہان تلک اب درگذر کرین　　　یا ہم نہین اس آہ مین یا آسمان نہین



جی مین ہے از سر نو جور ترے یاد کرین　　　تو سنے یا نہ سنے نالہ و فریاد کرین
ہم اسیرون کی اُسے چاہئے خاطرداری　　　اور الٹے نہ کہ ہم خاطرِ صیاد کرین



یان تغافل مین اپنا کام ہوا　　　تیرے نزدیک یہ جفا ہی نہین



کر دیا کچھ سے کچھ ترے غم نے　　　اب جو دیکھا تو وہ اثر ہی نہین



وہی مین ہون وہی اثرِ دل ہے　　　اب خدا جانے کیا ہوا مجھکو



ہر دم فزون ہین کجرویان روزگار کی　　　کچھ سیکھتا چلا ہے روش میرے یار کی



غرض آئینہ داریٔ دل سے　　　تیرا جلوہ تجھے دکھانا ہے



اور تو کوئی نہین وام و قفس دامنگیر　　تنگ آیا ہون بہت دل کی گرفتاری سے



دوست ہوتا جو وہ تو کیا ہوتا　　دشمنی پر تو پیار آتا ہے،



آپ ہی نہ جل بیٹھے نہ کچھ اس دل مین آہ کی　　اس پر کہین گے آہ کہ ہم نے بھی آہ کی



چھپ چھپ کے دیکھنے کے مزے سب یہ لے اثر　　معلوم ہون گے جو کبھی اُس نے نگاہ کی



کبھی دوستی ہی کبھی دشمنی　　قری کون سی بات پر جائیے



ہین حیرت ہی آپ ہی تجھکو دیوین کیا جواب اسکا　　کہ تجھ بن اب تلک کس طرح ہم نے زندگانی کی



آپ مین کہنے لگون سو ہی کہان میری مجال　　پوچھے تو احوال میرا ایسی تجکو کیا پڑی،



کب کب گلی مین تیرے ہم بے قرار آئے　　سو بار جی نے چاہا تب ایک بار آئے
ہر چند جی پہ ٹھہری پھر ہم ادہر نہ آئین　　آخر نہ رہ سکے ہم بے اختیار آئے



تیرے کوچہ مین دوبارہ خوب ہم ہو کر چلے　　ڈھونڈھنے کو دل کے آئے جان بھی کھو کر چلے



کلیجہ پک گیا مین کیا کہون اس دل کے ہاتھون سے ہمیشہ کچھ نہ کچھ اس مین خیالِ خام رہتا ہے،

شیخ بقاء اللہ بقا

جوان سراپا خلق وظریف مزاج وقانع وش طبع رخش بطرف تجویز مائل افتادہ در شاہجہان

آباد بمیر ودر لکھنو بامرزا رفیع سرگہ گیری ہا کردہ وقت طبع خود را ظاہر نمود ا ہ تذکرہ مصحفی،

در مراتب نظم طبیعے شگفتہ ورنگین وطرزے بامزہ وشیرین داشتہ گوک بقند پارسی ہم کام وزبان

را حلاوت آگین نمودہ بپارسی شاگرد مرزا فاخر مکین ودر ریختہ از تلامذۂ شاہ حاتم وخواجہ میر درد

نوشتہ اند، اہ گلشن بیخار،

بقاء اللہ نام، بقا تخلص، حافظ لطف اللہ خوشنویس کے بیٹے اور اکبر آباد کے رہنے والے

تھے، دلی مین پیدا ہوئے، اور لکھنؤ مین جا بسے، اسی وجہ سے ان کا وطن بعضون نے لکھنو کو قرار دیا ہے،

طبیعت فن شعر کے لئے بہت مناسب تھی، فارسی مین مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے، اور

غمگین تخلص کرتے تھے، جب ریختہ کی طرف طبیعت مائل ہوئی تو شاہ حاتم کی خدمت مین پہنچے

اور شاہ صاحب کے ارشاد سے بقا تخلص اختیار کیا، شاہ حاتم نے ان کو اپنے شاگردون مین

شمار کیا ہی، اور فتح علی شاہ چشتی نے اپنے تذکرہ مین خود انھین کی زبانی نقل کیا ہی کہ وہ خواجہ

میر درد علیہ الرحمہ کے شاگرد تھے، ممکن ہے کہ دونون سے مشقِ سخن کی ہو، میر وسودا، دونون

کو خاطر مین نہ لاتے تھے، دلی مین میر صاحب سے اُلجھے اور لکھنؤ مین سودا سے،

بقا کا شعر ہے،

سیلاب سے آنکھون کے رہتے ہین خرابے مین ٹکڑے جو مرے دل کے بستے ہین دوآبے مین

میر صاحب نے خدا جانے سنکر کہا یا توارد ہوا، ع

وے دن گئے کہ آنکھین دریا سے بہتیان تھین — سوکھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ دوآبہ

اِس پر بگڑ کر بقا نے یہ قطعہ کہا، ؎

میر نے گر ترا مضمون دوآبہ کا لیا — اے بقا تو بھی دعا دے جو دعا دینی ہو

یا خدا میر کی آنکھون کو دوآبہ کردے — اور بینی کا یہ عالم ہو کہ تربینی ہو

ایک اور موقع پر کہا ہی، ؎

پگڑی اپنی سنبھالیے گا میر، — اور بستی نہین یہ دلّی ہے،

ایک اور موقع پر فرماتے ہین، ؎

میر و مرزا کی شعر خوانی نے — بسکہ عالم مین دھوم ڈالی تھی

کھول دیوان دونون صاحب کے — اے بقا ہم نے جب زیارت کی

کچھ نہ پایا سوائے اس کے سخن — اک تو تو کہے ہے اک ہے ہے،

بقا نے زندگی بہت بے مزہ گذاری، افلاس سے تنگ آکر کسی کی رہنمائی سے تسخیر کواکب کے اعمال شروع کئے تھے، اُس نے سودائی بنا دیا، جب ہر طرف سے مایوس ہوے تو ۱۲۰۶ھ مین عتبات عالیات کی زیارت کو چلے، راستہ مین موت نے اس ارمان کو بھی نکلنے نہ دیا،

ہم نفس کوئی نہ دیکھا بیکسی مین اے بقا — آشنا صورت مگر معنی مین وہ بیگانہ تھا

———:———

یار کو پہنچی خبر نالۂ تنہائی کی — مدعی کون کھڑا تھا پسِ دیوار لگا

———:———

ساقی کو دو نوید، بہار آئی باغ مین — سودے نے پھر خلل سا کیا ہی دماغ "

اے عشق تو ہر چند مرا دشمنِ جان ہو — مرنے کو نہین نام کا اپنے مین بقا ہون



دیکھیے منصب مجنون پہ یہ لیلیٰ صفتان — خاک مین ہم کو ملا کس کو سرافراز کرین،



تو نے اس طرح سے اے چرخ گرایا ہم کو — کہ موے پر بھی کسی نے نہ اٹھایا ہم کو



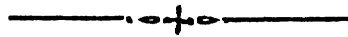
پنہان ہی بھلا ہے خونِ عاشق — جانے دو اب اس پہ خاک ڈالو



تیرے بیمار کو کیا ہووے شفا جس کے طبیب — نہ تو کچھ درد کو پہنچے نہ دوا ہی جانے،



ناتوان ہم ہوئے اتنے کہ تری محفل تک — ڈر سے آتے ہوئے سو بار چلے بیٹھ گئے،



رہروان کہتے ہین جس کو جرسِ محمل ہی — محنتِ راہ سے نالان وہ ہمارا دل ہی
موج سے بیش نہین ہستی وہمی کی نمود — صفحۂ دہر پہ گویا یہ خطِ باطل ہے
کچھ تعلق نہین اس راہ مین جون ریگِ روان — جس جگہ بیٹھ گئے اپنی وہی منزل ہے
آستین حشر کے دن خون سے تر ہو جسکی — یہ یقین جانیو اوس کو کہ مرا قاتل ہے



یہ رخِ یار نہین زلفِ پریشان کے تلے — ہے نہان صبحِ وطن شامِ غریبان کے تلے
کیا کرون سینہ جو ناصح سے چھپائے نہ پھرون — داغ سے داغ ہین کچھ میرے گریبان کے تلے

نہین ملنے کی بقا ہم کو بجز کنج مزار
جاے آسودگی اس گنبدِ گردان کے تلے

تہی کف آئے تھے ہم عدم سے چلے یہان سے تو دست خالی
نہ توشہ وان سے یہان تھا آیا نہ ساتھ یان سے درم اٹھائے

بقا جو راہی ہے سوے عدم کے تو دو قدم ہرگز کر نہ دم کا
یہ راہ ہستی کی پر خطر ہے چلو یہان سے قدم ہٹائے

مرزا جعفر علی حسرت

جوان خوش خلق و حلیم و سلیم واقع شدہ از مدت مدید مشق سخن میکند شاگردان بسیار بہم رسانیدہ
فقیر او را در مشاعرۂ لکھنؤ دیدہ در قصیدہ و غزل ید طولی دارد اھ تذکرہ مصحفی۔

جعفر علی نام، حسرت تخلص، ابو الخیر عطار کے بیٹے، جن کی عطاری کی دوکان لکھنؤ مین اکبری دروازے کے پاس تھی،

تحصیلِ علمی کا حال معلوم نہین، غالبًا رواجِ زمانہ کے موافق فارسی کی درسی کتابین پڑھی ہون گی، شعر و سخن سے خداداد مناسبت تھی، رائے سرب سنگھ دیوانہ سے مشق سخن کی مگر آخیر مین اُن سے منحرف ہو گئے تھے،

جب تلک والد زندہ رہے شاعری کی بدولت امرا اور شاہزادون کی مصاحبت مین مزے سے زندگی بسر کی، پہلے مرزا حسن علی خان بہادر کی سرکار سے تعلق رہا، اس کے بعد صاحب عالم مرزا جہاندار شاہ کی مصاحبت مین رہے، جب والد کا انتقال ہوا تو ترک ملازمت کر کے اُن کی دوکان پر بیٹھ گئے، مگر عطاری کرتے ہوئے زیادہ زمانہ نہین گذرا تھا کہ کسی درویش کی صحبت مین ترک لباس کر کے گوشہ نشین ہو گئے،

تصنیفات مین ایک کلیات ہے جسمین ساقی نامہ، مثنوی، واسوخت، ترجیع بند

ترکیب بند، مسدس، مخمس، قصیدے، رباعیان، اور دو دیوان غزلون کے ہین، غرضکہ اصناف سخن مین سے ہر قسم کے نمونے اس مین پائے جاتے ہین،

حسرت کے کلام مین ترکیبون کی موزونیت الفاظ کی برجستگی، اور خیالات کی سادگی ان کے پیشرو شعرا کی طرح بہت نمایان ہی، یہ صحیح ہے کہ سارا کلام اُن کا ایک طرح کا نہین ہی؛ تاہم آزاد کی اس رائے سے مجھے اتفاق نہین کہ اُن کے دیوان مین پھیکے شربت کا مزہ آتا ہے،

حسرت کا خاص انداز یہ بھی ہی کہ وہ اکثر غزل کو قطعہ پر ختم کرتے ہین، اور کبھی پوری غزل ایک ہی مضمون پر لکھتے ہین،

ان کو جس قدر شاگرد نصیب ہوئے بہت کم شاعرون کو ملے ہونگے، میر حسن اپنے تذکرہ مین فرماتے ہین کہ "کثرت شاگردانش چنانست کہ در صورت شناسی خود ہم حیرانست" ان سب شاگردون مین شیخ قلندر بخش جرأت، نواب محبت خان، خواجہ حسن، بہت نامور شاعر ہوئے ہین، حسرت نے سنہ ۱۲۰۱ھ مین وفات پائی، اور لکھنؤ مین مدفون ہوئے،

دل مین سو بات تھی پر اُس نے جو پوچھا احوال ۔۔۔ مجھ سے کچھ دردِ دل اظہار ہوا کچھ نہ ہوا
ساری ہستی کے بکھیڑے ہین وگرنہ دمِ مرگ ۔۔۔ کچھ سرانجام بھی درکار ہوا کچھ نہ ہوا
کاش کے عشق جتاتا مین نہ اسکو حسرت ۔۔۔ میری صورت سے وہ بیزار ہوا کچھ نہ ہوا

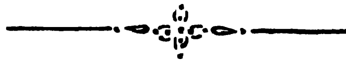


خدا حافظ ہے کیون محفل مین اُسکا نام آیا تھا ۔۔۔ تڑپنے سے ابھی دل کو مرے آرام آیا تھا
بہارین ہم کو بھولین یاد ہے اتنا کہ گلشن مین ۔۔۔ گریبان چاک کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا

روتے ہی اوسکو گذرے ہی ہجر مین تیرے رات دن　　حال مین کیا بیان کرون حسرت بیقرار کا



ایک سے ایک اِس زمانے مین ہی اوس سے خوب تر　　کوئی خوش آتا نہین میری نظر کو کیا ہوا



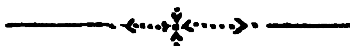
آشیان چھوڑ چلے اے چمن آرا ہم تو　　تو ہی لیجا یئو سر پر یہ گلستان اٹھا



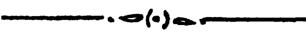
کیا مجال اسکی کہان تو اور کہان میرا اغیار　　لگ چلا دامن سے تیرے مہربانی کے سبب



مانند گل کرون مین گریبان کو چاک چاک　　آتا ہی میرے دل مین یہی بار بار جوش



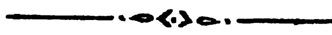
کل کب تھے ہم سے خوش کہ نہین ہو تم آج خوش　　ہم نے تو ایک دن بھی نہ پایا مزاج خوش،



سخت بیدردی ہی بیدردون سے کہنا درد دل　　منت مرہم نہ لیجے کھینچئے ایذاے داغ



کسے منظور تھا یون تلخ کیجے زندگانی کو　　ولے کیا کیجئے حسرت بلاے ناگہانی کو
بصد خون جگر یک قطرہ مژگان تک پہنچتا ہی　　نہ دے برباد یئے چشم اشک ارغوانی کو



تصور نے ترے ظالم یہان تک تفرقہ ڈالا　　کہ ملنا ہو گیا دشوار اب مژگان سے مژگان کو



ہوئے ہین اس قدر آفت زدے ہم تواب ہم ہین　　نہ کیفیت ہو ہنسنے کی نہ کچھ لذت ہو رونے کی



کس کا ہو جگر جس پہ یہ بیداد کروگے　　لو ہم تمھین دل دیتے ہین کیا یاد کروگے



مثالِ نقشِ قدم یان سے اٹھ نہین سکتے　　تری گلی مین نہ جانا بھلا تھا جانے سے



تمھین غیرون سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کب خالی　　چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی



گر کہے تورات تو دن کو کہون مین رات ہو　　کفر کچھ اس مین نہین یہ دل ملے کی بات ہو



یہ بھی اک ستم تھا کہ خواب مین مجھے اپنی شکل دکھا گئے　　کبھی نیند برسون مین آئی تھی سو اسیطرح سے جگا گئے



اب تو یہ دل اک بتِ ناآشنا کے ہاتھ ہو　　اوس کے ہاتھون چھوٹنا اس کا خدا کے ہاتھ ہو



شیخ غلام ہمدانی مصحفی

از آغازِ شباب بمقتضاے موزونیِ طبع معروفِ تحصیلِ علم بود، چنانچہ بفیضِ صحبتِ بزرگان اول تکمیلِ نظم و نثرِ فارسی و تحقیقِ محاورہ و اصطلاحاتِ آن فراغت حاصل کردہ بمقتضاے رواجِ زمانہ خود را معروفِ ریختہ گوئی وابستہ برائے آنکہ رواجِ فارسی در ہندوستان بہ نسبت ریختہ کم است و ریختہ فی زماننا بپایۂ اعلاے فارسی رسیدہ بلکہ از و سیر آمدہ چندان معروفِ فارسی نماندہ است، اھ (تذکرہ مصحفی)

غلام ہمدانی نام مصحفی تخلص شیخ ولی محمد کے بیٹے اور امروہہ کے رہنے والے تھے عنفوان شباب مین دلی آئے، اور مولوی مستقیم گویاموی سے عربی صرف و نحو کی کتابین پڑھین، طبیعت مین موزونیت خداداد تھی، شعر و سخن کی طرف مائل ہوئے اور بزرگان دلی کی صحبتون مین شریک ہونے لگے، چندروز مین مشق بڑھ گئی تو اپنے مکان پر مشاعرہ قائم کیا اور جب تک دلی مین رہے اُن کے گھر مشاعرے برابر ہوتے رہے۔

مزاج مین غربت مسکینی اور ادب کی پابندی تھی، اسی وجہ سے دلی کے سب شاعر اور معزز اشخاص اُن کے ساتھ لطف و مروت سے پیش آتے، یہ بھی دلی کو اپنا وطن سمجھتے تھے، اور شاید اُس زمانے مین فارغ البال بھی تھے، نواب نجف خان کا زمانہ تھا، یہ کبھی اُن کے سلام کو نہین گئے، اور نہ نوکری کی جستجو کی، جب تک دلی مین رہے، اسی شاعری کی دھن مین لگے رہے مگر ایک سازمانہ ہمیشہ نہین رہتا، دلی تباہ ہوئی، اہل کمال کا وہ مجمع منتشر ہوا، یہ بھی ناچار دلی سے نکلے، مگر مرتے مرتے دلی کی یاد دل سے نہین نکالی، ایک موقع پر کہتے ہین،

دلی کہین ہین جس کو زمانہ مین مصحفی   مین رہنے والا ہون اسی اجڑے دیار کا

دلی سے نکل کر یہ پہلے ٹیکہڑ آئے، شیخ قیام الدین قائم، نواب محمد یار خان کی سرکار مین ملازم تھے، اُنھون نے ان کا قصیدہ پیش کرکے تنخواہ مقرر کرادی، چندروز یہ ٹانڈہ مین نہایت خوشی اور فارغ البالی کے ساتھ رہے، تذکرۂ شعرا مین وہان رہنے کا حال کئی جگہ بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ جس خوشی سے چندروز وہان بسر ہوئے ہین اب تک اُس کی یاد تازہ ہے،

نواب محمد یار خان کا جب کھیل بگڑا تو لکھنؤ چلے آئے، یہان تھوڑے دنون رہکر پھر دلی چلے گئے اور چاہا کہ پاؤن توڑکر بیٹھ رہین، مگر کچھ دنون کے بعد آب و دانہ کی کشش پھر ان کو لکھنؤ کھینچ لائی، اس مرتبہ مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار مین ملازم ہوگئے، محنت و کاوش کے ساتھ

مشقِ سخن جاری رہی، چند روز مین اُن کی اوستادی کو خاص و عام نے تسلیم کر لیا،

اِن کی ہمہ گیر طبیعت نے کسی خاص رنگ پر قناعت نہین کی، ان کے کلام مین کہین میر کا درد ہے کہین سودا کا انداز، کہین سوز کی سادگی، اور جہان کہین اُن کی کہنہ مشقی اور اُستادی اپنے پیشرو اساتذہ کی خوبیون کو یکجا کر دیتی ہی، تو وہ اردو شاعری کے بہترین نمونے قرار دیے جا سکتے ہین، اس مجموعی حیثیت سے بقول حسرت موہانی میر و مرزا کے بعد کوئی استادان کے مقابلہ مین نہین جنچتا، اور یہ اپنے ہمعصرون مین سب سے برتر اور سب سے فائق نظر آتے ہین، آزاد نے بھی آبحیات مین اس کو تسلیم کیا ہو کہ یہ اصول فن سے بال برابر بھی سرکتے نہ تھے، کلام پر قدرت کامل پائی تھی، الفاظ کو پس و پیش اور مضمون کو کم و بیش کر کے اس در و بست سے شعر مین کھپاتے تھے کہ جو حق استادی کا ہی ادا ہو جاتا تھا، ساتھ اس کے اصل محاورہ کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، ایسے موقع پر کچھ سودا کا سایہ پڑتا ہی، جہان سادگی ہی، وہان معلوم ہوتا ہی کہ میر سوز کے انداز پر چلتے ہین"

مگر باوجود اِس کے افسوس ہی کہ آزاد نے انشا کو جا بجا مصحفی پر ترجیح دینے کی کوشش کی ہے، انشا کی ذہانت اور طباعی مین کچھ شک نہین، مگر سخن سنجی اور مشاقی کے لحاظ سے انشا کو مصحفی کے مقابلہ مین لانا ہی مصحفی کی سخت توہین کرنا ہی،

بذلہ سنجی اور ظرافت کے زور سے شاہ و وزیر کے دربار مین رسوخ حاصل کر لینا، یا زبان آوری اور طباعی کی مدد سے مجلسون کو گرما دینا اور چیز ہے، اور اصول فن کو لئے ہوئے اصنافِ سخن مین سے ہر صنف پر قدرت کامل رکھنا اور سخن سنجی کا حق پورا پورا ادا کرنا اور بات ہے، یہی وجہ ہے کہ انشا کی گرم بازاری انھین کے ساتھ ختم ہو گئی، اور مصحفی کے کمال کا سکہ اب تک رائج ہے،

اِس سے بڑھ کر ثبوت مصحفیؔ کے کمالِ فن کا کیا ہو سکتا ہو کہ جتنے استاد ان کے شاگرد دون اور عقیدت مندون مین سے نکلے اتنے آج تک کسی شاعر کو نصیب نہین ہوئے، اور سچ پوچھو تو شعراے لکھنؤ کے جتنے بھی سلسلے ہین وہ سب حضرت مصحفیؔ کے منت پذیر ہین، شیخ امام بخش ناسخؔ کو گو انکار ہو مگر اس مین کچھ شک نہین کہ وہ بھی بواسطہ یا بلا واسطہ انھین کے مائدۂ سخن کے ریزہ چین تھے، خواجہ حیدر علی آتشؔ، میر مستحسن خلیقؔ، میر مظفر حسین ضمیرؔ، میر مظفر علی اسیرؔ وغیرہ اس پایہ کے لوگ ہین جنکے دامنِ تربیت مین پرورش پاکر سیکڑون استاد بن گئے، سب کو جانے دو میر خلیقؔ کے فرزند میر ببر علی انیسؔ اور میر ضمیرؔ کے شاگرد مرزا سلامت علی دبیرؔ کو لو، جنھون نے ہندوستان مین سخنوری کے ڈنکے بجائے ہین اور اردو شاعری کو معراجِ کمال تک پہنچا دیا ہو،

دوسرا ثبوت ان کی مشاقی اور استادی کا خود ان کا کلام ہے جو آٹھ دیوانون مین مشکل سے سما سکا ہو، اگر یہ سچ ہو کہ مصحفیؔ اپنی غزلین بیچا کرتے تھے تو جتنا موجود ہو، اس کا سوایا اور رہا ہوگا، پھر اگر ان کے سارے دیوانون مین صرف وہی اشعار چھانٹے جائین جو ہر طرح سے بلند رتبہ ہین تو مین سمجھتا ہون کہ انشاؔ کے مجموعۂ ہزل و غزل کے برابر ایک مجموعہ اُن کے منتخب اشعار کا تیار ہو سکتا ہو،

اس بات کا سخت افسوس ہو کہ مصحفیؔ جیسے باکمال شاعر کی جتنی قدر ہونی چاہیے تھی لکھنؤ مین نہین ہوئی، مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار سے ان کو صرف پچیس روپیہ ماہوار ملتے تھے، جب میر انشاء اللہ خان کو باریابی ہوئی اور وہ شاہزادہ کی غزلین بنانے لگے تو اس پچیس روپیہ مین بھی تخفیف ہو گئی جیسا کہ خود مصحفیؔ نے بھی اس کی شکایت کی ہو،

اے وائے کہ پچیس سے اب پانچ ہین اپنے ... ہم بھی تھے کبھی روزون مین پچیس کے لائق
استاد کا کرتے ہین امیر اب کے مقرر ... ہوتا ہے جو درماہہ کہ سائیس کے لائق

اب تم خود غور کر سکتے ہو کہ اس حالت مین اس غریب پر کیا گذرتی ہو گی، وہ اگر غزلین بیچ بیچ کر پیٹ نہ پالتے تو کیا کرتے، سوا شاعری کے اُن کے پاس دھرا کیا تھا، جس کو ذریعۂ معاش قرار دیتے،

اسی مردِ ہنر کا دل گردہ تھا کہ وہ اس تنگ حالی اور دل شکستگی کی حالت مین بھی وقتاً فوقتاً درباروں مین جاتے اور مشاعروں مین غزلین پڑھتے، اور حریف کی نوک جھونک برداشت کرتے تھے،

انشا مین خدا بخشے یہ بُری عادت تھی کہ وہ اپنی گرمی بازار کے لئے ایک نہ ایک ہنگامہ برپا کرتے رہتے تھے، دلّی مین اپنی ذکاوت اور طباعی کے زور پر مرزا عظیم بیگ کی مٹی خراب کی، مگر وہ دلّی تھی، کتنی ہی مٹ گئی ہو، پھر بھی ایسے لوگ وہان موجود تھے، جنھون نے اس کو رفع دفع کر دیا،

یہان آکر انھون نے مصحفی کو آگے دھر لیا، پہلے تو اس غریب کے پچیس سے پانچ رہ گئے، پھر روز کی چھیڑ چھاڑ، ایک دن مشاعرہ مین مصحفی نے حسب معمول غزل پڑھی اور چلے آئے، اُس غزل کا مقطع تھا، ؎

تھا مصحفی یہ مائل گریہ کہ بس از مرگ — تھی اوس کی دھری چشم پہ تابوت مین انگلی

ان کے چلے آنے پر یارون نے اُن کی لے دے شروع کی، اور غزل الٹ کر بڈھے بیچارے کے کلام کو خوب خراب کیا، جس کا مقطع یہ ہی،

تھا مصحفی کا نا جو چھپانے کو بس از مرگ — رکھے ہوئے تھا آنکھ پہ تابوت کی انگلی

اس غزل کی خبر مصحفی کو پہنچی، وہ پرانے مشاق لکھنؤ بھر کے استاد کوئی معمولی آدمی نہ تھے بگڑ گئے اور یہ غزل لکھی، جس مین متانت کی پابندی کو ہاتھ سے نہین دیا، مگر افسوس ہی کہ آزاد اس کو

بڑھاپے کی سستی یا طبیعت کے امرودے پن سے تعبیر کرتے ہین، ؎

مدت سے ہون مین سرخوش صہبائے شاعری — نادان ہو جس کو مجھ سے ہو دعوائے شاعری
مین لکھنؤ مین زمزمہ سنجان شعر کو — برسون دکھا چکا ہون تماشائے شاعری
پھبتا نہین ہے بزم امیران دہر مین — شاعر کو میرے سامنے غوغائے شاعری
اک طرفہ خر سے کام پڑا ہے مجھے کہ ہاے — سمجھے ہے آپ کو وہ مسیحائے شاعری
ہے شاعرون کی اب کے زمانے کی یہ معاش — پھرتے ہین بیچتے ہوئے کالائے شاعری
لیتا نہین جو مول کوئی منت بھی اُسے — خفت اٹھا کے آتے ہین گھر والے شاعری
اے مصحفی زگوشۂ خلوت برون خرام — خالی است ازبرائے تو خود جائے شاعری
ہر سفلہ را زبان و بیان تو کے رسد — آری توئی قاآنی و باباے شاعری
مجنون منم چرا دگرے رنج می برد — در حصۂ من آمدہ لیلائے شاعری

پھر کیا تھا سید انشا آئین تو جائین کہان، وہ خاکہ اڑا کہ بقول آزاد شائستگی نے کبھی آنکھین بند کر لین اور کبھی کانون مین انگلیان دے لین، جب نوبت حد سے گذر گئی تو مصحفی کے شاگردون مین منتظرا ورگرم اٹھو کھڑے ہوئے، ایک دن شہدون کا سوانگ بھر کر ہجو کے اشعار پڑھتے ہوئے انشاء اللہ خان کی طرف چلے، اُن کو بھی خبر ہو گئی، یہ اپنے یاران صحبت کو ہمراہ لیکر استقبال کو نکلے، اور اپنے مکان پر لائے، سب کو بٹھایا، اور وہ اشعار دوبارہ پڑھوا کر سنے، پھر خاطر تواضع کر کے سب کو رخصت کیا،

لیکن اِس کا جواب سید انشا نے جو دیا وہ قیامت کا تھا، ایک انبوہ کثیر برات کے سامان سے ترتیب دیا، اور عجیب وغریب ہجوین تیار کر کے لوگون کو دین، کچھ ڈنڈون پر پڑھتے جاتے تھے کچھ ہاتھیون پر بیٹھے تھے، ایک ہاتھ مین گڈا اور ایک مین گڑیا، دونون کو لڑاتے تھے، اور

اشعار پڑھتے جاتے تھے، جس کا ایک شعر یہ ہے،

سوانگ نیا لایا ہے دیکھنا چرخِ کہن　　لڑتے ہوئے آئے ہین یہ مصحفی و مصحفن

آزاد کہتے ہین کہ ان معرکون مین مرزا سلیمان شکوہ نے سید انشا کا ساتھ دیا، اور حریف کے سوانگ کو قوال سے گھر گھر لیکر پھرکوا دیا۔ اس بات نے مصحفی کو بہت شکستہ خاطر کر دیا چنانچہ اکثر غزلون مین اس کا رنگ جھلکتا ہی، ان مین سے ایک غزل کا مقطع ہی،

اے مصحفی بے لطف ہی اس شہر مین رہنا　　سچ ہے کہ کچھ انسان کی توقیر نہین یان

ان سب پر تازیانۂ غضب یہ ہوا کہ سید انشا کے سمجھانے سے یا خود بخود مرزا سلیمان شکوہ کو یہ شبہہ پیدا ہو گیا کہ مصحفی نے اپنی ہجوؤن مین ہم پر بھی چوٹ کی ہی، اس کے عذر مین مصحفی نے ایک قصیدہ بطور معذرت کے پیش کیا ہی جس سے بہت سے واقعات پر روشنی پڑتی ہی، اور معلوم ہوتا ہی کہ مصحفی بیچارہ کی طرف سے سوانگ نکالنے کی ابتدا نہین ہوئی، مین اس قصیدہ کو اس نظر سے نقل کرتا ہون کہ ناظرین اس بات کا اندازہ کرین کہ مصحفی کو شعر و سخن پر کتنی قدرت حاصل تھی،

قسم بذات خدا کہ ہے سمیع و بصیر　　کہ مجھ سے حضرت شہ مین نہین ہوئی تقصیر

سوائے اس کے کہ کچھ حال اپنا کچھ کیا تھا مین عرض　　سو وہ بطور شکایت تھی اند کے تقریر

گر اس سے خاطرِ اقدس پہ کچھ ملال آیا　　اور اِس گنہ سے ہوا بندہ واجب التعزیر

عوض روپون کے ملین مجھکو گالیان لاکھون　　عوض دوشالہ کے خلعت بشکل نقشِ حریر

سلف مین تھا کوئی شاعر نواز ایسا کب　　جو ہے تو شاہ سلیمان شکوہ عرش سریر

مزاج مین یہ صفائی کہ کر لیا باور　　کسی کے حق مین کسی نے جو کچھ کہ کی تقریر

مصاحب ایسے کہ گر کچھ کسی سے لغزش ہو　　تو اس کے رفع کی ہرگز نہ کر سکین تدبیر

وگر کرین تو پھر ایسی کہ نارِ طیش و غضب
مزاجِ شاہ مین ہو مشتعل بصد تشویر

سو تابِ ذرہ کہان نورِ آفتاب کہان
کہان وہ سطوتِ شاہی، کہان غرورِ فقیر

مقابلہ جو برابر کا ہو تو یہ کچھ کہیئے ،
کہان دیبقی و دیبا، کہان پلاسِ حصیر

مین اک فقیرِ غریب الوطن مسافر نام
رہے ہے آٹھ پہر جس کو قوت کی تدبیر

مراد بن ہے کہ مدحِ حضورِ اقدس کو،
الٹ کے پھیر بحرفِ ذمیمہ دون تعبیر

یہ افترا ہے بنایا ہوا سب انشا کا،
کہ بزم و رزم مین ہو پاے تخت کا وہ مشیر

مزاجِ شاہ ہو یون منحرف تو مجھکو بھی
یہ چاہیے کہ کرون شکوہ اس کا پیش وزیر

اگر وزیر بھی بولے نہ کچھ خدا لگتی ،
تو جاؤن پیش محمدؐ کہ ہے بشیر و نذیر

شفیعِ روزِ جزا بادشاہِ اَوْ اَدْنیٰ
نہ کردہ جرم پہ جس نے نہین لکھی تعزیر

کہون یہ اوس سے کہ اے جرم بخشِ پُرگنہان
تری غلامی مین آیا ہے دادخواہ فقیر

خطا ہو میری جو پہلے تو کر اسیر مجھے
وگر عدو کی پہنا اس کو طوق اور زنجیر

اگرچہ بازیِ انشا سے بےحمیت کو
رہا خموش سمجھکر مین بازیٔ تقدیر

ولے غضب ہے بڑا یہ کہ اب وہ چاہی ہو
خیال مین بھی نہ کھینچون مین ہجو کی تصویر

سو مین ملک نہین ایسا بشر ہون تا کے وچند
کہے سے اُس کے کرون گا نہ ماجرا تحریر

کیا مین فرض کہ مین آپ اس سے درگذرا
پھرے گا مجھ سے کوئی گرم و منتظر کا ضمیر

اور ان پہ بھی جو کیا مین نے تازیانۂ منع
تو ہو سکے ہے کوئی ان کی وضع کی تدبیر

ہزار شہدون مین بیٹھین ہزار جا پہ ملین
پھرین ہمیشہ لئے جمع ساتھ اپنے کثیر،

نہ مانین تیغِ سیاست نہ قہرِ سلطانی
نہ سمجھین قتل کا وعدہ نہ ضربتِ شمشیر

مزاج اِن کا ٹھٹھول اس قدر پڑا ہو کہ وہ
ہنسی سمجھتے ہین اِس بات کو نہ جرم کبیر

پھر اس پہ یہ بھی ہو یعنی کہ اس مقام کے بیچ — جو ہووے منشی تو کچھ نثر مین کرے تسطیر
فلیت جن کو خدا نے کیا ہو موزون طبع — اور اپنے فضل سے بخشی ہو شعر مین توقیر
یہ کوئی بات ہے سو سن کے وہ خموش رہین — ہوا ہے مصلحۃً گو کہ تصفیہ یہ اخیر
مگر یہ بات بن مانی کہ سوانگ کا بانی — اگر مین ہون تو مجھے دیجے بدترین تعزیر
مین آپ فاقہ کش اتنا مجھے کہان مقدور — کہ فکر اور کرون کچھ بغیر آش شعیر
مرے حواس پریشان بااین پریشانی — ہو جیسے لشکر شکستہ کی خراب بہیر
گر اس پہ صلح کی ٹھہری رہے تو صلح سہی — اگر ہو پھر شرارت بشر ہون مین بھی شریر
جواب ایک کے یان دس ہین اور دس کے سو — نگاہ کرتے تھے اول بااین قلیل و کثیر
حصول یہ ہے کہ جب کو توال تک تصفیہ — گیا ہو از پئے تہدید شاعران شریر
تو کو توال ہی بس ان سے اب سمجھ لیگا — یہ دمبدم کی شکایت کی ہے عبث تحریر
یہ وہ مثل ہو کہ جس طرح سارے شہر کے بیچ — بلند قامتی اپنے سے متہم ہو بعیر
سو متہم مجھے نادان نے ہجو سے کیا — قباحت اس کے جو سمجھے تو شہ اسکو دے تعزیر
ولے مزاج مقدس جو لاابالی ہے — نہین خیال مین آتا خیال حرف حقیر
جو کچھ ہوا سو ہوا مصحفی بس اب چپ رہ — زیادہ کر نہ صداقت کا ماجرا تحریر
خدا پہ چھوڑ دے اس بات کو وہ مالک ہو — کرے جو چاہے جو چاہا کیا بہ حکم قدیر

مصحفی کی تصنیفات کی تفصیل یہ ہے کہ آٹھ دیوان اُنھون نے ریختہ کے ترتیب دیئے، ایک دیوان فارسی مین لکھا، دو تذکرے لکھے، ایک تذکرہ فارسی کے شاعرون کا، ایک تذکرہ اردو شعرا کا جو پیش نظر ہے اور اس کا مسودہ ندوۃ العلما کے کتب خانہ مین موجود ہے،

دیوانون مین تمام اصناف سخن ہین. قصائد، قطعات، غزلیات، تاریخین، مستزاد،

مخمس، رباعیان، وغیرہ سنگلاخ زمینون مین قصائد اور غزلین کاوشِ فکر کا بہترین نمونہ ہین،

مگر سب دیوان اِن کے ملتے نہین، کئی دیوان نواب کلب علیخان مرحوم کے کتب خانہ مین تھے، نواب کے حکم سے اسیر و امیر نے اُن کی تصحیح کی اور سب کا خلاصہ کر کے ایک دیوان تیار کیا، جس کو نواب نے چھپوا دیا ہی، مصحفی نے چہتر برس کی عمر پا کر ۱۲۴۰ھ مین انتقال کیا اور لکھنؤ مین مدفون ہوئے،

غزلون کے منتخب اشعار ملاحظہ ہون،

کرین گے خوابِ راحت یا یہی جنجال ہوویگا　　خدا جانے کہ بعد از مرگ کیا احوال ہوویگا

ان اداؤن کا کوئی مارا جیے کس طرح ہائے　　یا ہے اب یہ گرم جوشی یا کہ وہ پرہیز تھا

مرض عشق سے گر اب کی سنبھل جاؤنگا　　تو مین دو چار برس کے لئے کہین ٹل جاؤنگا

تھا اگر روزِ قیامت تو بھی ہم شادان رہے　　وہ جو اک دن اس کے ملنے کا مقرر ہو گیا

شوخی تو دیکھو تیر کو سینہ سے کھینچ کر　　کہتا ہے، میرے تیر کا پیکان رہگیا

مصحفی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہوگا کوئی زخم　　تیرے دل مین بہت کام رفو کا نکلا

مت میرے رنگِ زرد کا چرچا کرو کہ یان　　رنگ ایک سا ہمیشہ کسی کا نہین رہا

ترے کوچہ ہاں اس بہانے مجھے دن کو رات کرنا کبھی اِس سے بات کرنا کبھی اُس سے بات کرنا



شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے دل ہے گویا چراغ مفلس کا



تلوار کو کھینچ ہنس پڑے وہ ہے مصحفی کشتہ اس ادا کا



درد وغم کو بھی ہے نصیبہ شرط یہ بھی قسمت سوا نہین ملتا



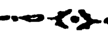
افتادگانِ وادیِ غربت کی سرگذشت کرتا ہے خود بیان لبِ خاموشِ نقشِ پا



گلی کو یار کی سمجھے ہے اپنا وہ کعبہ یہ مصحفی سے نہ پوچھو کدھر ہے سجدہ درست



اے مصحفی اوس کوچہ مین دل بسکہ لگا ہے جاتے نہین اور کرتے ہین ہم عزم سفر روز



چھیڑ مت ہر دم نہ آئینہ دکھا اپنی صورت سے خفا بیٹھے ہین ہم،



آنے دو اسے جس کے لئے چاک کیا ہی ناصح سے گریبان کو سلانے کے نہین ہم



ہر دم کو سمجھتے ہین دمِ بازپسین ہم، غافل تو ہوا ہم سے ذرا بھی تو نہین ہم

وہی دشت اور وہی گریبان چاک　　　جب تلک ہاتھ پاؤن چلتے ہین



ہائے وہ دل کہ جسے مین نے بغل مین پالا　　　اب اوسے یون ہدفِ ناوکِ مژگان دیکھون



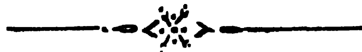
فلک گر ہنساتا ہو مجھ پر کسی کو　　　مین ہنس کر فلک کی طرف دیکھتا ہون



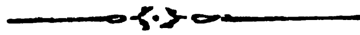
کھانے نہین دیتے ہین مجھے خونِ جگر بھی　　　نالے تو مرے حلق کے دربان ہوئے ہین



وان چشم فسون ساز نے باتون مین لگایا　　　دے پیچ اودھر زلف اڑا لے گئی دل کو



وعدۂ قتل سے رکھتا ہون دل اپنے کو مین شاد　　　کہ اسی وعدہ پہ اِک وعدۂ دیدار بھی ہے



یار کا صبح تلک ہو وعدۂ وصل　　　ایک شب اور بھی جیئے ہے ہے



غم کھاتا ہون جتنا مری نیت نہین بھرتی　　　کیا غم ہے مزے کا کہ طبیعت نہین بھرتی



مصحفی سود نصیحت کا نہین عاشق کو　　　مین نہ سمجھون تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے



کنجِ قفس مین ہم تو رہے مصحفی اسیر　　　فصلِ بہار باغ مین دھومین مچا گئی.

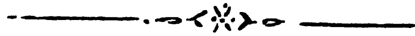
تو آکے بیٹھے دم نزع جس کی بالین پر　　وہ مر بھی جائے تو آنکھیں کبھی نہ بند کرے



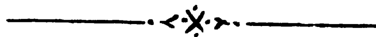
دل کے دھڑکون کا یہ عالم ہو کہ بے منت دست　　پرزے ہو ہو کے گریبان اڑا جاتا ہے



حسرت پہ اس مسافر بیکس کے روئیے　　جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے



مین وہ نہین ہون کہ اس بت سے دل مرا پھر جائے　　پھرون جو اوس سے تو مجھ سے مرا خدا پھر جائے



راہ مین کشتہ پڑے ہین کئی ارمان بھرے　　نکلے چلیو نہ ترا خون سے دامان بھرے



بے غریبی مین خبر کس کو وطن والون کی　　کیا گرفتار سے پوچھو ہو چمن والون کی

شیخ غلام علی راسخ

شیخ غلام علی راسخ عظیم آباد پٹنہ کے رہنے والے ہین، میر تقی میر سے مشق سخن کی ہے، ان کے حالات پرانے تذکرون مین جو اس وقت پیش نظر ہین نہین ملتے، گلشن بیخار مین کچھ معمولی سا ان کا ذکر ہے، اور چند اشعار ان کے درج ہین، باوجودیکہ ان کا کلیات اچھی خاصی ضخامت رکھتا ہی.

کلیات مین بہت سے قصیدے ہین، غزلون کا دیوان اور چھوٹی بڑی چودہ مثنویان ہین. زبان بہت پاکیزہ اور طرز بیان نہایت صاف و سادہ ہے، کلام مین رطب و یابس

نہ ہونے کے برابر ہے، تصوف کا مذاق بہت ابھرا ہوا نظر آتا ہے، جس کو بہت سادہ طریقہ سے ادا کرتے ہین، تشبیہ اور استعارون کی چاشنی کم ہے، جس سے کسی قدر پھیکا پن ظاہر ہوتا ہی تاہم رنگین شعرون کی کمی بھی نہین ہے، سینکڑون شعر ایسے انتخاب کئے جاسکتے ہین جو دلنشین ہونے کے قابل ہین،

کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھنؤ مین ان کا قیام زیادہ رہا ہی، چند قصیدے نواب آصف الدولہ اور غازی الدین حیدر کی تعریف مین بھی ہین، مگر غازی الدین حیدر کی تعریف کا قصیدہ اُس زمانہ کا ہے جب وہ نواب وزیر تھے، بعض غزلین ناسخ و آتش کی طرحی زمین مین ہین، مگر وہ بھی اپنے رنگ کی ہین،

مقطعون مین میر کی شاگردی کا اکثر ذکر کرتے ہین، اور کہین کہین شفائی اور نظیری کی ہمسری کا بھی دعوی ہے، میرے نزدیک ان کے معاصرین مین سے کسی کا بھی کلام زبان کی پاکیزگی اور بیان کی خوش ادائی مین ان کا جیسا صاف وستھرا نہین ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو چار دیوانون سے چھانٹ کر یہ دیوان تیار کیا گیا ہے، اور بڑی بڑی غزلون مین سے دس دس پانچ پانچ شعر انتخاب کرکے جمع کر دیئے ہین، مگر اس کو کیا کہئے کہ جو زبان غزلون کی ہے، وہی قصیدون اور مثنویون کی بھی ہے،

اِس قدر لکھ لینے کے بعد خمخانۂ جاوید نظر سے گذرا، اس مین نوائے وطن سے اُن کا کسی قدر تفصیلی حال نقل کیا ہی، لکھا ہی کہ راسخ ۱۱۶۲ سنہ مین پیدا ہوئے، کوئی کہتا ہی کہ پٹنہ مین، کسی کا بیان ہے، کہ موضع سائین جو پٹنہ سے دس کوس کے فاصلہ پر ایک گاؤن ہی، ان کی ولادت ہوئی، ۱۲۲۱ سنہ تک کلکتہ، غازی پور، لکھنؤ، اور دلی کی سیاحت مین مصروف رہے، ۱۲۲۲ سنہ مین اپنے وطن مالوف کو واپس آئے، اس زمانے مین پٹنہ مرجع ارباب کمال تھا اور شاعری کا

گھر گھر چرچا تھا، ان کی عمر کا بقیہ حصہ یہین گذرا مشاعرون مین شریک ہوتے تو دو زانو بیٹھے رہتے، اور جب شعرا غزلین پڑھتے تھے تو یہ آنکھین بند کئے جھوما کرتے تھے، اپنی غزلین پڑھتے وقت آنسوؤن کا تار بندھ جاتا تھا،

بہتر برس کی عمر مین ۲۲ جمادی الاخری ۱۲۳۰ھ کو وفات پائی، گلشن بیخار مین ہے، کہ ۱۲۴۰ھ مین واصل بحق ہوئے، مگر قرینہ یہ ہے کہ خمخانہ جاوید مین نوائے وطن سے جو سنہ وفات نقل کیا گیا ہے، وہی صحیح ہوگا،

تمھارے آشنا کب خلق سے رکھتے ہین آمیزش
انھین تو آپ سے بھی ہم نے بیگانہ سدا پایا

دلِ بلبل نہ تنہا چاک ہو اس عشق کے ہاتھون
یہ وہ ہے جس سے گل کے بھی گریبان کو قبا پایا

جب تجھے خود آپ سے بیگانگی ہو جائیگی
آشنا تب تجھ سے وہ دیر آشنا ہو جائیگا

لاگ اوس پلک کی اتنی ہی معلوم ہو کہ آہ
کانٹا سا کچھ جگر مین ہے اپنے چبھا ہوا،

شہادت گاہ خون ریز محبت طرفہ جا دیکھی
کہ جو مقتول تھا یان خنجرِ قاتل کا ممنون تھا

جوانی ہنس کے کاٹی اب پلک پر اشک چمکے ہی
جو رات آخر ہوئی نکلا ستارہ صبح پیری کا

تھا جی مین کہ دشواری ہجر اس سے کہین گے
پر جب ملے کچھ رنج و محن یاد نہ آیا،

کیا بیان ہو سکا جہانِ ظرف کی تاثیرِ قرب　　آب کا قطرہ صدف تک آن کر گوہر ہوا

بے مدعا ہون یہ بھی ہے اک مدعاے دل　　اس قیدِ مدعا سے نہ کوئی رہا ہوا

انتہاے عاشقی ہے شانِ معشوقی کہ ہم　　تھے وہ شکار اپنا ہوا صیاد جس صیاد کے

دور مین اوس کی مست آنکھون کے　　محتسب بھی شراب خوار ہوا

بگڑی جب سب سے تب کچھ اُن سے　　اسلوب بنا ہوا فقت کا
دل نے کھویا ہمین کہ تھا آہ　　دیوانہ شریک مشورت کا

صورت ہمارے حال کی بگڑی سی دیکھکر　　قاصد نے اُن کے آنے کی دل سے بنائی بات

اپنا بھی ماجراے دل اک مرثیہ سا ہے　　بے اختیار روتے ہین لوگ اس بیان پر

ضبط گریہ تو ہے پر دل پہ جو اک چوٹ سی ہو　　قطرے آنسو کے ٹپک پڑتے ہین دو چار ہنوز
شیخ اس بت شکنی پہ نہ ہو اتنا مغرور　　تو نے توڑا نہین اپنا بتِ پندار ہنوز

بازار جہان مین کوئی خواہان نہین تیرا　　لیجائین کہان اب تجھے اے جنسِ وفا ہم

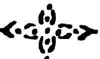
گھر سے کھو کر در پہ اپنے بیٹھنے دیتے نہین　　تم جو کہتے ہو کہ جا یان سے مین اب جاؤن کہان



معکوس ہے نگین کی طرح میری سرنوشت　　یاد آنے سے مٹیگا نام ونشان ہون مین



اس کا ہر برگ آئینہ روے چمن آرا کا ہے　　دیدنی ہے یہ چمن گر ہم نظر پیدا کرین،
غم تمھارے درپئے تخریب چشم و دل مین ہے　　ہے قریب یہ اسے دریا اوسے صحرا کرین.
باوجود دل نظر آؤ نہ تم حیرت ہے یہ　　آئینہ پاس اور ہم دیدار کو ترسا کرین
کچھ بھی کیفیت گران مین ہو تو یہ سب خرقہ پوش　　سبحہ و سجادہ رہن ساغر و صہبا کرین



ہوئے مغلوبِ شوقِ کارفرما آخر آخر ہم　　ہمین تھا اختیار آگے پر اب بے اختیاری ہے
اٹھا سکتے نہین بے طاقتی کا بار بھی اب ہم　　ہوئے ہین ناتوان ایسے کہ جینا تک بھی بھاری ہے



اگر بابِ اجابت تک رسا اپنی دعا ہوتی　　تو جی مین تھا کہ خواہانِ دلِ بے مدعا ہوتے



میر غلام حسن حسن،

از اوائلِ عمرش طبیعتش موزون بود اکثر خود را مصروف و مشغولِ این شغلِ خطیر میداشت و شعرِ خود را از نظر میر ضیاء الدین ضیا که دران ایام از مشهورانِ زمانه درین دیار بود میگذرانید بعد ازانکه دور دور مرزا رفیع السودا شد و زبان ریختہ چنانکه بود زیاده درین دیار رواج یافت بحکم قوت ممیزه بر جادهٔ مستقیم اساتذه مسلم الثبوت یعنی خواجه میر درد و مرزا رفیع السودا و میر محمد تقی میر و

میان قمر قائم وگذاشتہ زبانِ خود بمرتبۂ پاکیزگی و شُستگی رسانیدہ دیوان ضخیم و مثنوی ہاے متعددہ در سلکِ نظم کشیدہ خصوصاً در مثنوی اخیر کہ سحرالبیان نام دارد ید بیضا نمودہ، ا ھ تذکرہ مصحفی،

میرغلام حسن نام حسن تخلص میر غلام حسین ضاحک کے بیٹے تھے، دلی مین پیدا ہوئے، بارہ برس کے سن مین والد کے ساتھ فیض آباد آئے، کچھ مدت وہان رہکر لکھنؤ مین آبسے، شعروسخن کا ذوق موروثی تھا، اور طبیعت اس کے مناسب پائی تھی،

اودھ مین آکر میر ضیاء الدین ضیا کے شاگرد ہوئے، مگر اون کی روش پر چل نہین سکے، خواجہ میر درد، مرزا رفیع اور میر تقی میر کے کلام کا تتبع کیا، ایک تذکرہ شعراے ریختہ کا ایک دیوان اور گیارہ مثنویان تصنیف کین، جس مین سحرالبیان کی سی قبولیت اردو مین کسی مثنوی کو نصیب نہین ہوئی،

آزاد نے آبحیات مین لکھا ہی کہ جب تک دلی مین رہے، اپنے والد اور خواجہ میر درد سے اصلاح لیتے رہے، اودھ مین جاکر میر ضیاء الدین ضیا کے شاگرد ہوئے اور مرزا رفیع سودا کو بھی غزل دکھائی، اسی بنا پر آزاد نے اُن کو جابجا خواجہ میر درد اور مرزا رفیع کا شاگرد بیان کیا ہے، مگر خود میر حسن نے تذکرہ مین اپنے آپ کو میر ضیا کا شاگرد لکھا ہی، اور یہ صحیح بھی ہی، بارہ برس کے سن مین انھون نے دلی چھوڑی، خواجہ میر درد مرحوم سے اصلاح لینے کا کون سا موقع تھا، اگر سودا کو غزل دکھائی ہوتی تو وہ اس کا تذکرہ ضرور کرتے، دیکھو تذکرہ،

"اصلاح سخن از میر ضیا سلمہ اللہ گرفتہ ام لیکن طرز او شان از من کما حقہ سرانجام نیافتہ بر قدمِ دیگر بزرگان مثل خواجہ میر درد و مرزا رفیع سودا و میر تقی پیروی نمودم"

سنہ ۱۲۰۱ھ مین ان کی وفات ہوئی، مصحفی نے "شاعر شیرین بیان" سے تاریخ وفات نکالکر حقِ آشنائی ادا کیا ہی، تذکرہ شعرا اور ان کی دوسری مثنوی گلزار ارم کا قلمی نسخہ نہایت خوشخط

ندوۃ العلما کے کتبخانہ مین موجود ہی،

گلزار ارم مین لکھنؤ کی ہجو اور فیض آباد کی تعریف جی کھول کر کی ہی، شاید اسی وجہ سے اس مثنوی کو قبولیت حاصل نہین ہونی.

میر حسن قصیدے کے مرد میدان نہین تھے، البتہ غزل مین ان کا درجہ بہت بلند ہے، اور مثنوی مین تو یکتاے زمانہ تھے جس سے کسی کو بھی انکار نہین ہو سکتا، بے نظیر و بدر منیر کے قصہ مین جو سحر بیانی کی ہے، اُس کا آج تک جواب نہین ہو سکا.

اُس کی زبان کی صفائی، محاورہ کا لطف، مضمون کی شوخی، طرز ادا کی نزاکت اور سوال و جواب کی نوک جھونک حد توصیف سے باہر ہے، باوجود اس کے کہ سحر البیان کی تصنیف کو ڈیڑھ سو برس ہونے کو آئے ہین لیکن اُس کی زبان قریب قریب وہی ہی، جو آج کل بولی جاتی ہے، یہی ایک امر اس بات کا کافی ثبوت ہی کہ میر حسن کا مذاقِ سخن کتنا لطیف و پاکیزہ تھا،

سر دیوے گا جس دن تو حسن تیغ کو اوس کے ۔ اسرار کھلے گا جبھی اس سرِ نہان کا،

وہ دن گئے کہ گلشن تھا بود باش اپنا، ۔ اب تو قفس مین بھولے نقشہ بھی گلستان کا

نہ رکتی تھین آہین نہ تھمتے تھے آنسو ۔ حسن تجکو کیا رات غم تھا کسی کا،

اُس شوخ کے جانے سے عجب حال ہی میرا ۔ جیسے کوئی بھولا ہوا پھرتا ہی کچھ اپنا

مین حشر کو کیا رؤن کہ اُٹھ جانے سے تیرے ۔ برپا ہوئی اک مجھ پہ قیامت تو ہین اور

دامن صحرا سے اُٹھنے کو حسن کا جی نہین پانون دیوانے نے پھیلائے بیابان دیکھکر

آرزو دل کی بر آئی نہ حسن وصل مین اور لذت ہجر کو بھی مفت مین کھو بیٹھے ہم

پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ بس آج کی شب بھی سو چکے ہم

دل کو کھویا ہے کل جہان جاکر جی مین ہے آج جی بھی کھو آؤن

نازسے عشوہ سے غمزہ سے لگا لیتے ہین وہ جسے چاہتے ہین اپنا بنا لیتے ہین

ترے بن باغ مین جس وقت غنچے گل کے کھلتے ہین خراش ناخنِ غم سے جگر کے زخم چھلتے ہین،

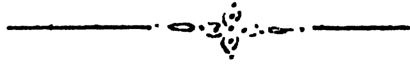
سمان تھا کل عجب ہنسنے سے تیرے شوخ محفل مین کہ سو سو آرزوئین مضطرب پھرتی تھین دل مین

وہ اور زمانہ تھا کہ خوبان مین تھی اُلفت ایسا نظر آتا نہین اب ایک بھی دس مین

پہنچے نہ حسن منزلِ مقصود کو ہم اور آخر ہوئے سب زیست کے ایام سفر مین

مرنے نہ دیکھے کبھی ہم نے زندگانی کے یون ہی گذر گئے افسوس دن جوانی کے

حسن دیتا ہی تو کھون جی بتون پر   ملا دین گے تجھے یہ کیا خدا سے



اوس بت کی بندگی سے نہ آزاد ہو حسن   یہ بات بھی کہین نہ خدا کو بری لگے



رہے جس مین خطرہ سدا نیستی کا   پس اے زندگی ایسی ہستی سے گذرے



آرزو اور تو کچھ ہم کو نہین دنیا مین   ہان مگر ایک ترے ملنے کا ارمان تو ہی



کیا ہنسے اب کوئی اور کیا روسکے   دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہوسکے



نغمۂ عشق سے ہین سبحہ و زنار ملے   ایک آواز پہ دو ساز کے ہین تار ملے



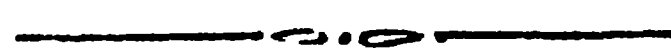
عیش و وصال و صحبت یاران فراغ دل   اس ایک جان کے لئے کیا کیا نہ چاہیے



آغاز محبت مین دیکھا تو یہ کچھ دیکھا   کیا جانئے کیا ہوگا انجام مرے دل کا



کیا جانے اوس کے جی پر کیا کچھ خیال گذرا   کچھ آپ ہی آپ اپنے دل پر ملال گذرا



جس عالم ہستی کو سمجھتے تھے بہار آہ   آخر کو جو دیکھا تو وہ موسم ہے خزان کا

نوگرفتاری کے باعث مضطرب صیاد ہون
لگتے لگتے جی قفس مین بھی مرا لگ جائیگا

انظہار خموشی مین ہر سو طرح کی فریاد
ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ مین کچھ نہین کہتا

سحرالبیان کا نمونہ

بے نظیر فلک سیر گھوڑے پر سوار ہو کر بدر منیر کے باغ مین پہونچتی ہے اور ایک دوسرے کو دیکھکر فریفتہ ہوتے ہین

ہوا ناگہان اُس کا اِک جا گذر
سہانا سا اِک باغ آیا نظر

سفید ایک دیکھی عمارت بلند
کہ تھی نور مین چاندنی سے دوچند

وہ چھٹکی ہوئی چاندنی جا بجا
وہ جاڑے کی آمد وہ ٹھنڈی ہوا

یہ عالم جو بھایا تو کوٹھے پہ آ
اُترا اپنے گھوڑے سے اور سر جھکا

لگا جھانکنے اوس مکان کے تئین
کہ دیکھون یہان کوئی ہے یا نہین

جو دیکھا تو ایسا کچھ آیا نظر
کہ سب کچھ گیا اوس کے جی سے گذر

تھے اِک طرف گنجان باہم درخت
کہ لپٹے ہون جس طرح مشتاق سخت

لگا وان سے چھپ چھپ کے کرنے نظر
درختون سے جون ماہ ہو جلوہ گر

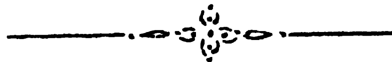
جو دیکھی تو صحبت عجب ہے وہان
عجب چاندنی ہے عجب ہے سمان

عجب صورتین اور طرفہ محل
چلا دیکھتے ہی دل اوس کا نکل

لبِ نہر پر صاف جو غور کی　　　تو پڑی تھی وہ ایک بلور کی
پڑے اوس مین فوارے چھٹتے ہوئے　　　ہوا بیچ موتی سے لٹتے ہوئے



کھڑا ایک نگیرہ زر نگار　　　کہ تھے جس کی جھالر پہ موتی نثار
مغرق بچھی مسند اک جگمگی　　　کہ تھی چاندنی جس کے قدمون لگی
نہ پھولے سماتے تھے تکیے دھرے　　　کہ تھے وہ فقط حسن ہی سے بھرے

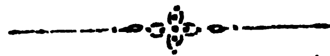


وہ مسند جو تھی موج دریاے حسن　　　وہان دیکھی اک مسند آراے حسن
برس پندرہ ایک کا سن و سال　　　نہایت حسین اور صاحب جمال
دیئے کہنی تکیے پر اک ناز سے　　　سرِ نہر بیٹھی تھی انداز سے،
خواصین کھڑی ایدھر اودھر تمام　　　ستارون کا جون ماہ پر ازدحام
وہ بیٹھی تھی سج دھج بنائے ہوئے　　　دل اس چاندنی پر لگائے ہوئے
اُدھر آسمان پر وہ رخشندہ ماہ　　　ادھر یہ زمین پر مہ چاردہ
پڑا عکس دونون کا جو نہر مین　　　لگے لوٹنے چاند ہر لہر مین
نظر آئے اتنے جو اکبار چاند　　　زمانے کے منہ کو لگے چار چاند،



وہ مکھڑا جسے دیکھ مہ داغ کھائے　　　وہ نقشہ کہ تصویر کو حیرت آئے
جو کچھ چاہیے ٹھیک نکسک سے رنگ　　　نزاکت بھرا سیوتی کا سا رنگ
کچھ اس تمکنت اور کچھ اک بانکپن　　　غرض ہر طرح مین انوکھی پھبن

وہ ابرو کہ محراب ایوانِ حسن | جھکی شاخِ نخلِ گلستانِ حسن ،
نگہ آفت و چشم عینِ بلا ، | مژہ دین صفون کو الٹ بر ملا



وہ بینی کہ جس کی نہین کچھ نظیر | ہے انگشتِ قدرت کی سیدھی لکیر
وہ رخسارِ نازک کہ ہوجائے لال | اگر اُس پہ بوسے کا گذرے خیال



وہ ساقین بلورین وہ انداز پا | پھرے ہر سحر جسکے دل مین سدا
قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام | قیامت کرے جس کو جھک کر سلام



یہ قدرت کا دیکھا جو اوس نے خیال | کہا شاہزادے نے یا ذوالجلال
درختون سے وہ دیکھتا تھا نہان | کسی کی نظر جا پڑی ناگہان
جو دیکھین تو ہے اک جوانِ حسین | درختون کی ہے اوٹ ماہِ مبین،



کسی نے کہا کچھ نہ کچھ ہے بلا ، | کسی نے کہا چاند ہے یان چھپا
کسی نے کہا ہے پری یا کہ جن | کسی نے کہا ہے قیامت کا دن
کسی نے کہا دیکھیو اے بوا | کھڑا ہے کوئی صاف یہ مردوا
یہ آپس مین باتین جو ہونے لگین | اشارون سے کہاتین جو ہونے لگین
گئی بات یہ شاہزادی کے گوش | یہ سنتے ہی جاتا رہا اوس کا ہوش
کہا مین تو دیکھون یہ کہکر اٹھی | گیا سننا جی تو رہ کر اوٹھی

خواصون کے کاندھے پہ دھر اپنا ہاتھ
عجب اک ادا سے چلی ساتھ ساتھ

گئی ہمدمین تھین جو کچھ پڑھین
دعائین وہ پڑھ پڑھ کے آگے بڑھین

جو دیکھین تو ہے اک جوانِ حسین
کھڑا ہے وہ آئینہ سان مہ جبین

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
مرادون کی راتین جوانی کے دن

نئی پشتِ لب سے سون کی نمود
جسے دیکھ نیلا ہو چرخِ کبود

عیان چستی و چالاکی گات سے
نمودِ جوانی ہر اک بات سے

بدن آئینہ سا دمکتا ہوا
گلِ باغِ خوبی لہکتا ہوا

اکڑ زلف کی اور کاکل کا بل
جوانی کی شب کا سمان برمحل

قیافے سے ظاہر سراپا شعور
جبین پر برستا شجاعت کا نور

گئی اوس جگہ جب یہ بدرِ منیر
اور اُس نے جو دیکھا شہِ بے نظیر

گئے دیکھتے ہی سب آپس مین مل
نظر سے نظر جی سے جی مل بے دل

غرض بے نظیر اور بدرِ منیر
گرے دونون آپس مین ہوکر اسیر

رہی کچھ نہ تن من کی سدھ بدھ اوسے
نہ کچھ اپنے تن کی رہی سُدھ اُسے

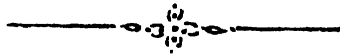
تھی ہمراہ اک اوس کے دختِ وزیر
نہایت حسین اور قیامت شریر

زبس تھی ستارہ سی وہ دلربا
اسے لوگ کہتے تھے نجم النسا

شتابی سے لا اوس نے چھڑکا گلاب
تب آئی تنون مین ذرا اونکے تاب

وہ شہزادۂ دل شدہ تو ٹھٹھک
وہین رہ گیا نقشِ پا سا جھجک

کہ وہ نازنین کچھ جھجک منہ چھپا — کمر اور چوٹی کا عالم دکھا
چلی اوس کے آگے سے منہ موڑ کر — وہین نیم بسمل اوسے چھوڑ کر



ادائین سب اپنی دکھاتی چلی — چھپا منہ کو اور مسکراتی چلی
غضب منہ پہ ظاہر وے دل مین چاہ — نہان آہ آہ اور عیان واہ واہ
یہ ہے کون کمبخت آیا یہان — مین اب چھوڑ گھر اپنا جاؤن کہان
یہ کہتی ہوئی آن کی آن مین، — چھپی جاکے وہ اپنے دالان مین



کہ اتنے مین آئی وہ دختِ وزیر — لگی ہنس کے کہنے کہ بدرِ منیر
مجھے جو چلے تو خوش آتے نہین — ترے ناز بیجا یہ بھاتے نہین
کیا ہے اگر تو نے گھائل اوسے — تو مت چھوڑ اب نیم بسمل اسے
ٹک اک حظ اٹھا زندگانی کا تو — مزہ دیکھ اپنی جوانی کا تو،
یہ حسن و جوانی یہ جوش و خروش — غفوراست ایزد تو ساغر بنوش
سدا عیش دوران دکھاتا نہین — گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہین



یہ سُن سُن کے وہ نازنین مسکرا — لگی کہنے اچھا، بھلا ری بھلا
مین سمجھی ترا دل گیا ہے اودھر — بہانے تو کرتی ہے کیون مجھ پہ دھر
لگی کہنے ہنس ہنس کے وہ ماہوش — ہوئی تھی اوسے دیکھ مین ہی تو غش
تمھین نے تو چھڑکا تھا مجھ پر گلاب — بھلا میری خاطر بلا لو شتاب

یہ آپس مین رمزون کی باتین ہوئین
اشارون کی باہم جو گھاتین ہوئین
بلا لائی جا اوس جوان کے تئین
کیا میزبان میہمان کے تئین،



بزور اوس کو لاکر بٹھایا جو وان
نہ پوچھ اوس گھڑی کی ادا کا بیان
وہ بیٹھی عجب ایک انداز سے
بدن کو چرائے ہوے ناز سے
منہ آنچل سے اپنا چھپائے ہوئے
لجائے ہوئے شرم کھائے ہوئے
پسینے پسینے ہوا سب بدن
کہ جون شبنم آلودہ ہو یاسمن
گھڑی دو تلک وہ مہ و آفتاب
رہے شرم سے پا بے بند حجاب



جب آپس مین چلنے لگے جام مل
منہ سے غنچہ سان دل کھلے مثل گل
کھلا بند جس دم در گفتگو،
جوان نے حقیقت کہی مو بمو
پری کا بھی احوال ظاہر کیا
چھپے راز سے اوس کو ماہر کیا
کہا اک پہر کی ہے رخصت مجھے
زیادہ نہین اس سے فرصت مجھے
یہ سن دل ہی دل پیچ کھا پیچ و تاب
دیا شاہزادی نے اوسکو جواب
مرو تم پری پر وہ تم پر مرے
بس اب تم ذرا مجھ سے بیٹھو پرے
مین اس طرح کا دل لگاتی نہین
یہ شرکت تو بندی کو بھاتی نہین
عبث تم سے کیون دل لگائے کوئی
بھلے چنگے دل کو جلائے کوئی
یہ سن پاؤن پر گر پڑا بے نظیر
کہا کیا کرون آہ بدر منیر،
کوئی لاکھ جی سے ہو مجھ پر فدا
مین تجھ پر فدا ہون مجھے اوس سے کیا،

کہا چل سرا اپنا قدم ہر نہ دھر
کسی کے مجھے دل سے ہو کیا خبر
یہ رمز و کنایے جو ہونے لگے
تو آپس میں ہنس ہنس کے رونے لگے
رہی دل ہی دل میں غرض دل کی بات
پہر بھر گئی اتنے عرصہ میں رات
خبر رات کی سن اٹھا بے نظیر
کہا اب میں جاتا ہوں بدر منیر
اگر قید سے چھوٹنے پاؤں گا
تو پھر آج کے وقت کل آؤنگا

جس پری نے بے نظیر کو اڑایا تھا، اور سرت سیر کرنے کو فلک سیر گھوڑا دیا تھا، اس کو خبر ہو گئی کہ یہ کسی اور پر دیوانہ ہو گئے ہیں، اس نے چاہ زندان میں قید کر دیا، ان کے نہ آنے سے بدر منیر کی بیقراری ملاحظہ ہو،

پھنسا اس طرح سے جو وہ بے نظیر
پڑی بے قراری میں بدر منیر
بہم دو دلوں میں جو ہوتی ہو چاہ
تو ہوتی ہو دل کے تئیں دل سے راہ
قلق واں جو گذرا تو یاں غم ہوا
رکا جی وہاں یاں خفا دم ہوا
کئی دن جو آیا نہ وہ رشک ماہ
نظر میں ہوا اس کے عالم سیاہ



گئے ایسے جب دن کئی اور بھی
بگڑنے لگے پھر تو کچھ طور بھی
دِوانی سی ہر طرف پھرنے لگی
درختوں میں جا جا کے گرنے لگی
ٹھہرنے لگا جان میں اضطراب
لگی دیکھنے وحشت آلودہ خواب
تپ ہجر گھر دل میں کرنے لگی
ڈر اشک سے چشم بھرنے لگی
خفا زندگانی سے ہونے لگی ،
بہانے سے جا جا کے سونے لگی
تپ غم کی شدت سے وہ کانپ کانپ
اکیلی لگی رونے منہ ڈھانپ ڈھانپ

نہ اگلا سا ہنسنا نہ وہ بولنا — نہ کھانا نہ پینا نہ لب کھولنا،
جہان بیٹھنا پھر نہ اوٹھنا اوسے — محبت مین دن رات گھٹنا اوسے
کہا گر کسی نے کہ بی بی چلو — تو اوٹھنا اوسے کہہ کے ہانجی چلو
کسی نے جو کچھ بات کی بات کی — یہ دن کی جو پوچھو کہی رات کی
کہا گر کسی نے کہ کچھ کھائیے، — کہا خیر بہتر ہے منگوائیے،
جو پانی پلایا تو پینا اوسے، — غرض غیر کے ہاتھ جینا اوسے
نہ کھانے کی سدھ اور نہ پینے کا ہوش — بھرا دل مین اوسکے محبت کا جوش
چمن پر نہ مائل نہ گل پر نظر — وہی سامنے صورت آٹھون پہر
غزل یا رباعی دیا کوئی فرد — اسی ڈھب کی پڑھنا کہ ہو جسمین درد
سو یہ بھی جو مذکور نکلے کہین — نہین کچھ تو اسکی بھی خواہش نہین
گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل — کہان کی رباعی کہان کی غزل



زبان پر تو باتین مگر دل اُداس — پراگندہ حیرت سے ہوش و حواس
نہ منہ کی خبر اور نہ تن کی خبر — نہ تن کی خبر نے بدن کی خبر،
جو مسی ہے دو دن کی تو ہو وہی — جو کنگھی نہین ہے تو یون ہی سہی
نہ منظور سرمہ نہ کاجل سے کام — نظر مین وہی تیرہ بختی کی شام
ولیکن یہ خوبان کا دیکھا سبھاؤ — کہ بگڑے سے دونا ہو ان کا بناؤ
نہین حسن کی اس طرح بھی کمی — جو بیٹھی ہے بگڑی تو گویا بنی،
غرض بے ادائی ہی یان کی ادا — بھلون کو سبھی کچھ لگے ہے بھلا،

شیخ قلندر بخش جرأت

اگرچہ پارۂ در علم موسیقی و ستار نوازی نیز دستے بہم رسانیدہ لیکن انچہ گوئید دیوانہ فن شعراست کہ گاہے بیفکر نمی ماند بسیار دردمند و گداز است، او تذکرۂ میرحسن

از اصول و قوانین این فن بہرہ نداشتہ نغمہائے خارج از آہنگ می سرود معہذا بعض آبیاتش بغایت خوش و دلربا آمدہ، او گلشن بیخار

قلندر بخش جرأت اصل مین دہلی کے رہنے والے تھے، باپ کا نام حافظ امان تھا۔ انکے بزرگ دربار شاہی مین دربانی کی خدمت رکھتے تھے، اور لوگون کی طرح ان کا کنبہ بھی فیض آباد آبسا تھا، چنانچہ جرأت کا نشو و نما فیض آباد مین ہوا، ابھی جوان بھی نہ ہونے پائے تھے کہ آنکھون سے معذور ہوگئے،

طبیعت چلبلی تھی، موسیقی اور ستار نوازی کی طرف مائل ہوئی، اور شعر و سخن کا چسکا پڑا، جعفر علی حسرت سے مشق سخن کی، شعر و سخن کے ساتھ بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی مین بھی نام پیدا کیا، اول اول نواب محبت خان کی سرکار[1] مین نوکر ہوئے، اس کے بعد مرزا سلیمان شکوہ کے دربار تک رسائی ہوگئی، میر انشاء اللہ خان کی اور ان کی صحبتین خوب گرم رہتی تھین،

[1] نواب محبت خان حافظ رحمت خان کے بیٹے تھے، حافظ رحمت خان کی شہادت کے بعد چند روز شجاع الدولہ نے ان کے سب بیٹون کو الہ آباد مین نظر بند رکھا، آصف الدولہ کے وقت مین رہائی ہوئی اور انھون نے لکھنؤ مین بود و باش اختیار کی، نواب نے الکا وظیفہ مقرر کردیا، خوشرو و خوشخو جوان تھے، میرحسن و مصحفی وغیرہ انکی مروت، اہلیت اور خوش اخلاقی کے مداح و ثناخوان ہین، ان کو شعر و سخن سے بیحد ذوق تھا، فارسی اور اردو مین فکر کرتے تھے، اور جعفر علی حسرت سے مشق سخن کی تھی، مسٹر جانسین کی فرمایش سے کسی پیو کا قصہ نظم کرکے اسکا نام اسرار محبت رکھا تھا، دیوان ان کا تمام اصناف سخن پر مشتمل ہے،

(بقیہ صفحہ آیندہ پر)

دیوان اِن کا چھپ گیا ہے، اس مین ہر طرح کی غزلین، رباعیان، مخمس، مستزاد، واسوخت، ہجوین، اور تاریخین ہین، دیوان مین رطب و یابس بہت نہین ہی،

آزاد نے ٹھیک لکھا ہی کہ جو استادون کے طریقے پائے ہین، انھین سلیقے سے کام مین لائے ہین اُسپر کثرت مشق نے صفائی کا رنگ دیا ہی، کہ سب کوتاہیون کا پردہ ہو گیا، اور ان کو خود صاحب طرز مشہور کر دیا،

آخر عمر تک لکھنؤ مین رہے، اور وہین ۱۲۲۵ھ مین فوت ہوئے، ناسخ نے تاریخ کہی، ع

ہاے ہندوستاں کا شاعر موا

(بقیہ خاتمہ) دیر سے مجکو نہ کچھ کام نہ کعبہ سے غرض کیون گلہ کرتے ہوا ے گبر و مسلمان میرا



جس کو تری آنکھون سے سروکار رہے گا بالفرض جیا بھی تو وہ بیمار رہے گا



بیکسون کی خاک پر جوشش سے آتا ہی جو ابر اے فلک آنے دے وہ بھی آن کر رہ جائیگا



درد کس کا مرے پہلو مین خلش کرتا ہے یا الٰہی مجھے کیون رات دن آرام نہین
عاشقی کا تو تری نام ہر اک لیتا ہے پر محبت سا کوئی عشق مین بدنام نہین



الفت مین جس کو اشک بہانے کی خو نہ ہو اوس کو خدا کرے کہ کہین آبرو نہ ہو



جو چاہے ہوش تو بیہوش ہو جام محبت سے یہ بیہوشی ہو ایسی جس سے ہشیاری نہین جاتی

یاد آتا ہے تو کیا پھرتا ہون گھبرایا ہوا　　چنپئی رنگ اوس کا اور جوبن وہ گدرایا ہوا
بات ہی اول تو وہ کرتا نہین مجھ سے کبھی　　اور جو بولے بھی ہے کچھ منہہ سے تو شرمایا ہوا

مرے اور اوسکے جو پوچھو ربط کیا کیا کچھ نہ تھا　　پر دل اوس کا پھر گیا ایسا کہ گویا کچھ نہ تھا

آئے جو مرے پاس تو منہہ پھیر کے بیٹھے　　یہ آج نیا آپ نے دستور نکالا

تجکو ہم اسلئے کہتے تھے کوئی دم مت جا　　چل بسے ہم نہ ترے چلتے ہی چلتے دیکھا
اس کا بیمار نہ نکلا کبھی گھر سے جرأت　　گھر سے تابوت ہی آخر کو نکلتے دیکھا

جستجو مین دل کے بہلانیکے جی کھونا پڑا　　جو ہنسی کی بات تھی اوس کا ہمین رونا پڑا

تشبیہہ کس مزے سے ہین لذت کو اوسکی دون　　کچھ دل ہی جانتا ہے مرا دل کی چاہ کا

فصلِ گل گرچہ ہزار آئی پر اپنا جرأت　　دلِ پژمردہ نہ جون غنچۂ تصویر کھلا

اور تو کیا مشغلے ہین ہجر مین تیرے مگر　　دل کی بیتابی سے سو سو بار اوٹھنا بیٹھنا

ہم اسیرانِ قفس کیا کہین خاموش ہین کیون　　راہ لگ اپنی چل اے بادِ صبا تجکو کیا

نزع مین بھی تری صورت کو نہ دیکھا افسوس مرتے مرتے بھی نہ ارمان نظر کا نکلا

خدا جانے کریگا پاک کس کس کے گریبان کو ادا سے اون کا چلنے مین اٹھا لینا یہ دامان کا

چین کیا ہو خانہ ہستی مین خاک جو یہان آیا مکدر ہی گیا

سر دیجے راہ عشق مین پر منہ نہ موڑیے پتھر کی سی لکیر ہے یہ کوہکن کی بات

گیا وہ دل ہی پہلو سے کہ جس کو کبھی روتے تھے چھاتی سے لگا کر

دل ہی اوس کافر کا پتھر ہو تو کوئی کیا کرے ورنہ ایسی آہ سوزان بے اثر میری نہین

قیس و فرہاد کی تھی ایک ہی منزل لیکن وہ بیابان کی گیا راہ وہ کہسار کی راہ

تو نے اس باغ مین دم بھرنے کی مہلت پائی اے صبا ہم نے تو اتنی بھی نہ مہلت پائی

وصل کے دن مین بھی مین کانپ اٹھتا ہون بیٹھے بیٹھے یاد آتے ہین وہ صدمے جو شب ہجران کے

نہ سامان اوٹھے رہنے کا نہ کچھ امید طالع سے دل بیتاب سے کس منہ سے کہئے ٹک تحمل کر

دو رسے کل ہم نے اوس کے آستان کو دیکھکر　　رو دیا کن حسرتون سے آسمان کو دیکھکر،

ہم اسیرون کو ملا ہے تنگ یان ایسا قفس　　زیر گردون ٹک زمین پر تلملا سکتے نہین

جو دیکھا مضطرب مجکو تو محفل مین کسی ست وہ　　یہ کہتا تھا کہ ہو لطفِ محبت راز دارون مین

اے ستم ایجاد کب تک یہ ستم دیکھا کرین　　تو کرے غیرون سے باتین اور ہم دیکھا کرین

دلِ وحشی کو خواہش ہی تمھارے در پہ آنیکی　　دیوانہ ہو ولیکن بات کہتا ہے ٹھکانے کی

ناصح مین اور ہم مین ہین طرفہ صحبتین　　ہم کچھ نہین سمجھتے وہ سمجھائے جاتے ہے

پوچھا یہان تلک کہ ہوا تنگ نامہ بر　　لذت ملی جو یار کے دشنام سے مجھے

کیا کہون جرأت مین اوس صیاد قاتل کا گلہ　　دام سے چھوڑا تو چھوڑا توڑ کر بازو مجھے

جوشِ گل چاک قفس سے دمبدم دیکھا کئے　　سب نے لوٹی ہین بہارین اور ہم دیکھا کئے

مستزاد کا رنگ ملاحظہ ہو،

جادو ہی نگہ جھپ ہی غضب قہر ہے مکھڑا - اور قد ہی قیامت،

غارت گرِ دین وہ بتِ کافر ہے سراپا۔ اللہ کی قدرت
اٹکھیلی ہے رفتار مین گفتار کی کیا بات ۔ ہر بات جگت ہی
اور رنگ رخِ یار ہے گویا کہ بھبھوکا ۔ بھر تپیہ ملاحت ،
ہین بال یہ بکھرے ہوئے مکھڑے پہ دھوان دھار۔ جون دودِ شعلہ
حسنِ بتِ کافر ہے خدائی کا جھمکڑا۔ ٹک دیکھو صورت
ابرو فن خونریزی مین اوس کے ہین غضب طاق۔ شمشیر برہنہ
آنکھون کا یہ عالم ہے کہ آنکھون سے نہ دیکھا، افسون ہی اشارت
کان ایسے کہ کانون سے سنے ویسے نہ اب تک۔ نے آنکھون سے دیکھے
بالے کے تصور مین مجھے گھیرے ہے گویا۔ اک حلقۂ حیرت
بینی یہ خوش اسلوب کہ نتھنون کی پھڑک دیکھ۔ تڑپے ہی دو عالم
ہے اوس کو لبِ یار کے بوسہ کی تمنا۔ ارمان ہی حسرت
دانتون کی صفا کیا کہون موتی کی لڑی ہی، لب لعل کے ٹکڑے
مسی ہے بلا تسپہ رکھے پان کا بیڑا۔ سو شوخی کی رنگت
دل خون کرے وہ دستِ حنا بستہ بھرا وہین ہمرن کی ہین جاے
ہے وضع تو سادی سی پہ کیا کیا نہین پیدا۔ شوخی و شرارت
اس اُبھرے ہوئے گات کی کیا بات جسے دیکھ سب ہاتھ ملین ہین
اور ہاے ری ہر بات مین گردن کا وہ ڈورا۔ ہے دامِ محبت
ہے عشوہ و انداز و ادا ناز و کرشمہ۔ اور گرمی و شوخی،
ہر عضو پہ آنکھ اٹکے وہ کافر ہے سراپا۔ اک موہنی مورت

میر انشاء اللہ خان انشا،

میر انشاء اللہ خان خلف میر ماشاء اللہ خان نجفی الاصل مرشد آبادی المولد لکھنوی المدفن دیوانی دارد مشتمل بر اصنافِ سخن وہیچ صنف را بطریقہ راسخہ شعر انگفتہ اما در شوخی طبع و جودتِ ذہن او سخنی نیست، ام گلشن بیخار،

غزلوں کا دیوان عجب طلسمات کا عالم ہی، زبان پر قدرت کامل، بیان کا لطف، محاورہ کی نمکینی، ترکیبوں کی خوشنما تراشین، دیکھنے کے قابل ہین، مگر یہ عالم ہو کہ ابھی کچھ ہین ابھی کچھ ہین، جو غزلین یا غزلوں کے اشعار با اصول ہو گئے وہ ایسے ہین کہ جواب نہین، اور جہان طبیعت اور طرف جا پڑی وہان ٹھکانا نہین، ام آب حیات،

نواب مصطفےٰ خان مرحوم کا بھی یہی مطلب ہو کہ جو آزاد نے سمجھا ہے، پھر معلوم نہین کہ ایک دوسری جگہ یہ کیا لکھ دیا ہو کہ "نواب مصطفےٰ خان شیفتہ کا گلشن بیخار جب دیکھتا ہون تو خار نہین کٹار کا زخم دل پر لگتا ہی، سید موصوف کے حال مین "ہیچ صنف را بطریقہ راسخہ شعر انگفتہ"

میر انشاء اللہ خان کی ولادت مرشد آباد مین ہوئی، اِن کے والد میر ماشاء اللہ خان فضیلتِ علمی کے ساتھ شاعر بھی تھے، انھون نے بیٹے کی تعلیم مین اپنی طرف سے کوتاہی نہین کی، یہ بھی بلا کے ذہین و ذکی تھے، تھوڑے دنون مین فارسی اوس کے بعد عربی مین خاصی استعداد پیدا کرلی، طبابت کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ اون کی خاندانی چیز تھی، شاعری کی طرف آئے تو آندھی کی طرح آئے عربی فارسی اور ریختہ تینون زبانون مین طبع آزمائی کی، بہار الدین عاملی کی نان وحلوا کے جواب مین شیر وبرنج تیار کی، حقیقت مین جو بہت مزیدا

ہے، نواب سعادت علیخان کے شکار کا حال ایک مثنوی مین لکھا ہی، وہ بھی اچھی ہی،
مگر زیادہ توجہ ریختہ کی طرف رہی اور اخیر اخیر مین اسی کو اپنے فضل و کمال کا جولانگاہ
قرار دیا، یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان مین تباہی کا سیلاب ہر طرف آیا ہوا تھا، یہ مرشد آباد سے
دلی آئے۔ بقول آزاد، اس وقت دلی کا دربار ایک ٹوٹی پھوٹی درگاہ اور سجادہ نشین اس کے
شاہ عالم[1] بادشاہ تھے، شاہ عالم نے شفقت کا ہاتھ اُن کی طرف بڑھایا، یہ دربار مین داخل ہوئے
اور چند روز دلی مین ہنسی خوشی رہے۔

---

[1] شاہ عالم کا نام عالی گوہر تھا والد عزیز الدین عالمگیر ثانی عماد الملک وزیر کے ہاتھوں شاہ شطرنج بنے ہوئے بے بسی کی زندگی بسر کر رہے تھے عالی گوہر سے باپ کی مجبوری اور اپنی تباہی دیکھی نہ گئی کسی بہانے سے نکل کھڑے ہوئے کچھ دنون نواب نجیب الدولہ سے ساز باز کرنے مین لگے رہے۔ اس کے بعد نواب شجاع الدولہ کے مشورہ سے نواب محمد قلی خان صوبہ دار الہ آباد نے ان کو بلایا۔ اور ان کے جھنڈے تلے فوجین فراہم کر کے عظیم آباد پر چڑھائی کر دی، وہان راجہ رام نراین ناظم بنگالہ کی حیثیت سے صوبہ بہار کا حاکم تھا، اس نے قلعہ مین محصور ہو کر یہ مشہور کیا کہ نواب جعفر علیخان کرنل کلف کو لئے ہوئے مدد کو آرہے ہین۔ محمد قلی خان عظیم آباد تک پہنچ چکے تھے، اور مورچہ قائم کر لئے تھے۔ مگر اس خبر سے انکی ہمت جاتی رہی۔ عالی گوہر کا دائرہ دولت کرم ناسہ ندی کو عبور کر کے صوبۂ بہار مین داخل ہوا ہی تھا کہ باپ کے قتل کئے جانے کی خبر آئی، وہین کے وہین ۱۱۷۳ھ مین شاہ عالم کا لقب اختیار کر کے بادشاہ ہو گئے،

نواب شجاع الدولہ کو قلمدانِ وزارت نواب نجیب الدولہ کو امیر الامرائی کا خلعت روانہ کیا، نواب منیر الدولہ کو سفارت کے عہدہ پر نامزد کر کے احمد شاہ درانی کے دربار مین بھیجا، اور خود بدولت ایک مدت تک صوبہ بہار کے لئے ہاتھ پاؤن مارتے رہے، کبھی فتح اور کبھی شکست ہوتی رہی، اور نواب شجاع الدولہ دور سے بیٹھے بیٹھے گھاتین بتاتے رہے،

جب نواب قاسم علی خان عالیجاہ کی انگریزون سے بگڑ گئی اور وہ شکست کھا کر (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

نوجوانی مین جو امنگین انسان کو ہوا کرتی ہین وہ ان کو بھی تھین، مگر اس وقت دلی مین کیا دھرا تھا، جی اچاٹ ہوا تو لکھنؤ پہنچے، اور مرزا سلیمان شکوہ کے دربار مین رسائی پیدا کی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۴) شجاع الدولہ کے پاس چلے آئے تو شجاع الدولہ نے ان کے زر و جواہر پر قبضہ کیا، اس کے بعد شاہ عالم کو آگے رکھکر انگریزون سے لڑنے کو نکلے، جس کا انجام یہ ہوا کہ بکسر کے مقام پر ان کو شکست فاش ہوئی، شجاع الدولہ بھاگ کر روہیلکھنڈ آئے، اور انگریزون نے شاہ عالم سے دیوانی سرسہ صوبہ بنگال کی سند حاصل کرکے چھبیس لاکھ روپیہ نقد اور صوبہ الہ آباد و چکلہ کوڑا پر بادشاہ سے فیصلہ کر لیا،

شاہ عالم وہان سے الہ آباد آئے، اور سات برس یہان رہے، اس کے بعد نواب منیرالدولہ کو یہان کا انتظام سپرد کرکے ۱۱۸۵ھ مین دلی تشریف لے گئے، وہان پہنچکر مرہٹون کی مدد سے نواب ضابطہ خان خلف نواب نجیب الدولہ پر فوج کشی کر دی، اور مرہٹون نے اس کا سارا ملک دبا لیا ضابطہ خان نے بھاگ کر شجاع الدولہ کے پاس پناہ لی، اور چند دنون کے بعد تکوجی راو ہولکر کی سفارش سے دربار شاہی مین باریابی حاصل کی،

صوبہ الہ آباد کا یہ انجام ہوا کہ نواب منیرالدولہ کے مرنے کے بعد شجاع الدولہ نے اوس پر قبضہ کر لیا، اور چند سال تک وہان کی آمدنی بادشاہ کو بھیجتے رہے، اوس کے بعد یہ بھی بند کر دی

ضابطہ خان کا بیٹا غلام قادر بادشاہ سے دلی عناد رکھتا تھا، اوس نے سنہ ۱۲۰۲ھ مین ایک دن موقع پا کر بادشاہ کو تخت سے کھینچکر پچھاڑ دیا، اور پیش قبض سے انکی دونون آنکھین نکال لین، اور بیدار بخت پسر احمد شاہ کو تخت پر بٹھا دیا، شاہ عالم سلطنت کے ساتھ نور بصارت سے بھی محروم ہو گئے، مہاراجہ سندھیا کو خبر ہوئی تو فوراً فوج بھیجی، جس نے قلعہ پر قبضہ کرکے شاہ عالم کو دوبارہ تخت پر بٹھایا، اور غلام قادر کو بھاگتے ہوئے پکڑ کر ہاتھ پاؤن کاٹ کاٹ کر بڑے عذاب سے مارا، مگر اس سے کیا ہوتا جو ہونا تھا ہو چکا، شاہ عالم نے خود اس واقعہ کو ایک قطعہ مین نظم کیا ہو جو نہایت دردانگیز ہی، چند اشعار اوس کے ملاحظہ ہون،

(بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

وہ شاہ عالم بادشاہ کے بیٹے تھے، انھون نے کچھ تو باپ کا نمکخوار سمجھکر اور کچھ اُن کی بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی کی وجہ سے ان کی سر پرستی کی اور اپنی غزلین اصلاح کے لئے انکو دینے لگے، یہ دوسری فکر مین بھی لگے رہے، آخر کار تفضل حسین خان علامہ کی سفارش سے نواب سعادت علیخان کے دربار مین رسائی حاصل ہوئی، اوران کا ستارۂ اقبال چمکا، پھر تو ایسے شیر و شکر ہوئے کہ نواب کو ان کے سوا کسی کی بات مین مزا ہی نہ آتا تھا،

بقیہ حاشیہ ص ۲۵۵

صرصرِ حادثہ برخاست پئے خواریِ ما | داد برباد سر و برگ جہانداریِ ما
آفتاب فلکِ رفعتِ شاہی بودیم | بر دو در شام زوال آہ سیہ کاری ما
چشم ما کندہ شد از دست فلک تیرہ شد | تا نہ بینیم کہ کند غیر جہانداری ما.
داد افغان بچہ شوکت شاہی برباد | کیست جز ذات مبرا کہ کند یاریِ ما

اس واقعہ کے بعد بڑی بے لطفی سے شاہ عالم نے زندگی بسر کی، برائے نام وہ تخت پر تھے، اور حقیقت مین مرہٹون کا راج تھا، چارون طرف لوٹ مار جاری تھی، کوئی متنفس ایک گھڑی بھی چین سے سانس لینے کی قدرت نہین رکھتا تھا، بادشاہ شعر و سخن سے اپنا دل بہلا بہلا کر رہتے تھے، یہان تک کہ ۱۲۲۱ھ مین اس مخمصہ سے ان کو نجات ملی، اردو کا کلام ان کا ملاحظہ ہو.

کیجئے ہمدم بھلا کیونکر نہ شکوہ یار کا | ہم تو بندے اسکے ہون وہ یار ہو اغیار کا
خانۂ دل کو جلایا اک نگہ سے اوس نے آہ | ہو جیو یارب برا اس چشم آتشبار کا
دیکھکر کل نبض میری یون لگا کہنے طبیب | کوئی بھی جانبر ہوا بیمار اس آزار کا



صبح اُٹھ جام سے گذرتی ہو | شب دل آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے | ابتو آرام سے گذرتی ہے

مگر نواب کا مزاج قدرتی طور پر تتین و نجیدہ واقع ہوا تھا، پھر امور ملکی و مالی کا سرانجام وہ اپنے ہاتھون سے کرنا چاہتے تھے، اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جو حصۂ ملک انھون نے شوقِ حکمرانی کی گھبراہٹ مین اپنے ہاتھ سے کھو دیا تھا، اوس کا کانٹا ہر وقت اون کے دل مین چبھتا رہتا تھا، میر انشا اعتدال سے بڑھکر منہ زور تھے، اور ضرورت سے زیادہ ان مین تمسخر تھا، اس وجہ سے نواب کے ساتھ زیادہ دنون تک نبہ نہ سکی، ۱۲۲۵ھ مین اقبال نے منہ موڑا، یہ دربار سے نکالے گئے،

آزاد کہتے ہین کہ ایک دن نواب سعادت علیخان نے انھین بلا بھیجا، گھر پر نہین ملے، خفا ہو کر حکم دیا کہ ہمارے سوا کسی کے یہان نہ جایا کرو، اس قیدِ بے زنجیر نے انھین بہت دق کیا، تازہ مصیبت یہ ہوئی کہ تعالی اللہ خان جوان بیٹا مرگیا، اس صدمہ سے حواس مین فرق آگیا، یہان تک کہ ایک دن سعادت علیخان ان کے مکان کی طرف سے نکلے، کچھ غم و غصہ کچھ دل کے بے قابو ہو جانے سے سرِ راہ کھڑے ہو کر سخت سست کہا، نواب نے جاکر تنخواہ بند کر دی،

اسکے بعد مرزا سعادت یارخان رنگین سے نقل کیا ہی کہ لکھنؤ مین انشا کے وہ وہ رنگ دیکھے، جن کا خیال کر کے دنیا سے جی بیزار ہوتا ہی، ایک تو وہ اوج کا زمانہ تھا کہ نواب کی ناک کے بال تھے، دروازے پر گھوڑے ہاتھی پالکی نالکی کے ہجوم سے راستہ نہ ملتا تھا، دوسری وہ حالت کہ ظاہر درست تھا، مگر درختِ اقبال کی جڑ کو دیمک لگ گئی تھی، نواب کا حکم تھا کہ سوا دربار کے، گھر سے نہ نکلین تیسری بار گیا تو ان کو ایک مشاعرہ مین اسطرح دیکھا کہ ایک شخص میلی کچیلی روئی دار مرزئی پہنے سر پر ایک میلا سا پھینٹا، گھٹنا پاؤن مین، گلے مین بیکون کا توڑا ڈالے ایک گگر کا حقہ ہاتھ مین لئے آیا، توڑے مین سے ایک کاغذ نکالا، غزل پڑھی اور کاغذ پھینک کر چلدیئے[1]

[1] آزاد نے انشا کی وہ مشہور غزل اس جگہ نقل کی ہی جو اس موقع کے لئے نہایت موزون ہی، (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

چوتھی بار جو گیا تو پوچھتا ہوا گھر پہنچا، ڈیوڑھی پر دستک دی، اندر سے کسی بڑھیا نے پوچھا کون ہے؟ مین نے نام بتایا، وہ ہٹ گئی مین اندر گیا، دیکھا کہ ایک کونے مین بیٹھے ہین، تن برہنہ ہے، دونون زانوؤن پر سر دھرا ہے آگے راکھ کے ڈھیر ہین، ایک ٹوٹا ساحقہ پاس رکھا ہے، یہ دیکھکر بے اختیار دل بھر آیا، مین بھی وہین زمین پر بیٹھ گیا، اور دیر تک رویا، جب جی ہلکا ہوا تو مین نے پکارا سید انشا، سید انشا سر اٹھا کر اس نظر حسرت سے دیکھا جو کہتی تھی کہ کیا کرون آنکھ مین آنسو نہین، مین نے کہا کیا حال ہے؟ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا کہ شکر ہے پھر اسی طرح سر گھٹنون پر رکھ لیا کہ نہ اٹھایا،

آزاد نے انشا کے مجنون ہو جانے اور ایڑیان رگڑ رگڑ کر مرنے کی ایسی دردانگیز تصویر کھینچی ہو کہ اس کو انھین کے الفاظ مین پڑھو تو دل بے قابو ہو جاتا ہو، اور حقیقت مین دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہو، مگر ایسا معلوم ہوتا ہو کہ یہ آزاد کی زری جادو طرازی ہو، حیات دبیر کے مصنف نے مرزا اوج کی زبانی لکھا ہو جو میر انشاء اللہ خان کے نواسے تھے کہ سید انشا نہ مجنون ہوئے نہ ان کی تنخواہ بند کی، صرف اتنا صحیح ہو کہ نواب سعادت علیخان نے حکم دیدیا تھا کہ وہ سوا دربار کے اور کہین نہ آئین جائین، اور دربار مین بھی اس وقت حاضر ہون جب ان کو بلایا جائے، انشا نے اسی سبب بیجا کی طرف اس شعر مین اشارہ کیا ہو،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۷) اور اس کا ایک شعر یہ ہی،

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی ۔۔۔ تجھے اٹکھیلیان سوجھی ہین ہم بیزار بیٹھے ہین،

مگر واضح رہے کہ یہ غزل انشا کی اوس زمانے کی تصنیف نہین ہی جو ان کے جنون اور بیچارگی کا زمانہ بیان کیا جاتا ہو، مین نے اس غزل کے چند اشعار تذکرۂ مصحفی مین پڑھے ہین جو اوس زمانہ مین لکھا گیا ہو، جس وقت انشا لکھنؤ پہنچے بھی نہ تھے، مصحفی نے تذکرہ مین وہان تک کا حال لکھا ہو کہ وہ مرشدآباد سے دلی آچکے ہین، اور مرزا اعظم بیگ وغیرہ شعراے دلی سے معرکے در پیش تھے، ا ھ،

بدون حکم وزیر الممالک اے آغا   چسان کنم حرکت نوکری است یا بازی

تذکرہ خازن الشعرا مصنفہ سید میر نجان الہ آبادی کے چند اقتباس اردوی معلی کی تیرھوین جلد مین شائع ہوئے ہین، اون مین سید انشا کا بھی تذکرہ نظر سے گذرا، اور ایک نئی بات معلوم ہوئی کہ جس زمانہ مین انشا اور مصحفی مین جھگڑا ہوا اور ہجو تک نوبت پہنچی تو نواب وزیر نے انشا کو لکھنؤ سے چلے جانے کا حکم دیدیا تھا، وہ حیدر آباد گئے، اور اثنائے راہ سے ایک عریضہ شاہ محمد اجمل الہ آبادی کی خدمت مین بھیجا، اون کی درخواست پر شاہ صاحب نے اپنے خاندانی اعمال انکو لکھ بھیجے، چند دنون کے بعد نواب وزیر نے ان کو پھر لکھنؤ بلوا لیا، یہان پہنچکر شاہ صاحب کی خدمت مین انشا نے شکریہ کا خط بھیجا جو سید میر نجان کو لکھتے وقت دستیاب نہین ہوا،

"ہنگامے کہ فیما بین تیر و میان مصحفی مناقشہ واقع شد و نوبت ہجو رسید وزیر الملک تیر را از لکھنؤ رخصت انصراف داد و ایشان بحیدر آباد رفتند، از اثنائے راہ عریضہ بخدمت جد امجد علیہ الرحمہ ارسال نمودند و دران یک بیت ہم بود، ؎

یون ہی بے شغل ہمارا کوئی دل رہتا ہو   ایک قاتل اسے ہر آن مین مل رہتا ہو،

حضرت مرحوم بجوابش تحریر فرمودند، ؎

خوش باش دلت چرا خرا شد

انشاء اللہ خیر باشد و چیرے از ادعیہ و اعمال مجرب بحسب طلب تیر نیز ارسال فرمودند، بعد عرصہ قلیلے نواب وزیر تیر را بہ لکھنؤ طلب فرمود، تیر بلکھنؤ رسیدہ خط شکر گذاری بحضرت جد مرحوم نوشت ہنگام جمع این ترجمہ آن خط باوجود تلاش بسیار بدست نیامد،"

بہر حال اس مین شبہہ نہین کہ آخر مین نواب وزیر انشا سے ناخوش ہو گئے تھے، تنخواہ جاری رہی، مگر آزادی سے محروم ہو کر ۱۲۳۳ھ مین دنیا کے مخمصون سے نجات پائی،

کلیات ان کا چھپ گیا ہی، اُس مین دیوان فارسی کا ہی، ایک اردو کا جسین قصیدے غزلین، قطعے، خطوط منظوم، رباعیان، پہیلیان، چیستانین، ہجوین اور چھوٹی چھوٹی مثنویان ہین، فارسی اردو کے سوا ہندوستان کی مختلف زبانون مین کچھ کچھ کہا ہی، بقول آزاد ابھی پنجاب مین کھڑے ہین، ابھی پورب مین بیٹھے باتین کر رہے ہین، ابھی برج بھاشی ہین ابھی مرہٹے، ابھی افغان، ابھی کشمیری، چند ساعت بھی اپنے رفیق تمسخر سے جدا نہین ہوتے،

آزاد نے بطور معذرت کے میان بیتاب کا یہ قول نقل کیا ہی کہ "سید انشا کے فضل وکمال کو شاعری نے کھویا، اور شاعری کو سعادت علیخان کی مصاحبت نے ڈبویا" مگر مین اس کو تسلیم نہین کرتا، وہ یہ کہتے کہ اون کی شاعری کو تمسخر نے ڈبویا تو یہ بات ماننے کے قابل ہوتی میر انشا کو نواب تک رسائی نہین ہوئی تھی، جب بھی تو یہی میر انشا تھے جو مرزا سلیمان شکوہ کے مکان کے پاس لبِ دریا ایک ہنت دھرم مورت بنکر جا بیٹھے، اور خوب زور وشور سے اشلوک پڑھنے اور منتر جپنے شروع کر دیئے، جو لوگ اشنان کے لئے آتے وہ الغرض خواہ مخواہ مرد آدمی دیکھکر انھین کی طرف جھکتے، تھوڑی دیر مین اناج آٹا پیسے کوڑیون کے ڈھیر لگ گئے وہ بھی اس قدر اور سب سے زیادہ (دیکھو آبحیات صفحہ ۲۹۲)

اصل بات وہی ہی، جس کو آزاد نے کتاب مین نہین حاشیے مین بیان کیا ہی کہ "ان کے بزرگون کو سرکار سے شہدون کے تقسیم وظائف کی خدمت سپرد تھی، ان کے بھائی جب دلی مین آئے تو وہ بھی ایک پارہ کا کنٹھا گلے مین پہنے تھے، چنانچہ میر انشا اللہ خان نے آزادون کے انداز مین مستزاد لکھکر داد زباندانی کی دی ہی، سید انشا کی ذکاوت اور جودتِ ذہن مین کچھ شبہہ نہین، بچپن مین انسان کی طبیعت اخاذ ہوتی ہی، شہدون کی باتین بچپن سے اُن کے کانون مین پڑی ہونگی، ان کی ہنسانے والی باتون نے غیر محسوس طریقہ پر اُنکی طبیعت پر

قابو پالیا، اور انھین باتون کا جلوہ ان کی زندگی کے تمام کارنامون مین نمایان ہو۔ نواب سعادت علیخان جیسے خشک مزاج کو اس مین مطلق دخل نہین۔

میرا تو یہ خیال ہو کہ سید انشا جیسا ذہین و ذکی آدمی اگر اپنی طبیعت پر قابو رکھتا ہوتا تو سعادت علیخان کے مزاج مین درخور ہو جانے پر وہ کوئی اور چیز بنجاتا، اور اس کا دیوان لطائف و ظرائف سے مالامال ہونے کی جگہ ملک کے سامنے آج ایک نیا نمونہ پیش کرتا۔

وہ قصیدہ دیکھو جو جارج سوم کی تہنیت جشن مین کہا ہو، اس کو نواب سعادت علیخان کی مصاحبت کا ثمرہ کہو تو بجا ہو۔ اسی کے ساتھ اس کا بھی افسوس کرنا چاہیئے کہ ایسا قادر الکلام اگر اپنی طبیعت پر قابو رکھتا ہوتا تو ملک کے لئے کس قدر مفید ثابت ہوتا۔

بکیان پھولون کی تیار کراے بوے سمن، — کہ ہوا کھانے کو نکلین گے جوانان چمن
عالم اطفال بنانات پر ہوگا کچھ اور — گورے کالے سبھی بیٹھین گے نئے کپڑے پہن
کوئی شبنم سے چھڑک بالون پہ اپنے پوڈر — کرسی ناز پہ جلوہ کے دکھاوے گا پھبن
شاخ نازک سے کوئی ہاتھ مین لیکر ایک کیت — ہو الگ سب سے نکالے گا نرالا جوبن
نسترن بھی نئی صورت کا دکھاویگا رنگ — کوچ پر ناز کے جب پانون رکھے گا بن ٹھن
اپنے گیلاس شگوفہ بھی کرین گے حاضر — آکے جب غنچۂ گل کھولین گے بوتل کے دہن
اہل نظارہ کی آنکھون مین نظر آوین گے — باغ مین نرگس شہلا کے ہوائے جوبن
اور ہی جلوے نگاہون کو لگین گے دینے — اودی بانات کی کرتی سے شکوہ سوسن
پتے ہل ہل کے بجادین گے فرنگی طنبور — لالہ لاوے گا سلامی کو بنا کر پلٹن
کھینچ کر تار رگ ابر بہاری سے کئی — خود نسیم سحر آوے گی بجاتی ارگن
اپنی نگینین چمکتی ہوئی دکھلا دین گے — آپڑے گی جو کہین نہر پر سورج کی کرن

نے نوازی کے لئے کھول کر اپنی منقار آکے دکھلاوے گی بلبل بھی جو ہو اسکا فن
ا۔ دلی کے جو گران ڈیل ہین ہونگے سب جمع آن کر اپنا بگل پھونکے گا جب سکھدرشن
آئے گا اندر کو شیشہ کی گھڑی لے کے حباب یاسمین بتون کی پینیں ہین چلی گی بن ٹھن
نکہت آویگی نکل کھول کلی کا کمرا ساتھ ہووے گی نزاکت بھی جو اوسکی بہن
حوض صندوق فرنگی سے مشابہ ہون گے اوس مین ہووین گے پریزاد بھی سب عکس فگن

ایک جگہ گھوڑے کی تعریف مین کہتے ہین،

ہے اس آفت کا سبک سیر کہ راکب اوس کا حاضری کھائے جو کلکتہ تو لندن مین ٹپن،

غزلون کے منتخب اشعار

لگا کے برف مین ساقی صراحی ٔ لا، جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا،

یہ عجب مزا ہے یارو کہ بروز عید قربان وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

دل لگایا ہے کہین انشا نے شاید دوستو اندنون آتا نظر ہے سخت گھبرایا ہوا

گر چہ مے پینے سے کی توبہ ہے مینے ساقی بھول جاتا ہون ولے تیری مدارات کے وقت

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی تجھے اٹکھیلیان سوجھی ہین ہم بیزار بیٹھے ہین

تصور عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر غرض کچھ اور دھن مین اس گھڑی میخوار بیٹھے ہین

بسانِ نقش پاے رہروان کوے تمنا مین — نہین اٹھنے کی طاقت کیا کرین لاچار بیٹھے ہین
بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہی کسے انشا — غنیمت ہی کہ ہم صحبت یہان دو چار بیٹھے ہین



ہے نہان لطف و کرم چینِ جبین کی تہ مین — ہان چھپی صاف ہی اک ان کی نہین کی تہ مین



گر یار مے پلائے تو پھر کیون نہ پیجیے — زاہد نہین مین شیخ نہین کچھ ولی نہین



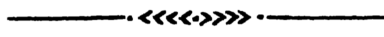
جی مین کیا آگیا انشا کے بیٹھے بیٹھے — کہ پسند اُس نے کیا عالم تنہائی کو



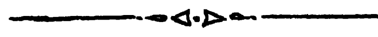
چند مدت سے فراقِ صنم دیر تو ہے — چلو پھر کعبہ ہی ہو آئین ذرا سیر تو ہی



غصے مین تیرے ہم نے بڑا لطف اُٹھایا — اب تو عمداً اور ہی تقصیر کرین گے،



رونے سے اپنے دل کی تپش گرد ہو گئی — دو چار بوندیون مین ہوا سرد ہو گئی



عجیب لطف کچھ آپس کی چھیڑ چھاڑ مین ہی — کہان ملاپ مین وہ بات جو بگاڑ مین ہے



ہوئے ہین خاک سر راہ اوس کی ہم انشا — بڑا غضب ہی جو یہ بھی فلک نہ دیکھ سکے



مرزا سعادت یار خان رنگین،

درشستِ الفاظ و پیچیدگیِ کلمات و درستیِ عبارت و ایزادِ الفاظ مقابلہ صحتِ محاورہ چنان ست کہ ہر چہ گلمائے ہم عہدش از ایزادِ بعض الفاظ ریکیہ ہندی و تنگی نشست آن بعد رفع کلماتِ ثقیلہ قدما جائز بنداشتند و در شعر خود ہا درج کردند آن ہم از اشعار خود برانداخت، ام مہر جہانتاب،

سعادت یار خان نام، رنگین تخلص تھا، ان کے والد مرزا طہماسپ بیگ خان توران سے آکر چند روز لاہور میں نواب حسین الملک میر منو خان کی سرکار میں ملازم رہے، اس کے بعد دلی میں نواب ضابطہ خان اور نواب نجف خان وغیرہ امرائے دربار کے ساتھ نوبت بہ نوبت آسودگی سے زندگی بسر کی،

رنگین کی ولادت سرہند میں ہوئی، مگر نشو و نما دلی میں پایا، سپاہی کے بیٹے تھے شہسواری اور تیراندازی میں خوب کمال پیدا کیا، گھوڑون کے پہچاننے اور اون کے معالجہ میں اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے،

ان کی عمر کا بیشتر حصہ شاہزادون کی مصاحبت میں بسر ہوا کبھی کبھی تجارت کا مشغلہ بھی کر لیتے تھے اسی تقریب سے لکھنؤ کئی بار آئے اور شاہزادہ مرزا سلیمان[1] شکوہ کی سرکار میں ~~ ست و

---

[1] مرزا سلیمان شکوہ خلف شاہ عالم بادشاہ دہلی بڑے علم دوست اور ہنر پرور شاہزادے تھے، باپ کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی جس وقت شاہ عالم سلطنت کے ساتھ غلام قادر کی نمک حرامی سے نورِ بصارت بھی کھو بیٹھے، اس کے دوسرے دن کسی بہانہ سے قلعۂ معلی سے نہایت بے سر و سامانی کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے، رامپور میں نواب فیض اللہ خان نے اپنی حیثیت کے موافق پیشکش نذر گذرانی جس سے کچھ سامان درست کیا، اور ۱۲۰۳ھ میں لکھنؤ پہنچکر تین کوس پر خیمہ کیا، ان سے پہلے مرزا جوان بخت آچکے تھے، اور نواب آصف الدولہ نے اُن کی بڑی آؤبھگت کی تھی (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

و احترام سے عرصہ تک رہے، آخر عمر میں تجارت اور ملازمت سے سبکدوش ہو کر دلی مین گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی، اور وہین ۱۲۵۱ھ مین اسی برس کی عمر پا کر وفات پائی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۴) مگر صحبت برار نہ ہونے سے ان کو بنارس جانے کی تکلیف دی گئی، اسی بنا پر اس مرتبہ نواب نے حاضری سے معذرت کی اور نواب گورنر جنرل پر ٹالا تین مہینے تک مرزا سلیمان شکوہ پانچہزار سوار و پیدل و شاگرد پیشہ کی جمعیت سے لکھنؤ سے تین کوس پر ڈیرے ڈالے ہوئے پڑے رہے، تین مہینے کے بعد لارڈ کارنوالس کی تحریک سے نواب وزیر استقبال کو نکلے، اور شہزادہ کو ہاتھی پر سوار کر کے خود خواصی مین چنور لیکر بیٹھے اور نہایت تجمل کیسا تھ شہر مین آئے اور چھ ہزار روپیہ ماہوار اون کی جیب خرچ کے لئے مقرر کر دیئے، کچھ دنون شہزادے نے رزیڈنسی کے قریب مرزا خلیل کے بنگلہ مین لب بام قیام کیا اس کے بعد جنرل مارٹن کی بڑی کوٹھی خرید کر کے اس مین مستقل سکونت اختیار کی اور عرصہ دراز تک لکھنؤ مین عزت و احترام سے رہے، نواب وزیر عہد بعہد اون سے فدویانہ سلوک کرتے رہتے تھے خود نواب آصف الدولہ باوجود تنعم و نازپروردی پانچون ہتھیار لگائے ایک ایک لاچی اور گلوری کی نوازش پر آداب گاہ جا کر بار بار آداب بجا لاتے تھے، جب نواب غازی الدین حیدر نے لارڈ ماٹرا کے زمانے مین گورنمنٹ انگریزی کے اشارے سے خطاب بادشاہی قبول کیا تو اون کو خواہش ہوئی کہ مرزا سلیمان شکوہ مساویانہ حیثیت سے ملاقات کرین، جان بیلی رزیڈنٹ لکھنؤ نے شاہزادہ سے کہلا بھیجا کہ اب تک نواب وزیر تھے وہ بآداب وزارت حاضر ہو کر نذر دیا کرتے تھے اور خلعت پہنتے تھے اب بحکم گورنمنٹ انگریزی وہ بادشاہ ہوئے ہین، لہذا اُن سے حضور مساویانہ حیثیت سے ملین، شاہزادہ نے کہلا بھیجا کہ بہتر ہے مین ملاقات کرون گا تو اسی طرح سے کرونگا، پھر رزیڈنٹ نے کہلا بھیجا کہ کل بادشاہ اور قدسی ملنے کو آئینگے ملاقات کے وقت اس کا لحاظ رکھا جائے، شاہزادہ کو ناگوار ہوا مگر مجبور دوسرے روز بادشاہ اور رزیڈنٹ مع امرا و ارکان دولت شاہزادہ کے جلوخانہ مین تشریف لائے، نواب ناظر نے چلمن اٹھائی اور حسب دستور آواز دی اہل دربار خبردار ہو جاؤ حضور برآمد ہوتے ہین، شاہ اودھ نے موافق اپنی عادت قدیم کے ذرا خم ہو کے سلام کیا اور ادھر چوبدار نے آواز دی صاحب عالم و عالم پناہ سلامت شاہزادہ نے سلام کا جواب بطریقہ اسلام دیا، (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

شعر و سخن کا شوق عنفوانِ شباب سے تھا، شاہ حاتم سے مشقِ سخن کی اور چند دنون کی محنت و جانکاہی مین اپنے بہت سے ہمعصرون سے آگے نکل گئے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۵) فقط یہ کیا کہ دہنے ہاتھ مین شاہ اودھ کا ہاتھ، بائین مین رزیڈنٹ کا ہاتھ لیکر دیوان خاص مین ایک دنگل پر اپنے پاس شاہ اودھ کو بٹھا لیا، رزیڈنٹ سامنے کرسی پر بیٹھے، فرمایا کہ سرکار کمپنی کی خوشی ہوگئی، ہمارا محل قریب المرگ ہے، مین اُس کو سکرات مین چھوڑ آیا ہون، اِس وقت فرصت نہین ہے، پھر ملاقات ہوگی، یہ کہکر اُٹھ کھڑے ہوئے، کشتیان آئین، شاہ اودھ نے ایک شالی رومال اُٹھا کر اپنے کاندھے پر ڈال لیا، اور اسی طرح مکان خاص تک آکر رخصت کیا، مگر دل مین بہت کبیدہ ہوئے، اُس دن سے پھر نصیر الدین حیدر کی شادی تک ملاقات نہین ہوئی بادشاہ کو یہ دھن تھی کہ مین بادشاہ ہوا ہون تو میرے بیٹے کی شادی تیموریہ خاندان مین ہونی چاہئے، جوڑ توڑ لگا کر اور دے دلا کر شاہزادے کے مصاحبون کو ہموار کر کے نصیر الدین حیدر کی شادی مرزا سلیمان کی بیٹی سے کر لی، چھ ہزار پہلے سے تھے، ایکہزار روپیہ ماہوار شادی کے وقت اور پانچہزار مساویانہ ملاقات کے وقت جملہ بارہ ہزار ماہانہ پیشکش مقرر ہو گیا، جب نصیر الدین حیدر بادشاہ ہوئے، اور انھون نے ہاتھ پاؤن نکالے تو ایک لڑکی پر ڈورے ڈالے جسکو شہزادی بیگم نے پرورش کیا تھا اور اُسکا نام قمر چہرہ تھا، پہلے تو گفت و شنید رہی اس کے بعد کٹنی کو بھیج محل سے اُڑ والی، شاہزادہ کو سخت ناگوار ہوا، رزیڈنٹ تک بات پہنچی، اُس نے بادشاہ کو سمجھا بجھا کر قمر چہرہ کو واپس کرا دیا، مگر شاہزادے ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ کرنل کارن رئیس کاسگنج کو بلوا بھیجا، اس کی پوتی شاہزادے کے بیٹے سے منسوب تھی، اسی کے ساتھ کاسگنج چلے گئے، پانچہزار روپیہ جو غازی الدین حیدر نے بوقت ملاقات مساویانہ مقرر کئے تھے، وہ بند ہو کر سات ہزار مین ایکہزار خزانۂ شاہی سے اور چھ ہزار بتوسط رزیڈنٹ شاہزادہ کو ملتے رہے، وہان یہ گل کھلا کہ کرنل صاحب کے بیٹے قمر چہرہ کو لے اُڑے اور الور جا کر عیش کرنے لگے، اس سے شاہزادہ وہان سے بھی دل برداشتہ ہو گئے، اور اکبر آباد جا کر بود و باش اختیار کی، آخر کار ماہ ذی قعدہ سنہ ۱۲۵۳ھ مین مر کر سکندرہ مقبرہ اکبر شاہ تیموری مین مدفون ہوئے،

شاہزادہ کو شعر و سخن کا بہت ذوق تھا، جب تک دلی مین رہے شاہ حاتم کو کلام دکھاتے تھے (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

شوخی اور بذلہ سنجی کے ساتھ رنگین کی طبیعت ایجاد پسند واقع ہوئی تھی، اسی بنیاد پر ریختہ سے ریختی نکالی جس کو ان کے لنگوٹیے یار میر انشاء اللہ خان نے چمکایا، اور لکھنؤ مین یہ رنگ خوب مقبول ہوا،

رنگین ہمہ گیر طبیعت رکھتے تھے، ہر رنگ مین انھون نے اپنے جوہر دکھائے ہین جو اُن کے مجموعۂ تصنیفات کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہی،

رنگین کے مجموعۂ تصانیف کا نام نورتن ہے، جس مین چار دیوان اردو کے ہین، ریختہ، ریختیہ، آمیختہ، انگیختہ، ان مین سے تیسرا دیوان ہزلیات کا ہے، جس مین ایک قصیدہ شیطان کی مدح مین بھی ہی، چوتھا دیوان ریختی کا ہی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۶) لکھنؤ مین ولی اللہ محب شاگرد مرزا رفیع سودا پھر شیخ غلام ہمدانی مصحفی، پھر انشاء اللہ خان کو سرفراز فرمایا،

رہ گئے ہوش و حواس و خرد و طاقت سب　　یون ترے کوچہ سے مین بے سرو سامان نکلا

تیرے بیمار کی سنتے ہین یہ حالت ہی کہ اب　　جو گیا اوس کی خبر کو سو وہ گریان نکلا

جان دی راہ محبت مین الٰہی صد شکر　　بات جو ہم نے کہی تھی سو نباہی صد شکر

غیر کا نام جو تم پیار سے لیتے ہو تو بس　　ایک برچھی ہے کہ پہلو مین چبھو دیتے ہو

جبہ سائی کا نشان جائے جبین سے کیونکر　　کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہین

تاج و تخت اپنے سلیمان کو یا شاہ نجف　　آپ چاہین تو ابھی پل مین دلا سکتے ہین،

علاوہ ازین ان کی پانچ کتابین اور بھی ہین، ایجاد رنگین، فرس نامہ، رنگین نامہ، مجالس رنگین، مثنوی دلپذیر، جو زبان کی صفائی و پاکیزگی مین سحرالبیان کے بعد اُس زمانہ کی بہترین تصنیفات مین شمار ہونے کے قابل ہی،

وہ آیا تھا یہان اے حضرتِ دل بھول کر شب کو — جو تم اوس وقت پہلو سے نہ چلّاتے تو کیا ہوتا
وہان اپنی ہی اپنی پڑگئی اے ہمدمو جاکر — کوئی مطلب کی میری بات فرماتے تو کیا ہوتا
نصیحت رات دن ناصح کیا کرتے ہو ناحق تم — اوسے بھی ایک دن تم جاکے سمجھاتے تو کیا ہوتا

کھینچ لائی ہی اوسے اے کششِ دل یہان تک — بارے صد شکر کہ تجکو بھی یہ مقدور ہوا

جو نالہ رات کو لب سے نہ ہٹ گیا ہوتا — تو ساتھ آہ کے سینہ بھی پھٹ گیا ہوتا

آجو آنا ہی نہین آتا تو دے مجکو جواب — بھیج کر پیغام جھوٹے روز مت حیران کر
دل بغل سے لے گئی رنگین وہ دزدیدہ نگاہ — ورنہ دل دیتا ہی کون اپنا کسی کو جان کر

دل تھا جو لباط اپنی سو گذران چکے ہین — جی نذر کرین جی مین یہ اب ٹھان چکے ہین

نرگس کو وہ چمن مین کیا بھر نگاہ دیکھے، — وہ انکھڑیان نشیلی جس کو خوش آئیان ہون

نبھے گی صحبت اوس سے کس طرح کچھ کہہ نہین سکتے — وہ ہرجائی ہی اور بن شغل ہم بھی رہ نہین سکتے

تجھ سے جس وقت کہ خالی یہ مکان ہتا ہو
مجکو تنہائی مین پہروں خفقان رہتا ہے

جو ترے پاس سے آتا ہی مین پوچھوں ہون یہی
کیون جی کچھ ذکر ہمارا بھی وہان رہتا ہے،

جو کوچے مین اوس نازنین کے نہ ٹھہرے
تو پھر یہ کہو ہم کہین کے نہ ٹھہرے

وہ نہ آئے تو تو ہی چل رنگین
اس مین کیا تیری شان جاتی ہو

دمبدم بسکہ ترا حسن فزون ہے ظالم
روز جی مین ہو کہ کھینچوائیے تصویر نئی

حکیم ثناء اللہ خان فراق

"جوان حلیم و سلیم و خوش فکر و شیرین گفتار استفادہ شعر از خواجہ میر درد کردہ بلکہ ذات شریف را ہمیشہ از کا مین قیاس میکرد آخر پیش چشم فقیر تحصیل علم طب کردہ نام بطبابت بر آوردہ دیوان ریختہ اش شستہ و رفتہ است فقیر در شاہجہان آباد بود ذرا بطۂ دوستی اور وز برو زترقی داشت" تذکرہ مصحفی،

ثناء اللہ خان نام فراق تخلص حکیم ہدایت اللہ خان ہدایت کے بھتیجے تھے، دہلی مین پیدا ہوئے، اور وہین حضرت خواجہ میر درد اور انکے شاگردون اور مریدونکے دامن تربیت مین پرورش پائی،

حکیم قدرت اللہ خان قاسم[1] (متوفی ۱۲۳۶ھ) سے طب کی درسی کتابین پڑھکر

---

[1] حکیم قدرت اللہ خان عباسی قاسم تخلص دلی کے نامور عالمون اور طبیبون مین شمار کیے جاتے تھے (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ)

انھین کے مطب مین نسخہ نویسی کی اور اِس فن مین ایسی استعداد بہم پہنچائی کہ چند روز کے بعد اون کا شمار دلی کے مشہور اور نامور طبیبون مین ہونے لگا، اور دلی جیسے شہر مین یہ مرجع اور مقصد بن گئے،

شعر و سخن سے اون کو خداداد مناسبت ہی، حضرت خواجہ میر دردؔ کی فیضِ صحبت سے اسمین ترقی ہوئی، اور چند روز کی مشق مین انھون نے قدرت کاملہ بہم پہنچائی،

خبر دیتا تھا کس کے وصل سے شوقِ ہم آغوشی ‫ ‫ کہ میرا رات کو کچھ خود بخود بازو پھڑکتا تھا

جون ریگ روان خانہ نشین ہون مین ازل سے ‫ ‫ نہ قصد وطن کا نہ ارادہ ہے سفر کا

دل تھامتا کہ چشم پہ کرتا تری نگاہ ‫ ‫ ساغر کو دیکھتا کہ مین شیشہ سنبھالتا

صاف دل کو کیا اور داغِ جگر کو دھویا ‫ ‫ کام کیا کیا نہ مرے دیدۂ تر سے نکلا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۹) مولانا فخرالدین علیہ الرحمہ سے بیعت تھی، شعر و سخن کا بھی ذوق تھا شعرائے اُردو کا ایک بسیط تذکرہ لکھا ہی جو میری نظر سے نہین گذرا دیوان بھی دیکھنے مین نہین آیا، گلشن بیخار مین جو شعر نواب مصطفیٰ خان نے نقل کئے ہین اُنمین سے

ہمین بھی رخصتِ سیرِ چمن ہو ٹک صیاد ‫ ‫ کہ اب کی شور ہے ظالم بہار آنے کا

وہ آئے بغل مین کہین یا جی ہی نکل جائے ‫ ‫ مٹ جائے کسو طرح تو یا رب خلش دل

جان جاوے یا رہے قائم یہ دیکھین گے اُسے ‫ ‫ ہے ارادہ یہ مصمم دیکھئے کیسی بنے

بعد مرنے کے بھی اِک گردش رہی ہمکو مدام — مشت خاک اپنی رہی تھی کچھ سو پیمانہ بنا،
انگلیان گھس گیئن یان ہاتھون کو ملتے ملتے — لیکن افسوس نوشتہ نہ مٹا قسمت کا
حسرت ذرا بھی دل کی نہ نکلی ہزار حیف — نکلا ادھر وہ گھر سے اودھر جی نکل گیا
سمجھے تھے دام زلف سیہ ہی بلائے جان — پر کیا کرین کہ لے گئی تقدیر کھینچ کر،
خوش آتی ہین پاؤن کی تری ٹھوکرین ظالم — سر کو کبھو قدمون سے اٹھانے کے نہین ہم

کس زلف کا شیدا ہی مرا دل نہین معلوم — کس چشم کا زخمی ہے یہ بسمل نہین معلوم
ہر غنچہ مین بو ہے تری ہر گل مین ترا رنگ — جس پر بھی تری شکل و شمائل نہین معلوم
سمجھائے کسی کے بھی سمجھتے نہین دوانے — کیون پاؤن مین پڑتی ہین سلاسل نہین معلوم
مجنون کے سوا دیکھئے اب دشتِ جنون مین — ہو کون فراق اپنے مقابل نہین معلوم

آنا یہ ہچکیون کا مجھے بے سبب نہین — بھولے سے اوس نے یاد کیا ہو عجب نہین

آنکھ اوس شوخ ستم گر سے لڑا بیٹھے ہین — بس چلے یا نہ چلے جی تو چلا بیٹھے ہین،

تم گالیان جو دو تو مین چٹکی بھی کیا نہ لون — پیارے کسی کا ہاتھ، کسی کی زبان چلے

دور سوم

از طبقہ متوسطین

شاہ نصیر الدین نصیرؔ

پیر زادہ میر صدر جہان است جوان خوش گو فقیر در ایامے کہ در شاہجہان آباد بود اکثر در مشاعرہ می آمد در ہمان عالم نومشقی در طبعش روانی بود حالا میگویند کہ قوت شاعری بسیار پیدا کردہ اھ تذکرۂ مصحفی،

از مدت شصت سال بر سرِ عشق ریختہ است باکثر معمورہائے مشہور مثل لکھنؤ و حیدرآباد مکرر رفتہ و با شعرائے مشتہر ہر دیار برخوردہ و مطارحہ و مشاعرہ کردہ و باستادی نام برآوردہ اھ گلشن بیخار،

شاہ نصیر الدین دلی کے رہنے والے تھے، اِن کے والد شاہ غریب نے تعلیم و تربیت مین پوری کوشش کی، مگر ان کی قسمت مین شاعری کے سوا اور کچھ نہ تھا، طبیعت کا رجحان اِدھر پاکر شاہ محمدی مائلؔ[1] کے شاگرد ہو گئے،

---

[1] شاہ محمدی مائل بھی دلی کے رہنے والے تھے فقر و تصوف کی طرف مزاج مائل تھا، آزاد کہتے ہین کہ مشقِ سخن شیخ قیام الدین قایم سے کی تھی، مگر میر حسن فرماتے ہین کہ شاہ قدرت اللہ کو کلام دکھلاتے ہین گلشنِ بیخار مین بھی ان کو قدرت کا شاگرد لکھا ہی، یہ دلی کی تباہی کے وقت مرشد آباد چلے گئے تھے اور وہین سکونت اختیار کر لی تھی، کیا عجب ہی کہ ابتدا مین شیخ قیام الدین قائم سے اصلاح لی ہو، اور جب مرشد آباد مین رہنے لگے، تو شاہ قدرت اللہ کے شاگرد ہو گئے ہون، کلام کا نمونہ حسب ذیل ہی،

حال کہنے کی نہ دی گریہ نے فرصت رات کو   آج پھر کہیو اسے مائلؔ وہ کیا افسانہ تھا

(بقیہ حاشیہ صفحۂ آیندہ پر)

چند روز کی مشق مین اچھا کہنے لگے شاہ عالم بادشاہ کا زمانہ تھا، وہ خود شاعر تھے. اس وجہ سے بآسانی دربار تک رسائی ہو گئی. شعرائے دربار کے ساتھ یہ بھی طبع آزمائی کرتے رہے،

دربار شاہی سے ان کے بزرگون کے نام چند گاؤن آل تمغا معاف تھے. خاندانی عظمت کے ساتھ اہل کمال کو عیدون اور جشنون مین انعام بھی ملتا رہتا تھا. اس سے گذر ہوتی تھی، مگر انکی بلند پروازی کی آنکھین لکھنؤ اور حیدرآباد کو ڈھونڈھتی تھین، جہان سونے اور چاندی کی گنگا جمنا بہ رہی تھین،

دو بار لکھنؤ آئے پہلی مرتبہ مصحفی اور انشا کا زمانہ تھا. شاعرون مین غزلین پڑھین، اور داد سخن پائی، دوسری بار آئے تو زمانہ پلٹا ہوا پایا. شیخ امام بخش ناسخ نے عہد قدیم کو نسخ کر دیا تھا اور خواجہ حیدر علی آتش کے کمال نے لوگون کو گرما رکھا تھا، اس لئے اون کی جیسی قدر ہونی چاہئے تھی، اس مرتبہ نہ ہوئی،

حیدرآباد مین راجہ چندو لال دیوان[1] تھے، جن کی سخاوت و فیاضی کا گھر گھر چرچا تھا، یہ وہان

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۲) کیا کیا کہون مین تجھ سے دل زار کی ہوس مشہور ہر جہان مین پیار کی ہوس،

کہتا نہ تھا کہ باز آ ہر دم کی اس ہنسی سے آخر گیا نہ ظالم اک بے گناہ جی سے،

---

[1] راجہ چندو لال راجہ راجایان و مہاراجہ بہادر خطاب تھا، قوم کا کھتری تھا، اس کا پردادا امول چند نواب آصفجاہ اول کے ساتھ حیدرآباد گیا تھا، آصف جاہ نے اس کو کڑوڑ گیری کے محکمہ کا افسر اعلیٰ مقرر فرمایا، اوس کے بعد اوسکا بیٹا نیھی رام پھر اس کا بیٹا نانک رام اسی خدمت پر سرفراز ہوا،

نانک رام چندو لال کا چچا تھا، اُس نے چندو لال کو باپ کے مرنے کے بعد پرورش کیا. (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

پہونچے تو ان کے جواہرات نے خاطر خواہ قیمت پائی مگر دلی کا چٹخارہ ایسا نہ تھا کہ انسان بھول جائے

اس لئے انعام و اکرام سے مالا مال ہو کر واپس آئے، اور تین بار پھر گئے۔

سلہ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۳) اور عمدہ تعلیم دلائی، جب نانک رام مرا تو اس کا بیٹا نکھپت رائے مقرر ہوا، وہ دو ہی برس کے اندر مر گیا، اس کی جگہ چندو لال کو ملی، یہ تعلیم یافتہ ذکی و فہیم نہایت محنتی و جفاکش سرکاری کام میں چست و چالاک تھا اور ہر ایک کام کو بذات خود انجام دیتا تھا،

اس نے اپنی ہوشیاری سے دربار آصفجاہی میں رسائی پیدا کی کہ ۱۲۱۲ھ میں کڑپہ وغیرہ ممالک مفتوحہ کا انتظام اور خطاب راجہ بہادر اس کو عنایت ہوا، اور ۱۲۱۹ھ میں پیشکاری کے عہدۂ جلیلہ پر ترقی کی،

اس زمانے میں نواب منیر الملک وزیر تھے انکی ناقابلیت کی وجہ سے سارا انتظام ملکی و مالی اس کے ہاتھ میں آگیا، ۱۲۳۵ھ میں مہاراجہ بہادر کا خطاب، ہفت ہزاری منصب، نوبت گھڑیال، جواہر گران بہا اور جاگیر سے سرفرازی پائی، ۱۲۴۴ھ میں راجہ راجایان کا خطاب ملا، اور باوجودیکہ عہدہ وہی رہا، مگر وزارت اور دیوانی کے اختیارات اس کے قبضۂ اقتدار میں آگئے، نواب منیر الملک صرف خطاب و جاگیر کے مالک تھے،

لکھنؤ میں آغا میر کو جو دسترس و اقتدار حاصل تھا، وہ اس کو حیدر آباد میں ہوا، اور لطف یہ کہ دونوں ہمعصر اور سخاوت و فیاضی میں ایک دوسرے کی نظیر تھے، فرق اتنا تھا کہ آغا میر کی گرم بازاری جوڑ توڑ اور سازش کی بدولت تھی اور یہ اپنی ...بیت کے زور سے کام نکالتا تھا، یہی وجہ ہے کہ آغا میر کا ستارۂ اقبال گیارہ برس چمک کر ماند پڑ گیا، اور اس نے پچاس برس تک والاجاہی کی۔

اس سخاوت و فیاضی کے کارنامے اتنے زبان زد ہیں کہ اون کے لکھنے کی حاجت نہیں، ہمارے بچپن تک کوئی حیدر آباد سے آتا تھا تو لوگ کہتے تھے کہ فلاں شخص چندو لال کے حیدر آباد سے آیا ہے، اگر جاتا تو کہتے کہ چندو لال کے حیدر آباد جاتا ہے گویا حیدر آباد کی نسبت چندو لال کی طرف ہو گئی تھی، اس سے اوسکی نیکنامی اور شہرت کا اندازہ کرنا چاہئے۔

اس کا معمول تھا کہ صبح سے بارہ بجے رات تک مہمات سلطنت میں مشغول رہتا تھا، (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

چوتھی بار جانے کو تھے کہ راجہ چندو لال نے سات ہزار روپیہ بھیجکر بلا بھیجا وہان پہنچے تو پچیس ۲۵ روپیہ یومیہ ان کا مقرر ہو گیا. مگر افسوس ہو کہ اس مرتبہ ان کو دلی آنا نصیب نہین ہوا وہین سنہ ۱۲۵۴ھ مین وفات پائی،

شاہ صاحب نے خود اپنا دیوان مرتب نہین کیا اون کے مرنے کے کچھ دنون بعد میر حسین تسکین کے بیٹے میر عبدالرحمن نے بڑی محنت سے ایک مجموعہ ان کے کلام کا جمع کیا جس کو نواب رامپور نے خرید لیا. مگر حیدر آباد مین اُن کی غزلون کا مکمل دیوان اون کے کسی شاگرد کے پاس تھا، وہ چھپ گیا ہو، اُس مین صرف غزلین ہین. قصائد. قطعات، رباعیان اور مخمس وغیرہ کچھ بھی نہین ہین،

کلام مین شکوہ الفاظ کے ساتھ نئی نئی تشبیہین اور استعارے پائے جاتے ہین، زمینین بھی نئی نئی نکالی ہین، حسین شعر کا سرسبز کرنا ہر کسی کا کام نہین، زبان پسند انشا، اور جرأت کی ہو. کچھ الفاظ ان کے ہان متروک ہین، مگر اتنے نہین ہین کہ ناسخ و آتش کے ساتھ ان کو جگہ دیجائے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۴) اُس کے بعد شعرا و علما حاضر ہوتے اُن سے مشاعرہ و مذاکرہ رہتا اس مین ڈھائی بج جاتے، اس کے بعد خواب گاہ مین جا کر استراحت کرتا تھا،

کم و بیش پچاس برس تک پیشکاری کی خدمت انجام دینے کے بعد سنہ ۱۲۶۹ھ مین مستعفی ہوا، اور سنہ ۱۲۷۱ھ مین بیاسی برس جی کر زندگی سے استعفا دیدیا. فارسی اور اردو دونون زبانون مین طبع آزمائی کرتا تھا، اور شادان تخلص تھا،

نور تھا یا شعلہ تھا یا برق یا خورشید تھا ۔۔۔ کچھ تو اے موسیٰ کہو کیا تھا وہ جلوہ طور کا

شادان وہان بھی کیا ہو حسینون کی انجمن ۔۔۔ جاتے ہین لوگ کیون عدم آباد کی طرف

قدر نے دی ہو کیا تاثیر وقت صبح صادق کو ۔۔۔ اثر رکھتی ہو اکثر جو دعا ے صبح صادق ہو،

افسوس کہ نرگس کیطرح باغِ جہان مین کچھ ہم نے بجز حسرتِ دیدار نہ پایا

کمان و تیر نمط مجکو ربط تھا اوس سے جب اوس نے آپ کو کھینچا مین گوشہ گیر ہوا

آہ کچھ ہم کو نہ تھی فرصت یکدم کی خبر اے حبابِ لب جو تو نے یہ عقدہ کھولا

نصیر اوس شوخ کی یہ کج ادائی کو نئی جاتی ہے مثل مشہور ہے رسی جلی لیکن نہ بل نکلا

چشم وہ کیا ہے کہ جسمین ایک آنسو بھی نہین آبرو تب ہے صدف کی جبکہ ہو گوہر سمیت

کس کی نگہ نے جلوۂ برق اب دکھادیا آنکھین جو اپنی ہو گئین بے اختیار بند

خیالِ زلفِ بتان مین نصیر پیٹا کر گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

جہان سے گو بت مغرور اٹھ گیا انصاف خدا کے روبرو ہو گا مرا ترا انصاف

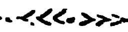
عاشق سوا ہے کس کو ہوائے شکستِ رنگ دل کی شکستگی ہے بنائے شکستِ رنگ

بلبل ہزار حیف نہ ہو ہمکنارِ گل اور مفت مین نسیم تو لوٹے بہارِ گل

برقع کو الٹ منہ سے جو کرتا ہو تو باتین
اب مین ہمہ تن گوش بنون یا ہمہ تن چشم



برباد رفتگانِ محبت کی خاک ہے
اے قیس دشت مین یہ بگولا نہین اٹھا



حباب وار غنیمت ہی فرصت اک دم کی
ہوا یہ زندگی مستعار رکھتا ہون،



سرِ مژگان سے وقتِ نالہ آنسو کو ترستے ہین
یہ سچ ہے جو گرجتے ہین وہ بادل کم برستے ہین



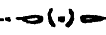
وجہ معلوم تو ہو جبین بچین ہونے کی
سچ کہو جی مین ہی کیا کس سے لڑا چاہتے ہو



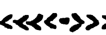
واشد نہین ہی غنچۂ تصویر کی طرح
کیا جانے کیا ہوا دلِ آفت رسیدہ کو،



دل یہ کہتا ہے کہ مت یاد بتان دلواؤ
چھیڑنے کا مرے تب آپ مزا دیکھین گے



دیکھ لیتی جو اٹھا کر ترے کیا ٹوٹتے ہاتھ
لیلی اتنا تو نہ تھا پردۂ محمل بھاری



وحشت سے مجھے ہاتھ اٹھانے نہین دیتے
پڑتے ہین مرے پاؤن سلاسل کئی دن سے

قطعہ،

یہ مجنون ہے نہین آہوئے لیلی
ہین کر پوستین نکلا ہی گھر سے۔

جیسے تو سینگ سمجھے ہو یہ ہیں خار — لگے ہیں پاؤں میں نکلے ہیں سر سے

میر نظام الدین ممنونؔ

جوانِ سواد فہمندو ذی شعور است، در حین حیات پدر بزرگوار بعد تحصیل کتب فارسی بمقتضائے موزونی طبع خود را مصروف گفتن شعر ہندی و فارسی میداشت تا آنکہ در یں صدا تقیل قوت شاعری را چنانچہ باید بہم رسانیدہ کلام خود را بر تبۂ کلام پدر رسانیدہ اکثرے از موزونان شہر استفادہ شعر از دمی کنند۔ اھ تذکرہ مصحفی۔

گفتارش خیلے دلچسپ و دلنشین است و ملاحت کلامش نہایت عذب شیرین الستن معانی بیگانہ یگانہ است و فکر صحیح صاب از غلطش استادانہ قوت نظم اکثر اصناف سخن دارد۔ اھ گلشن بیخار

میر نظام الدین نام ممنونؔ تخلص، میر قمر الدین منتؔ[1] کے بیٹے تھے، سونی پت وطن تھا، مگر مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ سے قرابت قریبہ رکھنے کی وجہ سے اُنکے والد دلی آ رہے تھے

---

[1] میر قمر الدین منت سونی پت کے رہنے والے امام ناصر الدین شہدی کی اولاد میں تھے، شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے قرابت قریبہ رکھنے کی وجہ سے دلی میں انکا نشو و نما ہوا، علوم و فنون کی تمام درسی کتابیں شاہ صاحب موصوف سے پڑھیں اور مدت تک اون کی صحبت میں رہے۔

فارسی زبان کی تحقیق اور مشق سخن میر شمس الدین فقیر سے کی اور اردو کی شیخ قیام الدین قائم سے، دونوں زبانوں میں شعر اچھا کہتے تھے جب تک دلی میں رہے، سنی مذہب کے پابند رہے، طریقہ چشتیہ میں مولانا فخر الدین علیہ الرحمہ سے بیعت تھی، لکھنؤ تشریف لائے، تو مذہب شیعہ اختیار کر لیا۔ مدت تک لکھنؤ میں رہے اور نواب وزیر سے قصائد کے صلے خاطر خواہ حاصل کئے۔

لکھنؤ سے کلکتہ تشریف لیگئے، عماد الدولہ لارڈ ہسٹنگز کی تعریف میں قصیدے لکھکر پیش کئے اور ملک الشعرا کا خطاب پایا، ۱۲۰۰ھ میں گورنر جنرل نے آصف جاہ ثانی کی خدمت میں ایک خاص سفارت پر اُن کو حیدرآباد روانہ کیا (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

وہین نشوونما پیدا ہوئے اور نشو ونما پائی،

درسی کتابین والد ہی سے پڑھین اور مشق سخن بھی انھین سے کی، چند روز کی فکر و کاوش مین دلی جیسے شہر مین ان کی شاعری کا سکہ رائج ہوگیا، اکبر شاہ بادشاہ نے فخر الشعرا کا خطاب عنایت کیا، اور کثرت سے لوگ اون کے سلسلۂ تلمذ مین داخل ہوگئے، لوگ کہتے ہین کہ مفتی صدر الدین خان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۸) وہان پہنچکر نواب مذکور کی مدح مین قصیدہ پیش کیا، جس کے صلہ مین دس ہزار روپیہ نقد اور دو سو ماہوار کا منصب پایا،

حیدرآباد سے فائز المرام ہوکر پھر لکھنؤ تشریف لائے، اور مہاراجہ تکیت رائے کی مصاحبت مین چند دنون رہکر کلکتہ تشریف لے گئے وہان پہنچے ہی تھے ۱۲۳۸ھ مین سفر آخرت اختیار کیا، ضخیم دیوان اور متعدد مثنویان یادگار چھوڑین نثر مین بھی ایک کتاب گلستان سعدی شیرازی علیہ الرحمہ کے جواب مین لکھی ہو، اوس کا نام نمکستان ہو، ان کا شمار پرگو شاعرون مین تھا، چنانچہ خود فرماتے ہین،

درین عمر دہ مثنوی گفتہ ام، بآئین طرز نوی گفتہ ام،
بجز اشعار من در عدد می رسد، شمار قصائد بصد میرسد،
بود شعر من در غزل سی ہزار زیا نصد رباعی گرفتم شمار

اردو اشعار کا نمونہ،

علاج دل کو آئے تھے مسیحا سخت دعوے سے یہان کیا ہوگیا وہ معجزہ حضرت سلامت کا

اس آنے کا کچھ ہے لطف پیارے ہر دم جو کہو کہ جاینگے ہم،

قدم رکھو گیا کون سینے پہ اپنے گلِ داغ مین آج مہندی کی بو ہے

آرزو نے بھی ان سے اصلاح لی ہی،

بہرحال ان کی شاعری نے ترقی کی اسی زمانہ مین لکھنؤ تشریف لائے تھے، اور سرکار اودھ کی طرف سے خاطرخواہ قدردانی ہوئی، مگر بڑی قدردانی گورنمنٹ انگریزی نے کی جو انکو اجمیر مین صدرالصدور کردیا.

ایک مدت تک اس جلیل القدر عہدے کے فرایض انجام دیتے رہے، جب کبرسنی نے مجبور کیا تو دلی جاکر خانہ نشین ہو گئے، اور ۱۲۶۰ھ مین ایک ضخیم دیوان یادگار چھوڑ کر دنیا سے چل بسے،

زبان ان کی صاف اور شیرین ہے، اُس مین جابجا محاورون کی چاشنی دیتے ہین تو کلام اور بھی مزیدار ہو جاتا ہی، پھر ترکیب و بندش کی چستی سے پامال و فرسودہ مضامین بھی اس انداز سے ادا کرتے ہین کہ اس مین ایک قسم کی لطافت و نزاکت پیدا ہو جاتی ہی،

الٰہی وہ جو وعدے ہین وفا کس طرح ہووین گے نہ وہان خو یاد آنے کی نہ یان شیوہ تقاضا کا

اے آہ بے ادب نہ اسے پھونکیو کہ ہے دل جلوہ گاہ پردہ نشینانِ راز کا،

دعا مین زیر لب آہستہ آہستہ اسے دون ہون جو یاد آتا ہی لب تک آکے رک جانا وہ گالی کا

ممنون قضا نے ہمکو دیا کیا بغیر دل سو وہ بھی نذر کاہش و تشویش ہو گیا،

کل ترے بیمار نے غش سے ذرا کھولی تھی آنکھ تو نہ تھا سو دیکھ بالین کو وہ بیدل رہ گیا

اے بادآہ جنبش اتنی بھی تھی نہ لازم — اک ایک پارۂ دل آخر اوڑا کے چھوڑا



دل مین کیا کیا ہوسِ عرضِ تمنا تھی لیے — تیری چتون کا وہ ڈھب مانعِ تقریر رہا



اوس کی آنکھون سے ستارون کی نمک ریزی پوچھ — صبح تک جس کا کھلا دیدۂ بیخواب رہا



کس بے ادب کو عرض ہوس ہر نگہ مین تھی — آنکھ اوس نے بزم مین نہ اوٹھائی تمام شب



آمد سے تیری ہم پہ جو ہونی تھی سو ہوئی — اب دغدغۂ حشر نہ پروائے قیامت



کشتیٔ طاقت شکستہ اور بحرِ غم کا جوش — مژدہ نومیدی نہین اب اپنی ساحل تک پہنچ



یہ نہ جانا تھا کہ اوس محفل مین دل رہجائیگا — ہم یہ سمجھے تھے چلے آئین گے دم بھر دیکھکر



مدت سے آب ہو کے بہا چشمِ تر کی راہ — ممنون کیا بیان کرون مین ماجرائے دل



تپشِ دل نے نچھوڑا کہ کبھی ہم اک بار — لائین تسکین کے لئے لب پہ ترا نام تمام



اس ذوق سے کہتے ہین حدیثِ لبِ شیرین — گویا ترے ہونٹون ہی سے لیتے ہین مزا ہم

شبِ وعدہ چشم ہر راہ پر جو ذرا بھی کھٹکے کی کا ڈر   تو صدائے پا تری جانکر کہون ابتلک تھے کہان کدھر

ممنون مبادا آئے کوئی ہجر ناگہان   ناکامیون سے وصل ہی مین آؤ خو کرین

روزِ مرگ پہ سو جان مری صدقے کہ دمِ نزع   گھبرا کے کہے تو کہ بس اب دیکھئے کیا ہو

کون آئے ہے کہ سینہ مین بیدار ہوگئین   صد آرزوے خفتہ صداے قدم کے ساتھ

دل اگر میان وہ ہم سے کہان اب کہ آجکل   ہنگامۂ محبتِ اغیار گرم ہے

رات تھوڑی حسرتین دل مین بہت   صلح کیجے بس لڑائی ہو چکی

تفاوت قامتِ یار و قیامت مین ہو کیا ممنون   وہی فتنہ ہو لیکن یان ذرا سانچے مین ڈھلتا ہی

نگاہ ناز و نیاز التماس راز مین تھی   وہان سے عذرِ ستم یہان سے سو گلے نکلے

بھری آتی ہی چھاتی یاد مین یارانِ رفتہ کے   یہ دل اور اس قدر صدمے بھلا کس کس کا غم کیجے

شیخ محمد ابراہیم ذوق

از مدت سی سال بمشق سخن می پردازد در سرکار مرشدزادہ آفاق مرزا ولیعہد بہادر علم امتیاز می

افرازد، قوت مشقی کہ او راست دیگرے را دیدہ نشد و لہذا طبع و یا بس کہ شیوہ بیا گویان است در

کلامش کمتر و بر جمیع اصناف سخن قدرت تام دارد۔ اھ گلشن بیخار،

صاحب قوت فکر خداداد است بر جمیع اصناف سخن قدرتی کہ او راست در ریختہ سرایان نتوان یافت

گفتارش دریا کی زبان و بلندی معنی و شوخی اشارت و کری نشینی ترکیب و لبت قافیہ و نشست ردیف

طرز یکتائی دارد۔ اھ طور کلیم،

محمد ابراہیم، ذوق تخلص، دلی کے رہنے والے، اور شیخ محمد رمضان ایک غریب سپاہی کے

بیٹے تھے، ۱۲۰۴؁ھ مین پیدا ہوئے، حافظ غلام رسول کے مکتب مین ابتدائی تعلیم پائی، وہ شاعر

بھی تھے، شوق تخلص تھا، انھین کی صحبت مین ان کو بھی شعر و سخن کا ذوق پیدا ہوا، کچھ کچھ کہنے

لگے جب سن تمیز کو پہنچے تو شاہ نصیر سے اصلاح لینے لگے اور بحکم ضرورت فارسی اور عربی کی

کچھ درسی کتابین بھی موقع پا کر کسی سے پڑھ لین،

طبیعت مناسب تھی، چند روز مین مشق سخن بڑھ گئی، مشاعرون مین غزلین پڑھنے لگے رفتہ

رفتہ مرزا ابوظفر کے دربار مین رسائی ہوگئی، جو اوس زمانہ مین ولیعہد تھے، چند دنون کے بعد وہ اپنا

کلام اصلاح کے لئے اُن کو دینے لگے،

اُسی زمانہ مین انھون نے اکبر شاہ ثانی کی مدح مین ایک پرزور قصیدہ لکھا، جس کے

صلہ مین ان کو خاقانی ہند کا خطاب عنایت ہوا، ان کا سن اُس وقت انیس ۱۹ سال کا تھا، جب

مرزا ابوظفر بادشاہ ہوئے، تو سو روپیہ ماہوار ان کی تنخواہ کر دی، اور اخیر مین ایک گاؤن بھی

جاگیر مین دیا، مگر اوس سے زیادہ متمتع نہین ہوسکے، ۲۴ صفر ۱۲۷۱ھ مین غدر سے دو برس پہلے وفات پائی،

غدر مین ان کا سارا کلام تلف ہوگیا، حافظ غلام رسول ویران نے جوان کے شاگرد رشید تھے کچھ اپنی یاد سے اور کچھ احباب کی مدد سے ایک مختصر دیوان مرتب کرکے شائع کیا، جسمین اکثر غزلین تمام، اکثر ناتمام بہت سے متفرق اشعار اور چند قصیدے ہین،

بہت دنون کے بعد مولوی محمد حسین آزاد نے کوشش کی اور ایک دوسرا مجموعہ مرتب کیا، جس سے کچھ ناتمام غزلین پوری ہوگئین، کچھ قصیدون اور غزلون کا اضافہ ہوگیا، مگر حقیقت یہ ہے کہ ایسے فنافی الشعر آدمی کی یہ ساری کمائی نہین ہوسکتی، اگر کلام ضائع نہ جاتا تو تین چار ضخیم جلدین بھی اُس کی متحمل نہ ہوسکتین، کلام کے باب مین جو رائے آزاد نے دی ہے اوس پر کچھ اضافہ نہین ہوسکتا، اُنھون نے ٹھیک کہا ہے کہ عام جوہر ان کے کلام کا تازگیِ مضمون، صفائیِ کلام، چستیِ ترکیب، خوبیِ محاورہ، اور عام فہمی ہے، مگر رنگ مختلف وقتون مین مختلف رہا، ابتدا مین مرزا رفیع سودا کا انداز تھا، جب نواب الٰہی بخش خان معروف[1] کی

---

[1] نواب الٰہی بخش خان معروف تخلص نواب فخر الدولہ احمد بخش خان رئیسِ لوہارو کے چھوٹے بھائی مرزا نوشہ اسد اللہ خان غالب کے خسر سے نہایت با مذاق زندہ دل اور درویش مزاج امیر تھے، بزرگانِ دین کی صحبت مین ترک و تجرید کے ساتھ گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی، مگر شعر و سخن کا شوق عنفوانِ شباب سے مرتے دم تک قائم رہا، مشقِ سخن شاہ نصیر سے کی تھی، آزاد نے آبحیات مین جس طرح سے ظفر مرحوم کی کاوشِ فکر پر پانی پھیرا ہی، ان کے بھی نتائجِ فکر کو اپنے استاد ذوق کے دامنِ کمال سے وابستہ کردیا ہی، باوجودیکہ اس کہنہ مشق شاعر کی عمر اوس وقت چھیاسٹھ برس کی تھی، اور ذوق بمشکل اٹھارہ برس کے رہے ہونگے، مگر جوشِ عقیدت مین اس کا خیال نہین رہا،

مصحفی نے تذکرۂ شعرا ۱۲۰۸ھ مین تالیف کیا ہی، اوس مین ذوق کا ذکر نہین ہی اور نہ ہوسکتا ہی (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

صحبت مین پہنچے جو خواجہ میر دردؔ کے انداز کو پسند کرتے تھے، اون کی غزلین خواجہ صاحب کے انداز مین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۴) کیونکہ ذوقؔ کی عمر اوس وقت زیادہ سے زیادہ سال بھر کی رہی ہوگی، مگر نواب الٰہی بخش خان معروفؔ کا تذکرہ ہے، لکھتے ہین کہ" شاگردی بیان نقیر نازش دارد، وفکر شعر نیز برویہ ایشان کہ تلاش است میکند دریک دو مشاعرۂ صاحب عالم شریک غزل طرحی نیز بود، بعد دو ماہ بشہر عود کرد" یہ اوس زمانہ کا قصہ ہی کہ نواب الٰہی بخش خان معروفؔ سیر و تفریح کے لئے لکھنؤ آئے اور دو مہینہ رہکر دلی واپس گئے ہین، اب اوس کے بعد آزادؔ کے ان فقرون کو پڑھو،" جو دیوان معروفؔ اب رائج ہے وہ تمام وکمال انھین کا (یعنی ذوقؔ کا) اصلاح کیا ہوا ہی، نواب مرحوم اگرچہ ضعف پیری کے سبب سے خود کاوش کرکے مضمون کو لفظون مین نہین بٹھا سکتے تھے، مگر اوس کے حقایق و دقایق کو ایسا پہنچے تھے کہ جو حق ہی"

نواب کے اشعار کا ایک سلسلہ ہی جسمین ردیف وار ۱۰۱ مطلع ہی اور کوئی شعر سبزی کے مضمون سے خالی نہین اوس کا نام تسبیح زمرد ہے، آزادؔ کہتے ہین کہ یہ تسبیح بھی استاد مرحوم نے پرو دی تھی،

نواب نے سنہ ۱۲۴۲ھ مین وفات پائی، اشعار ملاحظہ ہون،

معروفؔ اب تو دیکھتے ہو تم ہمین غریب
ٹک منہ لگائے یار تو پھر ہم کو دیکھئے،

روٹھنے کو تو چلے روٹھ کے ہم وان سے ولے
مڑکے تکتے تھے کہ اب کوئی منا کر لیجائے

کچھ تو سمجھ لیا ہے جو اوسکو دیا ہی دل
کیون ناصحا عبث ہمین سمجھائے جائے ہی

گریہ و آہ و فغان سے ایک دم فرصت نہین
ہم سمجھتے تھے محبت کام بیکارون کا ہے،

درد سر مین ہی کسے صندل لگانے کا دماغ
اوس کا گھسنا اور لگانا درد سر یہ بھی تو ہی،

بنانے لگے، مرزا ابو ظفر نوجوان تھے، وہ جرأت کے انداز کو پسند کرتے تھے. اون کی غزلین جرأت کے انداز مین بناتے تھے، نتیجہ اوس کا یہ ہوا کہ خود اون کی غزل اخیر کو ایک گلدستہ گلہاے رنگارنگ کا ہوتی تھی. دو تین شعر بلند خیالی کے ایک دو تصوف کے، دو تین معاملے کے، (دیکھو آبحیات)

بے حسرت طلب کرتے تھے ناحق آسمان سے ہم ۔۔۔ کہ آخر جب اوسے دیکھا فقط خالی سبو نکلا
کہین تجکو نہ پایا گرچہ ہم نے اک جہان ڈھونڈھا ۔۔۔ پھر آخر دل ہی مین دیکھا بغل ہی مین سے تو نکلا
گھسے سب ناخنِ تدبیر اور ٹوٹے سر سوزن ۔۔۔ مگر تھا دل مین جو کانٹا نہ وہ ہرگز کبھو نکلا

سب کو دیکھا اوسنے اور اوسکو نہ دیکھا جون نگاہ ۔۔۔ وہ رہا آنکھون مین اور آنکھون سے پنہان ہی رہا

مجھ مین اوس مین ربط ہے گویا برنگ بوے گل ۔۔۔ وہ رہا آغوش مین لیکن گریزان ہی رہا،

موت اوس کو یاد کرتی ہے خدا جانے کہ گور ۔۔۔ یون ترا بیمار غم جو ہچکیان لینے لگا،

عشق نے ڈالی تھی جب قصر محبت کی بنا ۔۔۔ لکھدیا تھا کوہکن بھی نام اک مزدور کا

ہم ہین اور سایہ ترے کوچہ کی دیوارون کا ۔۔۔ کام جنت مین ہے کیا ہم سے گنہگارون کا

کہے ہے خنجرِ قاتل سے یون گلو میرا، ۔۔۔ کمی جو مجھ سے کرے تو پیئے لہو میرا

جل کے مین خاک ہوا تو بھی رہا دل مضطر ، ، یہ وہ سیماب ہے کشتہ نہ ہوا پر نہ ہوا
ذوق بیمارِ محبت ہے خدا خیر کرے ۔ کہ یہ آزار ہوا جس کو وہ جانبر نہ ہوا

مین ہجر مین مرنے کے قرین ہو ہی چکا تھا تم وقت پہ آ پہنچے نہین ہو ہی چکا تھا ،

اس سے تو اور آج وہ بیدرد ہو گیا اب آہ آتشین سے بھی دل سرد ہو گیا
سینہ مین بوالہوس کا بھی تھا آبلہ مگر نشتر کا نام سنتے ہی منہ زرد ہو گیا

لگائی زلف کو شانہ نے جب انگلی پکارا دل یہ گستاخی بھلا رہ تو سہی اے بے ادب آیا
ترے ڈر سے نہ آیا پاس کوئی نیچا نون کے مگر رونا کبھی چوری سے بعد از نیم شب آیا

سن کے مجنون نے مرے شورِ جنون کو یون کہا واقعی مجھ سے بھی یہ شوریدہ سر اچھا ہوا

یون لوٹے وان سے ہم دلِ صدپارہ ڈھونڈکر دیکھا جہان پڑا کوئی ٹکڑا اٹھا لیا ،

ریشِ سفیدِ شیخ مین ہے ظلمتِ فریب اس مکر چاندنی پہ نہ کرنا گمانِ صبح ،

ٹھہری ہوا اس کے آنے کی یان کل پہ جا صلاح اے جان بر لب آمدہ اب تیری کیا صلاح

ساقی لڑائیون سے تری چاہتا ہو دل باہم لڑاکے شیشہ و ساغر کو توڑ دون،

* * *

نازک کلائیان مری توڑین عدو کا دل مین وہ بلا ہون شیشہ سے پتھر کو توڑ دون

* * *

چھوڑا نا تار وحشت نے ہماری جیب و دامان مین مگر تار نفس سینہ مین سمجھو یا گریبان مین،

* * *

ہم اپنے جذبۂ دل کے اثر کو دیکھتے ہین وہ دیکھین بزم مین پہلے کدھر کو دیکھتے ہین

* * *

جو مانگون موت درد ہجر سے مجکو نہین زیبا کہ نام عشق لون اور اس قدر راحت طلب ہو مین

* * *

سینہ و دل پہ مرے زخم و جگر ہنستے ہین، ہنسنے دو چارہ گرو ہنستے ہی گھر بستے ہین،

* * *

مرگئے پھر بھی تغافل ہی رہا آنے مین بے وفا پوچھے ہے کیا دیر ہے لیجانے مین

* * *

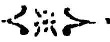
خط پڑھ کے اور بھی وہ ہوا پیچ و تاب مین کیا جانے لکھدیا اوسے کیا اضطراب مین

* * *

بے یار روز عید شب غم سے کم نہین جام شراب دیدۂ پرنم سے کم نہین
دیتا ہے دور چرخ کسے فرصت نشاط ہو جس کے پاس جام وہ اب جم سے کم نہین

* * *

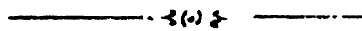
اس پہ مرتے ہین کہ کیون غیر کو تونے مارا — وہ نصیب اوس کو ہوئی تھی جو تمنا ہم کو



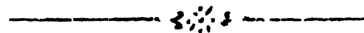
ہم تبرک ہین بس اب کرے زیارت مجنون — سر پہ بھرتا ہے لئے آبلۂ پا ہم کو



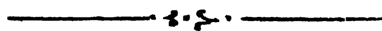
عبث تم اپنا رکاوٹ سے منہ بناتے ہو — وہ لب پہ آئی ہنسی دیکھو مسکراتے ہو



دیکھا دم نزع دل آرام کو — عید ہوئی ذوق وے شام کو



نکالون کس طرح سینہ سے اپنے تیر جانان کو — نہ پیکان دل کو چھوڑے ہے نہ دل چھوڑے ہے پیکان کو



لبیک واذان ناقوس وجرس یا خندۂ قلقل نالۂ نے،
دل کھینچے ہین ہان کوئی ہو پر ایک نواے دلکش ہو



تو جان ہو ہماری اور جان ہے تو سب کچھ — ایمان کی کہین گے ایمان ہے تو سب کچھ



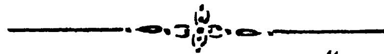
رخصت اے زندان جنون زنجیر در کھڑکائے ہے — مژدہ خارِ دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے
سر بوقتِ ذبح اپنا اوس کے زیر پاے ہے — یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جاے ہے
بل بے استغنا کہ وہ یان آتے آتے رہ گئے — اف ری بیتابی کہ یان تو دم ہی نکلا جاے ہے



ترے کوچہ کو وہ بیمارِ غم دار الشفا سمجھے — اجل کو جو طبیب اور مرگ کو اپنی دوا سمجھے
نگہ کیا اور مژہ کیا ہم تو دونون کو بلا سمجھے — اسے تیرِ قضا اوس کو پرِ تیرِ قضا سمجھے
ستم کو ہم کرم سمجھے، جفا کو ہم وفا سمجھے — اور اس پر بھی نہ سمجھے وہ تو اوس بت سے خدا سمجھے
ہر اک گردش مین سو انداز ناز فتنہ زا سمجھے — فلک کو ہم کسی کافر کی چشم سرمہ سا سمجھے
نہ دی رخصت نظر کو میری جانب کیون تغافل سے — اسے بھی آپ کیا میرا ہی بختِ نا رسا سمجھے
حساب اصلا نہ پوچھے مجھ سے میرے دل کے زخمون کا — حسابِ دوستان در دل اگر وہ دلربا سمجھے



کیا غرض لاکھ خدائی مین ہون دولت والے — اون کا بندہ ہون جو بندے مین محبت والے
رہے جون شیشہ و ساغر وہ مکدر دونون — کبھی مل بھی گئے دو دل جو کدورت والے
نہین جز شمع مجاور مری بالینِ مزار — نہین جز کثرتِ پروانہ زیارت والے
کبھی افسوس ہوا آتا کبھی رونا آتا — دلِ بیمار کے دو ہی ہین عیادت والے



ہے تیرے کان زلفِ معنبر لگی ہوئی — رکھے گی یہ نہ بال برابر لگی ہوئی
بیٹھے بھرے ہوئے ہین خم مے کیطرح ہم — پر کیا کرین کہ مہر ہے منہ پر لگی ہوئی
کرتی ہے زیرِ برقعِ فانوس تاک جھانک — پروانہ سے ہے شمع مقرر لگی ہوئی
اے ذوق دیکھ دخترِ رز کو نہ منہ لگا — چھٹتی نہین ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی



مرنے جو موت کے عاشق بیان کبھو کرتے — مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے
غرض تھی کیا ترے تیرون کو آبِ پیکان سے — مگر زیارتِ دل کیون کہ بے وضو کرتے

اگر یہ جانتے چن چن کے ہم کو توڑین گے　　تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بو کرتے
سراغ عمر گذشتہ کا کیجئے گر ذوق　　تمام عمر گذر جائے جستجو کرتے

جو پاس مہر و محبت یہان کہین بکتا　　تو ہم بھی لیتے کسی اپنے مہربان کیلئے
وبالِ دوش ہوا اس ناتوان کو سر لیکن　　لگا رکھا ہے ترے خنجر و سنان کیلئے

قسمتِ برگشتہ دیکھو اک نگہ کی تھی ادھر　　سو بھی آکر تا سر مژگان حیا سے پھر گئی

زخمی مین ہوا ہون تری دزدیدہ نظر سے　　جانے کا نہین چور مرے زخم جگر سے،

نگہ کا وار تھا دل پر پھڑکنے جان لگی　　چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی.

فلک کیا فتنہ سازی مین ہو ہمسر چشم فتان سے　　گرا تھا یہ بھی اشک سرمہ آلود اوسکی مژگان سے

دل صاف ہو تو چاہئے معنی پرست ہو　　آئینہ خاک صاف ہی صورت پرست ہی

دروازہ میکدہ کا نہ کر بند محتسب　　ظالم خدا سے ڈر کہ درِ توبہ باز ہی

ساقیا عید ہے لا ساغر و مینا بھر کے　　بادہ آشام پیاسے ہین مہینہ بھر کے،

نہین مژگان پہ خون خار غم بھی دلنشین نکلے جنون پہ نیشتر کیسے کہین ڈوبے کہین نکلے



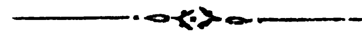
باز آیا دیکھنے سے نہ آتش رخون کے دل سو بار آبلے اُسے آنکھین دکھا چکے ،



کوئی کمر کو تری ہو اگر کمر تو کہے ، کہ آدمی جو کہے بات سوچ کر تو کہے



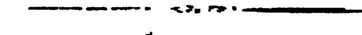
مری طاعت سے اب تو معصیت بھی عار کرتی ہے مری توبہ پہ توبہ ، توبہ استغفار کرتی ہے



اگر اٹھے تو آزردہ جو بیٹھے تو خفا بیٹھے لگایا جی کو اپنے روگ جب سے جی لگا بیٹھے



جو کہوگے تم کہین گے ہم بھی ہان یون ہی سہی آپ کی گر یون خوشی ہے مہربان یون ہی سہی



بہادر شاہ ظفر

بہ اکثر صفات موصوف و بمحامد مکارم معروف، در اکثر خطوط دستگاہے شایستہ دارد و باین فن بسیار مالوف ہست. شیخ ابراہیم ذوقی از مانده بعقش زلہ. یاد وظیفہ خوار است، ام گلشن بیخار، در خطاطی دستے بلند داشت و در سخن پایہ ارجمند، گفتارش اگرچہ سادہ پرکار ہست اما ہمارا ش خاطر نگار ہست. محاورہ گوئی ازان اوست و معاملہ نویسی زیر فرمان او، ام بزم سخن،

ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ، اکبر ثانی کے بیٹے تھے، اور شاہ عالم بادشاہ کے پوتے تھے، ہندوستان کی سلطنت دادا کے وقت مین جا چکی تھی، ایک وظیفہ خوار کی حیثیت سے

برائے نام بادشاہ رہ گئے تھے، اور اون کی حکومت دہلی مین قلعہ معلی کی چار دیواری کے اندر سمٹ کر رہ گئی تھی،

لیکن اقلیم سخن کی فرمان روائی دادا سے ترکہ مین ملی تھی، اور اردوے معلی اون کے زیر نگین تھا، افسوس ہو کہ اوس کو بھی مولوی محمد حسین آزاد نے ظفر سے چھین کر استاد ذوق کو بخشدی۔

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل ما را   بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

آبحیات مین استاد ذوق کے حالات پڑھو ظفر کے ہاتھ کیا رہتا ہی، کوئی شعر پورا کوئی ڈیڑھ مصرع کوئی ایک کوئی آدھا مصرع فقط بحر اور ردیف قافیہ باقی بحر استاد ذوق ان ہڈیون پر گوشت و پوست چڑھا کر حسن وعشق کی پتلیان بنا دیتے تھے، پہلا دیوان نصف سے زیادہ باقی تین دیوان سر تا پا حضرت مرحوم (استاد ذوق) کے ہین،

سفت یہ ہے کہ چارون دیوان اس بدنصیب بادشاہ کے چھپ چکے ہین، اور حضرت ذوق کا بھی تھوڑا بہت جو کچھ کلام مل سکا ہی، وہ ایک دیوان کی شکل مین شایع ہو چکا ہے، ان دونون کو پڑھو اور ہر ایک کے انداز سخن پر غور کرو، پھر اپنی فطرت سلیم سے فتویٰ لو دونون کی حیثیتین جداگانہ نظر آئین گی ذوق پھر بھی ذوق ہین ظفر کے استاد، ان کے کلام کی رنگینی، ترکیب کی چستی مضمون کی بندش، جوش وخروش، ان کی باتین ان کے ساتھ ہین، ظفر کے ہان جو سامان نظر آئیگا، وہ اس سے ملتا جلتا ہوگا، اور ہونا بھی چاہئے کیونکہ استاد کا رنگ شاگرد مین آنا ضرور ہی، مگر پھر بھی وہ دوسری طرح کا ہوگا، محاورون کی فراوانی یہان زیادہ ملیگی مگر جوش وخروش کی جگہ دل وجگر کے ٹکڑے حروف والفاظ بنکر آنسوؤن کی سیاہی اور آہ وجگر دوز کے قلم سے لکھے ہوئے تم کو ملین گے، اب انھین ظفر کا سمجھو یا ذوق کا۔

۱۲۷۱ھ مین جب شیخ ابراہیم ذوق کا انتقال ہوگیا تو مرزا نوشہ غالب کے متعلق یہ خدمت ہو گئی تھی، مولانا حالی نے یادگار غالب مین جہان اس کا ذکر کیا ہی، وہان انھون نے بھی بجائے ذوق کے غالب کے متعلق ناظر حسین مرزا کی زبانی آزاد کے اسی مضمون کو دہرا دیا ہے، مگر مقدمۂ دیوان حالی مین ایک موقع پر ذوق و ظفر کے کلام مین قریب قریب اسی طرح کا فرق بیان کیا ہی، جو مین نے لکھا ہی، وہ کہتے ہین کہ ذوق کی غزلون مین عموماً زبان کا چٹخارہ اپنے معاصرین کے کلام سے زیادہ ہی، مگر وہ جہان مضمون آفرینی کرتے ہین صفائی سے بہت دور جا پڑتے ہین ظفر کا تمام دیوان زبان کی صفائی اور روزمرہ کی خوبی مین اول سے آخر تک یکسان ہی لیکن اوس مین تازگی خیالات بہت کم پائی جاتی ہے۔

اِس بحث کے بعد مین اس نتیجہ تک پہنچا ہون کہ ظفر کی کمزوری صحیح اور اون کے استاد کی کاوشِ فکر مسلم، مگر اس کے یہ معنی نہین ہین کہ اون کی ساری عمر کی محنت پر پانی پھیر کر استاد ذوق کو اون کے دیوانون کا مالک بنا دیا جائے،

اس بدنصیب بادشاہ کی ساری زندگی روتی جھینکتی گذری، دلون کے ارمان دل ہی مین رہے۔ سلطنت کا خواب جو دیکھا تھا اوس کی تعبیر یون ظاہر ہوئی کہ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد قلعۂ معلّٰی سے بھی نکال کر رنگون پھینکدیئے گئے،

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہین لیکن بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچہ سے ہم نکلے

جوان جوان بیٹے اور پوتے اون کی آنکھون کے سامنے کھڑے کر کر کے گولی مار دیئے گئے، طوق و سلاسل اور خدا جانے کیا کیا جو کچھ بھی اس منحوس شاعری کی بدولت اون کو ہوس ہوتی ہوگی وہ سب نکل گئی، اور جتنے دنون کی زندگی تھی رنگون کے بالاخانہ مین بے کسی و بے بسی کیساتھ پوری کر کے ۱۲۷۹ھ مین پیوند خاک ہوگئے، اب کوئی یہ بھی نہین جانتا کہ اُن کو گور و کفن

ملا بھی یا نہین۔ تسلیم۔

نہ شامیانہ، نہ شمعِ تربت نہ موجِ سبزہ، نہ چادرِ گل
بلا نصیبون مین عشق کے کیا کیا خراب مٹی ہو بیکسی کی

ظفر مرحوم کا کلام ملاحظہ ہو۔

ہم اپنے کنجِ غم مین نالہ و فریاد کرتے ہین،
ہمین کیا گر چمن مین چہچہا ہے عندلیبون کا

سر تلک دستِ ستم جون ہی ترا قاتل بڑھا
خونِ جسمِ ناتوان تل تل گھٹا تل تل بڑھا

تم لاکھ کرو حسرتِ دل نالہ و فریاد
چاہو کہ ہو کچھ اوس کو اثر ہو نہین سکتا

کیا کان بھر دیے ہین خدا جانے غیر نے
غصہ مین جو پھرے ہے وہ کافر پھرا پھرا

ظالم ترے چپ رہنے کا عقدہ نہین کھلتا
کیا جانے کہ ہے دل مین ترے کیا نہین کھلتا

دنیا مین بلا سے اگر آرام بنا یا،
ہم نے یہی پایا کہ برا نام بنایا،

ضبطِ فریاد کرون اگر یہ کو روکون لیکن
دلِ بے تاب کو تھامون یہ نہین ہو سکتا

وہ کھا گئے سو بار مرے آگے قسم جھوٹ
اور پھر ہے یہ دعویٰ کہ نہین بولتے ہم جھوٹ

ہون جو ٹیڑھے ترچھے دکھلاؤ نکو اپنا بانکپن ہم ہین سیدھے سادے ہم سے بات کر سیدھی طرح

صد آرزوئے وصال و حیات نیم نفس نفس شماری و اندوہ بے شمار دریغ

یون تو مدت سے ہو الطاف و عنایت مین فرق لیکن ایسا نہ ہو جائے ملاقات مین فرق

رہا تھا کیا وہ مجھ سے چھین کر لیتے تو کیا لیتے دل و دین لیچکے تھے اب اگر لیتے تو کیا لیتے

برسون گذرے کہ ہوئی خاک ہماری برباد ابتو اس کوچے مین اب یاد تو خاک نہیں

دل دے کے اونکو ایسی اذیت ہوئی ہمین اب دل کبھی نہ دین گے نصیحت ہوئی ہمین

ہو گیا اور زیادہ وہ کشیدہ ہم سے دوستو کیا کشش دل کا اثر پوچھتے ہو

نہین معلوم ظفر اوس سے ہوئین کیا باتین چپکے بیٹھے ہوئے تم آج خفا سے کچھ ہو

خدا کے واسطے زاہد اٹھا پردہ نہ کعبہ کا کہین ایسا نہ ہو یان بھی وہی کافر صنم نکلے

اوسے کیا کام تھا وہ بے خبر کیون پوچھتا پھرتا دل گم گشتہ کی اپنے خبر لیتے تو ہم لیتے

خدا بچائے ظفر دوستی سے اِس دل کی . جو ہو یہ دوست تو حاجت نہین عدو کی مجھے

نہ پہنچا کوئی اپنے پاس پہنچا جب کہ وقت اپنا . اجل کو آفرین ہی، وقت پر پہنچی تو یہ پہنچی

وقت پر جو کام آئے دوست اوسکو جانیئے . ورنہ رہتا اے ظفر یان کام کس کا بند ہی

جنون مین کیا مرے پیوند پیرہن مین لگے . کہ ایک تار بھی چھوڑا ہو تو کفن مین لگے

اوسی کو دوست سمجھتے ہین وہ جو کچھ نہ کہے . کرے جو اون سے سوال و جواب دشمن ہی

یہ کیا ستم ہی ہم کہین رو رو کے اپنا حال . منھ اپنا پھیر پھیر کے وہ بے وفا ہنسے

مین جو کہتا ہون بے وفا ہی رقیب . وہ مجھے کہتے ہین کہ تو کیا ہے

حکیم محمد مومن خان مومنؔ:

بزعم فقیر بقوت شاعری ایشان کم کسے برخاستہ، در ہر جنس آنچنان مکانتی وافی دارد کہ کسی را در یک صنف ہم میسر نیامدہ، اگر خطئی از فہم خدا داد داری، بیا و بدیوانش نظر کن، و بتصدیق تکلّم من زبانِ انصاف بکشا، ای گلشن بیخار،

محمد مومن خان نام، مومنؔ تخلص، حکیم غلام نبی خان کے بیٹے تھے، ۱۲۱۵ھ مین پیدا ہوئے

جب ذرا ہوش سنبھالا تو مولانا شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ سے عربی کی کتابین پڑھین، جب استعداد درست ہو گئی تو والد اور چچا حکیم غلام حیدر خان اور حکیم غلام حسن خان سے طب کی کتابین پڑھین اور اونھین کی زیر نگرانی نسخہ نویسی کی،

اوسی زمانہ مین نجوم کا شوق پیدا ہوا اوس کو بھی اہلِ کمال سے حاصل کیا اور مہارت بہم پہنچائی، شعر و سخن سے طبعی مناسبت تھی، عاشق مزاجی نے اوسے اور بھی چمکا دیا، ابتدا مین شاہ نصیر کو اپنا کلام دکھایا پھر ذہن خداداد کے اطمینان پر اصلاح لینی چھوڑ دی، اور بطور خود مشق سخن کی،

رنگین طبع رنگین مزاج خوش وضع خوش لباس اور عاشق مزاج آدمی تھے، غزل دردناک آواز اور دلپذیر ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے، با این ہمہ دینداری کے خیال سے بھی خالی نہ تھے، جوانی مین حضرت سید احمد شہید سعیدؒ کے مرید ہوئے، اور آخر عمر تک عقائد مین اونھین کے پیرو و متبع رہے، کلیات مین ایک مثنوی جہادیہ ہے، جو اوس وقت لکھی تھی جب سید صاحب سکھون سے جہاد کر رہے تھے، علاوہ اس کے دو قطعہ تاریخ اون کی امامت کے ہین جنمین سے ایک کے دو چار شعر یہ ہین،

گلاب ناب سے دھوتا ہون مغزِ اندیشہ
کہ فکرِ مدحتِ سبطِ قسیم کوثر ہے،

وہ کون امام جہان و جہانیان احمدؒ
کہ محض مقتدی سنتِ پیمبر ہے،

زمین کو مہر فلک سے نہ کیون ہو دعوی نور
کہ اوس کا رایتِ اقبال سایہ گستر ہے،

زبسکہ کام نہین ہے اوسے سوائے جہاد
جو کوئی اوس سے مقابل ہو سو وہ کافر ہے،

وہ بادشاہِ ملائک سپاہ کوکب دین
کہ نورِ شمس و قمر جس کے گرد لشکر ہے

وہ برق خرمنِ اربابِ شرک و اہلِ ضلال
کہ شعلہ خوشۂ حاصل تو وانہ اخگر ہے،

وہ شاہ مملکتِ ایمان کہ جس کا سالِ خروج　　　امام برحق مہدی نشان علی قسم ہے

تاریخ مین ہمیشہ تعیہ وتخرجہ معیوب سمجھا جاتا ہے، مگر اون کے ذہن و ذکاوتِ طبع کی تعریف نہین ہو سکتی کہ اون کی طبعِ رسا نے اوس کو محسنات مین داخل کر دیا ہی، مولانا شاہ عبدالعزیز کی وفات کی تاریخ سے کہتے ہین،

دستِ بیدادِ اجل سے بے سروپا ہو گئے　　　فقر و دین فضل و ہنر لطف و کرم علم و عمل

اپنے والد کی تاریخِ وفات مین کہتے ہین،

بمن الہام گشت سالِ وفات　　　کہ غلام نبی بحق پیوست،

صغیر سن بیٹی کی تاریخ وفات،

خاک بر فرقِ دولتِ دنیا　　　من فشاندم خزانہ بر سر خاک

بیٹی کی تاریخ ولادت،

نال کٹنے کے ساتھ ہاتف نے　　　کہی تاریخ دخترِ مومن،

کلیات مین قصائد بھی ہین جو اپنے درجہ مین عالی رتبہ رکھتے ہین، لیکن اونھون نے صلہ کی امید پر اربابِ دنیا کی مدح مین کبھی قصیدہ نہین کہا، راجہ اجیت سنگھ رئیسِ پٹیالہ کی مدح مین جو قصیدہ ہی، اوس کا ایک خاص سبب ہی، ایک دن راجہ اپنے مصاحبون کو لئے ہوئے دلی مین سرِ راہ اپنے کوٹھے پر بیٹھے تھے، خان صاحب کا اودھر سے گذر ہوا، لوگون نے کہا مومن خان شاعر یہی ہین، راجہ نے آدمی بھیجکر بلوایا، عزت و تعظیم سے بٹھایا اور حکم دیا ہتھنی کس لاؤ، ہتھنی آئی تو خان صاحب کو عنایت کی، یہ قصیدہ اوسی کا شکریہ ہے،

نواب وزیر الدولہ بہادر فرمان روائے ٹونک کی تعریف مین بھی ایک قصیدہ ہے، جس کا مطلع ہی،

یاد ایام عشرت فانی ... نہ وہ ہم ہین نہ وہ تن آسانی

مگر یہ قصیدہ بھی صلہ کی امید پر نہین لکھا، بات یہ تھی کہ نواب ممدوح کو حضرت سید احمد شہید قدس سرہٗ سے بیعت تھی، بیعت ہی نہین تھی عشق تھا، اس لحاظ سے مومن خان اون کے روحانی بھائی تھے، وہ چاہتے تھے کہ مومن خان ٹونک آئین، اور نواب کے ساتھ رہین، مگر خانصاحب سے دلی کی گلیان کب چھٹ سکتی تھین، علاوہ اس کے ایسے رنگین مزاج کا نواب جیسے مقدس اور متشرع کے ساتھ گذر کیسے ہو سکتا تھا، ع.

مین ہون ہنسوڑ اور تو ہے مقطع میرا تیرا میل نہین

کچھ سمجھ بوجھ کر معذرت کا قصیدہ لکھکر بھیجدیا.

ان دونون قصیدون کے سوا ایک قصیدہ حمد و مناجات مین ہی، ایک نعت مین ایک ایک خلفاے راشدینؓ اور امام حسن و امام حسین علیہما السلام کی منقبت مین،

کلیات مین آٹھ تو مثنویان ہین جنمین سے ایک دو ناتمام ہین، اور اونکا انداز وہی ہی جو غزلون کا ہی، مگر افسوس ہی کہ اخلاقی حیثیت سے یہ بہت گری ہوئی ہین،

دیوان مین مخمس، مسدس، ترجیع بند، مرثیہ وغیرہ سبھی کچھ ہے، اور خانصاحب کا انداز ہر جگہ قائم ہی، اس کلیات کو پہلے اون کے شاگرد رشید نواب مصطفیٰ خان شیفتہ نے جمع کیا تھا، پھر میر عبد الرحمن خلف میر حسین تسکین (خانصاحب کے فرزند نسبتی) نے از سر نو مرتب کیا جو کئی بار چھپ چکا ہی،

علاوہ اس کے ان کا دیوان فارسی بھی چھپ گیا ہی، وہ بھی اپنے رنگ مین لاجواب ہی اور جو دلفریبیان مومن خان کے اردو کلام کے ساتھ مخصوص ہین، وہ اس مین بھی بدرجہٗ اتم موجود ہین [1]

---

[1] ایک انشاے فارسی ہی، دیوان فارسی اور انشا حکیم احسن اللہ خان مرحوم نے مرتب کی، در مطبع سلطانی مین ۱۲۷۳ھ سے قبل چھپی،

آزاد نے آب حیات میں مومن کے کلام کی نسبت جو رائے ظاہر کی ہے اوس کو نقل کر کے پھر جو بات رہجائیگی اوس کو میں بیان کرونگا،

"اون کے خیالات نہایت نازک اور مضامین عالی ہیں، استعارہ اور تشبیہ کے زور سے اور بھی اعلیٰ درجہ پر پہنچایا ہی، ان میں معاملات عاشقانہ عجیب مزے سے ادا کئے ہیں، اسی واسطے جو شعر صاف ہوتا ہی، اوس کا انداز جرأت سے ملتا ہی، وہ اکثر اشعار میں ایک شے کو کسی صفت خاص کے لحاظ سے ذات شے کی طرف نسبت کرتے ہیں، اور اس ہیر پھیر سے شعر میں عجیب لطف لطیف بلکہ معانی پر زبان پیدا کرتے ہیں، اکثر عمدہ ترکیبیں اور نادر ترا شیں فارسی کی اور استعارے و اضافتیں اُردو میں استعمال کر کے کلام کو نمکین کرتے ہیں"

بات یہ ہے کہ جو جذبات وخیالات غزل میں بیان کئے جاسکتے ہیں، وہ سب قدما کے حصے میں آگئے، اور جتنے لطیف اور پاکیزہ اسلوب بیان کے ہو سکتے ہیں، وہ سب ختم ہو گئے، ممکن تھا کہ متاخرین اوس دائرہ سے نکلکر ہر قسم کے خیالات پر اپنی شاعری کی بنیاد قائم کردیتے تو اونکو زیادہ وسیع اور فراخ میدان مل جاتا، مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا، اوسی محدود دائرے میں اپنے اپنے مبلغِ فکر کے موافق لطافتیں اور نزاکتیں پیدا کیں،

مومن خان کے ہمعصروں میں مرزا غالب نے اس میں نمایاں حصہ لیا ہی، مگر جیسا کہ خود مولانا حالی نے یادگارِ غالب میں ایک موقع پر تسلیم کیا ہی کہ مومن خان مرحوم اس خصوصیت میں مرزا سے بھی سبقت لے گئے، حقیقت یہ ہو کہ مومن خان نے جس قدر اسالیب بیان میں نزاکت و لطافت پیدا کردی ہو وہ اون کی ذہانت اور جولانیٔ طبیعت کا تماشا گاہ ہے قصیدوں میں، غزلوں میں، مثنویوں میں ہر جگہ اون کا اندازِ بیان کیفیت سے خالی نہیں، مگر افسوس ہو کہ اون کو مولانا حالی جیسا نقاد نہیں ملا، جو اون کی کاوشِ فکر کے نتائج کو ملک میں نمایاں کرتا

اون کے طرزِ ادا مین ایک بات اور بھی ہی جس کو مولانا شبلی نے شعر العجم مین خصوصیات غالب مین بیان کیا ہی، کچھ شک نہین کہ مرزا غالب بھی اون کے ساتھ شریک ہین، مگر مومن کے یہان یہ بات بہت نمایان ہی کہ اکثر موقعون پر مضمون کے بعض اجزا چھوٹ جاتے ہین، جس سے ایک خاص لطف پیدا ہو جاتا ہی یہ وہ موقعے ہوتے ہین جہان سننے والے کا ذہن خود بخود اوس جزو کی طرف منتقل ہو سکتا ہی، یہ شاعری کا ایک نازک پہلو ہی جسمین کبھی بے اعتدالی بھی پیدا ہو جاتی ہی، جس کی وجہ سے شعر سخت پیچیدہ ہو جاتا ہی، اور اوس کے سمجھنے مین کاوشِ فکر کی ضرورت پڑتی ہی،

افسوس ہے کہ اس جامع کمالات ہستی نے بہارِ زندگی کے صرف باوٗن سال مرتے لیکر ۱۲۶۸ھ مین وفات پائی، اور مہندیورہ مین دلی دروازہ کے باہر حضرت شاہ عبد العزیز علیہ الرحمہ کے مقبرہ کے پاس سپردِ خاک کئے گئے،

غزلون کے منتخب اشعار ملاحظہ ہون،

غضب سے تیرے ڈرتا ہون رضا کی تیرے خواہش ہی ‏ ‏ نہ مین بیزار دوزخ سے نہ مین مشتاق جنت کا

نہ جاوٗن گا کبھی جنت مین مین نہ جاوٗن گا ‏ ‏ اگر نہوئے گا نقشا تمھارے گھر کا سا

کچھ سن کے جو مین چپ ہون تو تم کہتے ہو بولو ‏ ‏ سمجھو تو یہ تھوڑا ہے کہ مین کچھ نہین کہتا

اللہ ری ناتوانی جب شدت قلق مین ‏ ‏ بالین سے سر اٹھایا دیوار تک نہ پہنچا

اوس نقشِ پا کے سجدہ نے کیا کیا کیا ذلیل ... مین کوچہ رقیب مین بھی سر کے بل گیا،

کیا سناتے ہو کہ ہے ہجر مین جینا مشکل ... تم سے بے رحم پہ مرنے سے تو آسان ہوگا
درد ہے جان کے عوض ہر رگ و پے مین ساری ... چارہ گر ہم نہین ہونے کے جو درمان ہوگا

دل لگانے کے تو اوٹھائے مزے ... جی بلا سے رہا رہا نہ رہا

نہ مانون گا نصیحت پر نہ سنتا مین تو کیا کرتا ... کہ ہر ہر بات پر ناصح تمھارا نام لیتا تھا

کیا تم نے قتل جہان اک نظر مین ... کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا،

وہ کرتے ہین بیباک عاشق کشی یون ... نہین کوئی دنیا مین گویا کسی کا

یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا ... مین الزام اوس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

وقتِ وداع بے سبب آزردہ کیون ہوئے ... یون بھی تو ہجر مین مجھے رنج و عذاب تھا

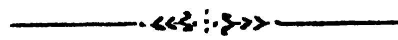
بیخود تھے، غش تھے، محو تھے، دنیا کا غم نہ تھا ... جینا وصال مین بھی تو مرنے سے کم نہ تھا

دشنامِ یار طبعِ حزین پر گران نہین
اے ہمنفس نزاکتِ آواز دیکھنا

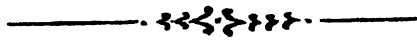
بدکام کا مآل برا ہے جزا کے دن
حالِ سپہرِ تفرقہ انداز دیکھنا



دھو دیا اشکِ ندامت نے گناہون کو مرے
تر ہوا دامن تو بارے پاکدامن ہو گیا



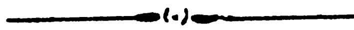
ہجرِ بتان مین تجکو ہی مومن تلاشِ زہر
غم پر حرام خوار توکل نہ ہو سکا



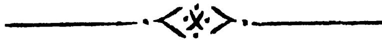
مٹی نہ دی مزار تلک آ گئے اس پہ بھی
کہتے ہین لوگ خاک مین اوس نے ملا دیا



چشمِ غضب سے مشورۂ قتل کھل گیا
جو بات دل مین تھی سو نظر سے عیان ہوا



اِس ضعف مین تو آتا ہو سینہ سے لب تلک
کہتے ہین اپنے نالہ کو ہم نارسا عبث



مر جائیے کہین کہ تو غمِ ہجر سے چھوٹ جائے
کہتے تو ہین بھلے کی وہ لیکن بری طرح



ٹھانی تھی دل مین اب نہ ملین گے کسی سے ہم
پر کیا کرین کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم

اوس کو ہین جا مرین گے مددلے ہجومِ عشق
آج اور زور کرتے ہین ناطاقتی سے ہم



خنجر کو نہ توڑا سخت جانی
پھر کس کو گلے لگائین گے ہم

گر ہے دلِ غیر نقشِ تحریر تو تیرے لئے جلائین گے ہم،

اے تپِ ہجر دیکھ مومن ہین ہے حرام آگ کا عذاب ہمین

نہ مین اپنا نہ دل اپنا نہ تم میرے نہ جان میری اثر کس کس کو ہو ہووے بھی گر فریاد بیکس مین
ذرا سمجھو تو جانِ من وصالِ غیر پر ہر دم مری جان کون ہر یہ کس کی جھوٹی کھاتے ہو قسمین

یار تھے یا دشمنِ جان تھے الٰہی چارہ گر لیچلے مرتے ہی زندان سے سوے صحرا ہمین

شیرین پہ طعنِ تلخیِ فرہاد کس لئے، مجکو بھی کچھ مزا نہ ملا تیری چاہ مین،
ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا جادو بھرا ہوا ہے تمھاری نگاہ مین

بے التفاتیان جو عدو سے سنی نہ تھین ہم جانتے تھے وصل مین رنج و الم نہین
ناصح کہان تلک تری باتین اٹھا سکون سچ ہے کہ مجھ مین طاقتِ جور و ستم نہین

مین گلہ کرتا ہون اپنا تو نہ سن غیرونکی بات ہین یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہین
غیر سے سرگوشیان کر لیجئے، پھر ہم بھی کچھ آرزو ہاے دلِ درد آشنا کہنے کو ہین،

بچا ہون روزِ جزا داد یہ ستم دیکھو کب آزماتے ہین جب وقتِ امتحان نہین

ہین غیر مرے نکلنے سے خوش گویا کہ ہین اون کا مدعا ہون

کیا کیجیے کہ طاقتِ نظارہ ہی نہین جتنے وہ بے حجاب ہین ہم شرمسار ہین
جز نہ سپہر ہین مرے دشمن تو اور بھی لیکن بڑے ستم یہی ڈوتین چار ہین،
کیسے گلے رقیب کے کیا طعنِ اقربا اپنا ہی دل نہ چاہے تو باتین ہزار ہین

گو آپ نے جواب برا ہی دیا دلے مجھ سے بیان نہ کیجیے عدو کے پیام کو

کچھ شورِ محبت کی تو لذت ہی نہ پوچھو ہے آپ کے بھی حسن سے کتنا نمکین یہ

مانگا کرین گے اب سے دعا ہجرِ یار کی آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

توبہ گنہ عشق سے فرمائیے ہو واعظ یہ بھی کہین دل دے کے گنہگار رہوا ہے

تابِ نظارہ نہین آئینہ کیا دیکھنے دون اور بن جائین گے تصویر جو حیران ہونگے
ایک ہم ہین کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس ایک وہ ہین کہ جنھین چاہ کے ارمان ہونگے
عمر ساری تو کٹی عشقِ بتان مین مومن آخری وقت مین کیا خاک مسلمان ہونگے

پامال اک نظر مین قرار و ثبات ہے، اوس کا نہ دیکھنا نگہِ التفات ہے،

چھوٹ کر کہان اسیرِ محبت کی زندگی ناصح یہ بندِ غم نہین قیدِ حیات ہی،

عیش مین بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو کہ شبِ غم کوئی کس طور بسر کرتا ہے،
بخت بد نے یہ ڈرایا ہو کہ کانپ اٹھتا ہون تو کبھی لطف کی باتین بھی اگر کرتا ہے

عذاب ایزدی جانکاہ ہی مانا بس اب مومن خدا کے واسطے ذکرِ ستم ہائے بتان کیجے

اجل سے خوش ہون کسی طرح ہو وصال تو ہی نہ آئے نعش پہ وہ پر یہ احتمال تو ہے
جفائے یار پہ سونپا معاملہ دل کا اب آگے ہو نہ ہو امیدِ انفصال تو ہی

کیون کر یہ کہین منتِ اعدا نہ کرین گے کیا کیا نہ کیا عشق مین کیا کیا نہ کرین گے

تسلی دمِ واپسین ہو چکی ہمین ہو چکے جب نہین ہو چکی

رشکِ دشمن بہانہ تھا سچ ہے مین نے ہی تم سے بے وفائی کی

شبِ ہجر مین کیا ہجومِ بلا ہے، زبان تھک گئی مرحبا کہتے کہتے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی، تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

کسی نے گر کہا مرتا ہی مومن   کہا مین کیا کرون مرضی خدا کی

مرزا اسداللہ خان غالب

در اوائل حال بتقاضائے طبع دشوار پسند بطرز مرزا عبد القادر بیدل سخن می گفت و دقت آفرینیہا میکرد، آخر الامر ازان طریقہ اندازے مطبوع ابداع نمودہ بعد ترتیب و تکمیل دیگر نگریست فراوان ابیات ازان حذف و ساقط کردہ قدر قلیلے انتخاب زدہ، ام گلشن بیخار،

اسد اللہ خان نام، مرزا نوشہ لقب، نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ خطاب تھا، پہلے اسد تخلص کرتے تھے پھر بمناسبت اسد اللہ غالب کے غالب اختیار کیا، والد کا نام عبداللہ بیگ تھا جب پانچ برس کی عمر ہوئی، اوس وقت باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، مرزا نصر اللہ بیگ حقیقی چچا لارڈ لیک کے لشکر مین چارسو سوارون کے رسالدار تھے، اون کی ذات اور رسالے کی تنخواہ مین دو پرگنے نواح آگرہ مین سرکار سے مقرر تھے، انھون نے بھتیجے کی پرورش کی،

چچا کے مرنے کے بعد اون کے وارثون کی پنشین سرکار نے فیروزپور جھرکہ کی ریاست مین مقرر کرادین جس مین سے سات سو روپیہ سالانہ مرزا کو بھی غدر تک ملتا رہا، پچاس روپیہ ماہوار خلعت و خطاب کے ساتھ، تاریخ خاندان تیموریہ کے لکھنے کے معاوضہ مین ابوظفر بہادر شاہ نے مقرر کر دیئے تھے،

غدر کے بعد یہ تنخواہ بند ہو گئی، اور بہادر شاہ سے تعلقات رکھنے کی پاداش مین پنشن بھی جاتی رہی، دو برس انھون نے جس مصیبت سے کاٹے وہ انھین کا کام تھا،

اوس کے بعد یہ رامپور چلے گئے۔ اور نواب یوسف علی خاںؒ ناظم رامپور نے ایک سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کر دی، اور اگر رام پور میں رہیں تو سو روپیہ مہینہ دعوت کا۔ مگر دلی چھوڑ کر رام پور کیون کر رہ سکتے، واپس آئے اور تین سال کی جد و جہد مین پنشن بھی جاری ہوگئی، علاوہ اس کے قصیدون کے صلے فتوح غیبی کے طور پر کبھی کبھی مل جاتے تھے۔ اِس مین

۵؎ نواب یوسف علیخان خلف نواب محمد سعید خان والیِ رام پور علم دوست اور ہنر پرور رئیس تھے، مولانا فضل حق خیرآبادی مرزا نوشہ غالب، میر حسین تسکین، مظفر علیخان اسیر، منشی امیر احمد اور بہت سے علما و شعرا اون کے دامنِ دولت سے وابستہ تھے، ابتدا مین حکیم محمد مومن خان مرحوم سے مشق سخن کی، اون کے بعد مرزا نوشہ غالب کے شاگرد ہوئے پھر منشی مظفر علی اسیر کو کلام دکھانے لگے، غدر ۵۷ء مین گورنمنٹ انگریزی کی مدد دینے کے صلہ مین کچھ علاقہ بھی اون کو ملا اور علاوہ دیگر خطابات کے فرزند دلپذیر دولت انگلشیہ کا خطاب عنایت ہوا ۱۸۶۴ء مین وفات پائی صاحب دیوان ہین صرف ایک غزل اونکی یہان نقل کرتا ہون،

مین نے کہا کہ دعویٔ الفت مگر غلط — کہنے لگے کہ ہان غلط اور کس قدر غلط
تاثیرِ آہ و زاریِ شبہاے تار جھوٹ — آوازۂ قبولِ دعائے سحر غلط
سوزِ جگر سے ہونٹھ پر چھالا افترا — شور و فغان سے جنبشِ دیوار و در غلط
ہان سینہ سے نمائشِ داغِ درون دروغ — ہان آنکھ سے تراوشِ خونِ جگر غلط
آجائے کوئی دم مین تو کیا کچھ نہ کیجیے — عشقِ مجاز چشمِ حقیقت نگر غلط
بوس و کنار کے لیئے یہ سب فریب ہین — اظہارِ پاک بازیٔ و ذوقِ نظر غلط
تو صاحب آفتاب کہان اور ہم کہان — احمق ہین ہم اوسکو نہ سمجھین اگر غلط
مٹی مین کیا دھری تھی کہ چپکے سے سونپ دی — جانِ عزیز پیشکشِ نامہ بر غلط
ہم پوچھتے پھرین کہ جنازہ کدھر گیا، — مرنے کی اپنی روز اڑائی خبر غلط
یہ کچھ سنا جواب مین ناظم ستم کیا — کیون یہ کہا کہ دعویِ الفت مگر غلط

جس طرح سے بن پڑا زندگی بسر کردی، نواب الٰہی بخش خان معروف کی بیٹی سے تیرہ برس کے سن مین شادی ہوگئی تھی، اس تقریب سے دلّی آرہے تھے، مگر زندگی بھر گھر نہین بنایا، دوستون کے گھر مین مستعار رہے، یا کرایہ کے مکان مین عمر کاٹ دی، بیٹے بیٹیان بہت سی ہوئین مگر چھٹپنے مین مرمر گئین، اخیر مین بیوی کے بھانجے نواب زین العابدین خان عارف کے دو یتیم بچون کو لیکر پرورش کیا، اور انھین کو بیٹا بیٹی سمجھتے رہے،

مرزا شگفتہ مزاج تھے، ذہن و ذکاوت کے ساتھ قوتِ حافظہ بھی لاجواب رکھتے تھے، شوخی اور ظرافت اون کے دم قدم کے ساتھ تھی، تحریر ہو یا تقریر کوئی بات اون کی لطافت وظرافت سے خالی نہ ہوتی تھی، میرزایانہ تمکنت کے ساتھ مزاج مروت و دوستی کا بناہ اور وضعداری کا پاس و لحاظ حد سے زیادہ تھا،

شعر و سخن سے ازلی مناسبت تھی، حسنِ اتفاق سے ہرمزد نام ایک پارسی جو ژند و پاژند کا عالم تھا اسلام قبول کیا، اور اوس کا اسلامی نام ملا عبدالصمد رکھا گیا، وہ ایام سیاحت مین ہندوستان آنکلا، اوس وقت مرزا کی عمر چودہ برس کی تھی، مگر وہی مناسبت ازلی طبیعت مین تھی، اوسکو دو برس تک گھر مین مہمان رکھکر اکتساب کمال کیا اور فارسی مین روانیِ طبیعت کے وہ جوہر دکھائے کہ باید و شاید،

عربی مین صرف و نحو کے سوا اُستاد سے اور کچھ نہین پڑھا تھا، مگر چونکہ علم سے فطری مناسبت تھی اون کی اردو فارسی کی نظم و نثر کو دیکھکر کوئی یہ نہین کہہ سکتا کہ یہ شخص عربیت سے ناواقف ہی، عربی الفاظ کو ہر جگہ اوسی سلیقہ سے استعمال کیا ہی، جس طرح ایک اچھے فاضل سے اس کی توقع ہوسکتی ہی،

ملا عبدالصمد کی صحبت مین فارسیت کا رنگ اون کی قوتِ متخیلہ پر خوب چڑھ گیا تھا،

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا مین مرزا عبد القادر بیدل کا کلام زیادہ دیکھا تھا، اسی وجہ سے جو روش مرزا بیدل نے فارسی زبان مین اختراع کی تھی مرزا نے اردو مین اوسی پر چلنا شروع کر دیا،

مولانا حالی نے یادگارِ غالب مین کچھ اشعار اوس زمانہ کے نقل کئے ہین[1]، مگر اب بھی اون کے دیوان مین ایک ثلث کے قریب ایسے اشعار موجود ہین جن پر اردو زبان کا اطلاق مشکل ہو سکتا ہے، مثلاً،

شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا، تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا
ہوائے سیر گل آئینۂ بے مہریِ قاتل کہ اندازِ بخون غلطیدنِ بسمل پسند آیا

شب خمار چشم ساقی رستخیز اندازہ تھا، تا محیط بادہ صورت خانۂ خمیازہ تھا،
یک قدم وحشت سے درسِ دفترِ امکان کھلا جادہ اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے،

---

[1] جو اشعار مرزا نے دیوان سے نکالڈالے ہین اونمین سے سات شعر مولانا حالی نے یادگار غالب مین نقل کئے ہین بطور نمونہ کے چار شعر یہان نقل کرتا ہون ؎

بحسرت گاہ نازِ کشتۂ جان بخشیِ خوبان خضر کو چشمۂ آبِ بقا سے تر جبین پایا
پریشانی سے مغز سر ہوا ہے پنبہ بالش خیالِ شوخیِ خوبان راحت آفرین پایا
دکھا غفلت نے دور افتادۂ ذوقِ فنا ورنہ اشارت فہم کو ہر ناخن بریدہ ابرو تھا
ساتھ جنبش کے بیک بر خاستن طے ہو گیا گو ئیا صحرا غبارِ دامنِ دیوانہ تھا
کرے گر فکر تعمیر خرابیہائے دل گردون نہ نکلے خشت مثل استخوان بیرون ز قالبہا

سنا گیا ہی کہ مرزا کے اس ناپسندیدہ انداز سے مفتی صدرالدین خان بہت آزردہ رہتے اور ہر موقع پر اون کی اِس بے راہروی کی مذمت فرماتے تھے، اور دلّی کے بعض ظرفا شاعرون مین غزلین لکھکر لیجاتے، جو الفاظ اور ترکیبون کے لحاظ سے تو بہت پرشوکت و شاندار معلوم ہوتی تھین، مگر معنی ندارد گویا مرزا پر یہ ظاہر کرتے تھے کہ آپ کا کلام ایسا ہوتا ہی، [1]

[1] آزاد نے آبحیات مین حکیم آغا جان عیشؔ اور رہبر الشعرا کے تذکرہ کے ضمن مین بیان کیا ہی کہ حکیم صاحب کا اشارے پر ہر دم ملیلان سخن کو ٹھونگین بھی مارتا تھا چنانچہ بعض غزلین سرمشاعرہ پڑھتا تھا جس کے الفاظ نہایت شستہ اور رنگین لیکن شعر بالکل بے معنی اور کہہ دیتا تھا کہ یہ غالبؔ کے انداز مین غزل لکھی ہی ایک مطلع یاد ہی،

مرکز محور گردون بہ لبِ آب نہین ۔۔۔ ناخنِ قوس قزح شبہۂ مضراب نہین

اگرچہ مشاعرہ مین مرزا بھی تھے اور حکیم آغا جان عیشؔ بھی انھون نے طرحی غزل مین قطعہ پڑھا،

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے ۔۔۔ مزا کہنے کا جب ہے اک کہے اور دوسرا سمجھے

کلام میرؔ سمجھے اور زبان میرزا سمجھے ۔۔۔ مگر اِن کا کہا یہ آپ سمجھین یا خدا سمجھے

ایک دفعہ مولوی عبدالقادر رامپوری نے جو نہایت ظریف اور خوش مذاق فاضل تھے مرزا سے کہا کہ آپ کا ایک اردو شعر سمجھ مین نہین آتا اور اسی وقت دو مصرعے موزون کرکے مرزا کے سامنے پڑھے، ؎

پہلے تو روغن گل بھینس کے انڈے سے نکال ۔۔۔ پھر دوا جتنی ہو کل بھینس کے انڈے مین ڈال

مرزا سنکر حیران ہوئے کہا کہ یہ میرا شعر نہین ہی، انھون نے اصرار کیا، آخر کو مرزا سمجھ گئے کہ مجھپر اس پیرایے مین اعتراض کرتے ہین اور جتاتے ہین کہ تمھارے اسی قسم کے اشعار ہوتے ہین،

مرزا نے اس قسم کی نکتہ چینیون پر اردو اور فارسی مین جابجا اشارہ کیا ہی، ایک جگہ کہتے ہین، ؎

نہ ستایش کی تمنا نہ صلے کی پروا ۔۔۔ گر نہین ہین مرے اشعار مین معنی نہ سہی

ایک اور اردو غزل کا مطلع ہی،

گر خامشی سے فائدہ اخفاے حال ہی ۔۔۔ خوش ہون کہ میری بات سمجھنی محال ہی

حسنِ اتفاق دیکھو مولانا فضل حق خیرآبادی دلی مین سررشتہ دار کمشنری تھے، بزرگون کے وطن کے لحاظ سے ان کو خیرآبادی کہہ لو مگر حقیقت مین ان کا بچپن، جوانی اور بڑھاپا سب دلی مین گذرا تھا، یہ اور مفتی صدرالدین خان ہم سن وہم سبق اور دوستی کے لحاظ سے یکجان اور دو قالب تھے، مرزا نوشہ دلی مین رہے، تو ان سے بھی رسم پیدا ہوئی۔ اور رفتہ رفتہ بڑھ گئی یہان تک کہ مرزا اون کو اپنا مخلص بے ریا سمجھنے لگے مفتی صاحب کی طعن وتعریض کو تو شاید کسی اور بات پر بھی محمول کرتے ہون، مگر جب مولانا فضل حق نے روک ٹوک شروع کی۔ تو اون کے کان کھڑے ہوئے۔ مولانا حالی لکھتے ہین کہ مولانا کی تحریک سے مرزا نے اپنے کلام سے دو ثلث کے قریب اشعار نکال ڈالے اور اس کے بعد اس روش پر چلنا چھوڑ دیا،

مرزا کی خصوصیاتِ شاعری پر حالی نے بہت استیعاب کے ساتھ بحث کی ہے، یہ موقع اوس کی تفصیل کا نہین ہے، تاہم جہان تک ممکن ہے اختصار کیساتھ کچھ کچھ بیان کرونگا،

حالی کی رائے ہے کہ میر و مرزا سے لیکر ذوق تک جتنے شعرا گذرے ہین۔ اونکا ایک محدود دائرہ ہے، جس سے وہ کم نکلتے ہین، اون کی بڑی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جو مضمون پہلے کسی طور پر بندھ چکا ہے، وہی مضمون ایسے بلیغ اسلوب سے بیان کیا جائے کہ اگلی بندشون سے بڑھ جائے، برخلاف انکے مرزا نے اپنی غزل کی بنیاد ایسے اچھوتے مضامین پر رکھی ہے جنکو اوشعرا کی فکر نے مس نہین کیا تھا، اور معمولی مضمون ایسے طریقے سے ادا کئے ہین جو سب سے نرالا ہے،

میری رائے ناقص مین یہ عقیدہ اس حد تک صحیح اور قابلِ تسلیم ہے کہ مرزا نے اپنی تغزل کی بنیاد ایسے اچھوتے اسالیب پر رکھی ہے، جن کو اور شعرا کی فکر نے مس تک نہین کیا، وہ معمولی سے معمولی مضمون کو ایسے نرالے انداز سے ادا کرتے ہین جو بالکل نیا معلوم ہوتا ہے

ضرور نہین کہ ہر ایک مضمون اون کا نیا ہی ہو،

ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہو کہ عام اور مبتذل تشبیہین جو عموماً شعرا کے کلام مین پائی جاتی ہین، اون سے جہان تک ہو سکتا ہو بچتے ہین، اور نئی نئی تشبیہین پیدا کرتے ہین، مثلاً سانس کو موج سے، بیخودی کو دریا سے، گرداب کو شعلۂ جوالہ سے، مغز سر کو پنبۂ بالش سے، دانۂ انگور کو عقدِ وصال سے، استخوان کو خشت سے، بدن کو قالبِ خشت سے، اور اسی قسم کی بہت سی تشبیہین اون کے ابتدائی ریختہ مین موجود ہین،

ان مین ایک خصوصیت یہ ہے کہ متانت اور سنجیدگی کو شوخی اور ظرافت سے ایسا پیوست کرتے ہین کہ دونون مل کر شعر مین تڑپ پیدا کر دیتے ہین، سوؔدا اور آتشؔ شوخی اور ظرافت مین غالب سے بڑھکر ہین، مگر جب وہ شوخی پر آتے ہین، تو متانت اون کے ہان سے رخصت ہو جاتی ہو،

ایک خصوصیت مرزا کی یہ ہے کہ اون کے طرزِ ادا مین ایک خاص چیز ہے جو (مومن کے سوا) اورون کے ہان بہت کم دیکھی جاتی ہو، اون کا کلام ایسا پہلو دار ہوتا ہو کہ بادی النظر مین اون سے کچھ اور معنی مفہوم ہوتے ہین، مگر غور کرنے کے بعد دوسرے معنی نہایت لطیف پیدا ہوتے ہین جسکی وجہ سے اون کا شعر ہمیشہ ایک نیا لطف دیتا ہو،

مرزا کا معمول تھا کہ وہ نظم ہو یا نثر نہایت کاوش سے لکھا کرتے تھے، مگر باوجود اس عادت کے اپنی ذکاوت اور جولانیِ طبیعت سے بدیہہ گوئی کی بھی مشق پیدا کرلی تھی،

لطیفہ، کلکتہ مین مولوی کرم حسین مرزا کے ایک دوست نے ایک مجلس مین چکنی ڈلی بہت پاکیزہ اور بے ریشہ اپنے کفِ دست پر رکھکر مرزا سے کہا کہ اس کی کچھ تشبیہات نظم کیجئے، مرزا نے وہین بیٹھے بیٹھے نو دس شعر کا قطعہ لکھکر اُن کو دیا، اور اون کے صلہ مین وہ ڈلی

اون سے لی، چھ سات شعر اوس کے ملاحظہ ہون،

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی — زیب دیتا ہی اُسے جس قدر اچھا کہئیے،
خامہ انگشت بدندان کہ اسے کیا لکھئے — ناطقہ سر بگریبان کہ اسے کیا کہئیے،
اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجئے — خالِ مشکینِ رُخِ دلکشِ لیلا کہئیے،
حجرالاسودِ دیوار حرم کیجئے فرض — نافہ آہوئے بیابانِ ختن کا کہئیے،
صومعہ مین اِسے ٹھہرائیے گر ہر نماز — میکدہ مین اسے خشتِ خمِ صہبا کہئیے،
مسّی آلودہ سر انگشت حسینان لکھئے — سرِ پستان پریزادسے مانا کہئیے،
اپنے حضرت کے کفِ دست کو دل کیجئے فرض — اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہئیے،

اردو مین اٹھارہ سو شعر کا ایک انتخابی دیوان ان کا چھپ گیا ہی، اوس مین اکثر تمام کچھ ناتمام غزلین ہین، کچھ متفرق اشعار دو قصیدے کچھ رباعیان اور قطعے،

عود ہندی ایک مجموعہ ہے جسمین اردو کی کچھ تقریظین کچھ خطوط ہین، اردوی معلیٰ ایک دوسرا مجموعہ ہی، جسمین شاگردون نے جس قدر اردو کے خطوط اون کے ہاتھ آئے جمع کر دئیے ہین، ان خطوط کی عبارت ایسی ہی، گویا وہ آپ کے سامنے بیٹھے گل افشانی کر رہے ہین، بقول آزاد ان خطوط کی طرز عبارت ایک خاص قسم کی ہی، کچھ ظرافت کچھ چٹکلے اور لطافت کی شوخیان اس مین خوب ادا ہو سکتی ہین یہ انھین کا ایجاد تھا کہ آپ مزا لیا اور اورون کو لطف دے گئے،

علاوہ ان تصنیفات کے لطائفِ غیبی، تیغ تیز، ساطع برہان، وغیرہ اردو مین دوسرون کے نام سے ہین، فارسی مین کلیات ہی، یہ درحقیقت اون کی جولانیِ طبیعت کا تماشا گاہ ہی ایک کتاب پنج آہنگ ہی، فارسی انشا پردازون کے واسطے لکھی ہی، جو اون کے انداز پر لکھنا چاہے

قاطع برہان یا درفش کاویانی ایک رسالہ ہی جس مین برہان قاطع کی غلطیان نکالی ہین، نامۂ غالب اوس کا جواب الجواب ہی، مہر نیمروز تاریخ کی کتاب ہی، دری زبان مین امیر تیمور سے ہمایون بادشاہ تک کا حال ابوظفر بہادر شاہ کے حکم سے لکھا تھا، اسی سلسلہ مین دربار شاہی سے خطاب عنایت ہوا تھا، اوس کا دوسرا حصہ ماہ نیم ماہ کے نام سے لکھنا چاہتے تھے، جس مین اکبر شاہ سے لیکر ابوظفر بہادر شاہ تک کا حال لکھنا مقصود تھا، مگر غدر ہوجانے سے یہ حسرت دل کی دل ہی مین رہی، دستنبو بھی تاریخی کتاب ہی، دری زبان مین غدر کی قیامت خیز تباہی کا حال لکھا ہی، غدر کی تاریخ بھی مرزا نے رستخیز بیجا سے نکالی ہی اور کتنا لطیف تخرجہ ہی،

سبد چین ایک مختصر مجموعہ ہے، جس مین چند قصائد، چند قطعے، چند خطوط فارسی مین جو کلیات کی ترتیب اشاعت کے بعد لکھی تھی،

مرزا کو آخر عمر مین بڑھاپے نے بہت عاجز کر دیا تھا، کانون سے سنائی نہ دیتا تھا نقش تصویر کی طرح لیٹے رہتے تھے، انجام کار تہتر برس کا سن پاکر ۱۲۸۵ھ مین زندگی کے دن پورے کئے "آہ غالب بمرد" تاریخ وفات ہی،

تیشہ بغیر مر نہ سکا کوہکن اسد — سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تھا

جاتی ہی کشمکش کوئی اندوہ و درد کی — دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا

مین نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹون — وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

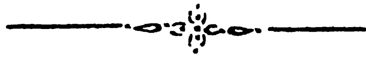
دوست غمخواری مین میری سعی فرمائینگے کیا — زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئینگے کیا



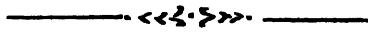
کی مرے قتل کے بعد اوس نے جفا سے توبہ — ہائے اُس زود پشیمان کا پشیمان ہونا،



آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے، — صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا



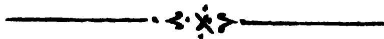
مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ مین — شایانِ دست و بازوے قاتل نہین رہا



غمِ فراق مین تکلیفِ سیرِ گل مت دو — مجھے دماغ کہان خندہ ہاے بیجا کیا



اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا — غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھپر ہوا



تنگیِ دل کا گلہ کیا، یہ وہ کافر دل ہی — کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشان ہوتا،



کوئی ویرانی سے ویرانی ہی — دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا،



رشک کہتا ہی کہ اوس کا غیر سے اخلاص حیف — عقل کہتی ہی کہ وہ بے مہر کس کا آشنا



اسد بسمل ہی کس انداز پر قاتل سے کہتا ہی — تو مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر

گرنی تھی ہمپہ برقِ تجلی نہ طور پر
دیتے ہین بادہ ظرف قدح خوار دیکھکر
وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہم کو حریصِ لذتِ آزار دیکھ کر

ہر چند سبکدست ہوئے بت شکنی مین
ہم ہین تو ابھی راہ مین ہین سنگِ گران اور
یارب وہ نہ سمجھے ہین نہ سمجھینگے مری بات
دے اور دل اون کو جو نہ دے مجکو زبان اور

مژدہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے
دامِ خالی قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن
خاک ہوجائینگے ہم تم کو خبر ہونے تک

وہ حلقہ ہائے زلف کمین مین ہین اے خدا
رکھ لیجو میرے دعوئ وارستگی کی شرم

زہر ملتا ہی نہین مجکو ستمگر ورنہ
کیا قسم ہی ترے ملنے کی کہ کھابھی نہ سکون

لون دامِ بختِ خفتہ سے اک خوابِ خوش و لے
غالب یہ خوف ہی کہ کہان سے ادا کرون

زخم سلوانے سے میرے چارہ جوئی کا ہی طعن
غیر سمجھا ہے کہ لذت زخمِ سوزن مین نہین

کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سرنوشت مین
گویا جبین پہ سجدۂ بت کا نشان نہین،

ترے سروِ قامت سے اک قدِ آدم قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہین،

کہتے ہین جیتے ہین امید پہ لوگ ہم کو جینے کی بھی امید نہین،

دل کو نیازِ حسرتِ دیدار کر چکے دیکھا تو ہم مین طاقتِ دیدار بھی نہین
شوریدگی کے حال سے سر ہے وبالِ دوش صحرا مین اے خدا کوئی دیوار بھی نہین

مین نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیے غیر سے تہی سن کے ستم ظریف نے مجکو اٹھا دیا کہ یون

نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہین ہے تقاضاے جفا شکوۂ بیداد نہین
عشق و مزدوریِ عشرت کدۂ خسرو کیا خوب ہم کو تسلیم نکو نامیِ فرہاد نہین

قطرہ اپنا بھی حقیقت مین ہی دریا لیکن ہم کو تقلیدِ تنک ظرفیِ منصور نہین

نظر لگے نہ کہین اون کے دست و بازو کو یہ لوگ کیون مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہین

جہان مین ہو غم و شادی بہم ہمین کیا کام دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہین

یارب زمانہ مجکو مٹاتا ہے کس لئے لوحِ جہان پہ حرفِ مکرر نہین ہون مین

وہ نگاہین کیون ہوئی جاتی ہین یارب دل کے پار　　جو مری کوتاہیِ قسمت سے مژگان ہوگئین



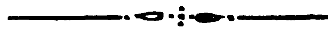
تم وہ نازک کہ خموشی کو فغان کہتے ہو　　ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو



عاشق ہوئے ہین آپ بھی اک اور شخص پر　　آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیئے
مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو　　اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے



ہے ہے اوس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے　　تکلف برطرف تھا ایک اندازِ جنون وہ بھی
مرے دل مین ہے غالب شوقِ وصل و شکوۂ ہجران　　خدا وہ دن کرے جو اوس سے مین یہ بھی کہون وہ بھی



غمِ دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی　　فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی



قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے　　کچھ نہین ہے تو عداوت ہی سہی
ہم بھی تسلیم کی خو ڈالین گے　　بے نیازی تری عادت ہی سہی



اگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب　　ہم بیابان مین ہین اور گھر مین بہار آئی ہے



بس ہجوم ناامیدی خاک مین مل جائیگی　　یہ جو اک لذت ہماری سعیِ بے حاصل مین ہے
گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے با این ہمہ　　ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اوس محفل مین ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اوس نے کہا — مین نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل مین ہی

—————

بے اعتدالیون سے سبک سب مین ہم ہوئے — جتنے زیادہ ہو گئے اوتنے ہی کم ہوئے۔

—————

نے مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال۔ — مدت ہوئی کہ آشتئ چشم و گوش ہے

—————

دے مجکو شکایت کی اجازت کہ ستمگر — کچھ تجکو مزا بھی مرے آزار مین آئے

—————

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی — امتحان اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق — نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

—————

اچھا ہے سر انگشت حنائی کا تصور — دل مین نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

—————

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید — ناامیدی اوس کی دیکھا چاہیئے

—————

رگون مین دوڑنے پھرنے کے ہم نہین قائل — جو آنکھون ہی سے نہ ٹپکے تو وہ لہو کیا ہے۔

—————

محبت مین نہین ہے فرق جینے اور مرنے کا — اوسی کو دیکھکر جیتے ہین جس کافر پہ دم نکلے

—————

کیا فرض ہی کہ سب کو ملے ایک سا جواب　　آؤ نہ ہم بھی سیر کرین کوہِ طور کی

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق　　سامانِ صدہزار نمکدان کئے ہوئے،

غالب اِس تلخ نوائی مین مجھے رکھیو معاف　　آج پھر درد مرے دل مین سوا ہوتا ہی

میر حسین تسکین،

صاحب فکر بلند و اسلوب گفتارش دل پسند از حضرت مومن خان بدرستیٔ اشعار پرداختہ از

احبابِ راقم است، (گلشن بیخار)

میر حسین تسکین دلی کے رہنے والے میر حیدر کی اولاد مین تھے، جنھون نے حسین علیخان کو اثناے سفر مین محمد شاہ بادشاہ کی رضاجوئی کے خیال سے قتل کر دیا تھا۔ والد کا نام میر حسن تھا، مگر میرن صاحب کے لقب سے مشہور تھے،

دلی مین پیدا ہوئے اور مولوی امام بخش صہبائی سے درسی کتابین پڑھین، شعر و سخن سے ازلی مناسبت تھی، کچھ دنون شاہ نصیر سے مشق سخن کی، اوس کے بعد حکیم مومن خان کے شاگرد ہوگئے،

کلام کا رنگ گواہی دیتا ہی کہ خان صاحب کے شاگردون مین یہ خاص مرتبہ رکھتے تھے۔ استاد کی طرزِ ادا معاملہ نگاری اور شوخی کو روزمرہ کی صفائی اور سادگی کے ساتھ اس طرح سے ملا جلا دیا ہی کہ اون کے کلام مین دلآویزی کی شان بڑھ گئی ہی، اور مومن خان کے ساتھ اس قدر ہمرنگی پیدا ہو گئی ہی، کہ اگر ان دونون کے کلام کو مخلوط کر دیا جائے تو ایک کے

کلام کو دوسرے کے کلام سے تمیز کرنا دشوار ہو جائیگا۔

جب دلی مین گذر اوقات کا کوئی ذریعہ نہ رہا تو رامپور چلے آئے نواب یوسف علیخان ناظم تخلص نے قدردانی فرمائی۔ چندروز رامپور مین آرام سے بسر کرکے پچاس برس کے سن مین ۱۰ شوال ۱۲۶۵ھ مین وفات پائی۔

میر عبدالرحمن آسی اِن کے سعادتمند بیٹے تھے، جنھون نے شاہ نصیر کا دیوان مرتب کیا تھا، وہ نواب کلب علیخان کے زمانے تک رامپور مین رہے۔ حکیم مومن خان مرحوم کے بھی شاگرد تھے، اور اون کے دیوان کی تکمیل انھین کے ہاتھون سے ہوئی ہے۔

پھر خدا چاہے بھرے دو دن مین منہ ناسور کا ۔۔۔ کچھ نمک کچھ مشک کچھ الماس ہوئے چارہ گر

جس وقت نظر پڑتی ہے اوس شوخ پہ تسکین ۔۔۔ کیا کہیئے کہ جی مین مرے کیا کیا نہین آتا

تسکین کرون کیا دلِ مضطر کا علاج اب ۔۔۔ کمبخت کو مر کر بھی تو آرام نہ آیا،

ہر روز وہ ڈھونڈھے ہے کوئی تازہ خریدار ۔۔۔ صورت مری ہر روز بدل جائے تو اچھا

کوچۂ یار مین مین نے تسکین ۔۔۔ پاؤن رکھا تھا کہ سر یاد آیا

غیرون کو اشارہ ہے مرے قتل پہ ناحق ۔۔۔ یہ جنبشِ ابرو ہے تو سر کاہے کو ہوگا،

زندگی ہووے گی کس طرح سے یارب اپنی
دم مین سو بار اگر یون وہ خفا ہوویگا

خوبصورت نہ کوئی ہو تو نہ ہو بدنامی
سچ تو یہ ہو کہ برا ہوتا ہی اچھا ہونا

اوس گلی مین اژدحام اغیار کا یاد آگیا
دل مین جوشِ حسرت و یاس و تمنا دیکھکر
دیکھنا شوخی یہ کہتے ہین مرے دشمن سے وہ
کیا ہنسی آئی مجھے تسکین کو روتا دیکھکر

گر مرکے چھٹے دل کی تپش سے تو عزیزو
تا حشر نہ نکلین گے کبھی گور سے باہر

اے چشم سرگین تری گردش نے کیا کیا
راحت پذیر تھے ستم آسمان سے ہم

یان انتظار ہی مین کٹی میری ساری رات
وان وعدہ کیا کیا تھا اونھین یاد ہی نہین

چھیڑون ہزار طرح سے تم کو خفا کرون
قابو مین میرے دل ہو تو کیا جانے کیا کرون

تسکین نے لے کے نام ترا وقتِ مرگ آہ
کیا جانے کیا کہا تھا کسی نے سنا نہین

باتون ہی کے مشفق ہین مرے حضرتِ ناصح
دو دن تو رہین پاس مرے رنج و محن مین

یہ تو سچ ہی کہ جو تم چاہو گے کر گذرو گے　　پر یہ ممکن نہین ہم پر کبھی بیداد نہ ہو،

آتے ہی اون کے جان گئی واہ رے نصیب　　نکلی جو آرزو تو دم واپسین کے ساتھ

قاصد آیا ہو وہان سے تو ذرا تم تو سہی　　بات تو کرنے دے اوس سے دلِ بیتاب عجب

یہ کہہ کے شبِ ہجر مین کرتا ہون تسلی　　جو رنج و مصیبت ہو سو انسان کے لئے ہو

تیغِ نگاہِ یار اچلنے لگی تھی پر　　برسون گذر گئے مجھے آزار کھینچے

اے دل یہ تیرا خاک مین ملنا ہو بے اثر　　وہ کر جو اوس کے طبعِ مکدر مین گھر کرے

نہ اٹھا گیا دل کے ہاتھون سے تکیتن　　کہا اوس نے جو سب سنا بیٹھے بیٹھے،

فتنۂ محشر کا تھا سب کو گمان　　تجکو پہچانا تری رفتار سے

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہو　　کہے دیتی ہو شوخی نقشِ پا کی

نواب مصطفیٰ خان شیفتہ،

نواب مصطفیٰ خان فرزند عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضیٰ خان بہادر از اوان صبا بمشق سخن مصروف بود وعمرے درین شغل بسر بردہ در مراتب نظم ونثر اولے خاص دارد و بہردو زبان ریختہ وپارسی سحرے می طرازد اعطور کلیم،

نواب مصطفیٰ خان کے دادا ولی داد خان کوہاٹ سے دلی آئے، نواب مرتضیٰ خان نے لارڈ لیک کے ساتھ رہکر بڑے بڑے کام کئے، اوس کے صلہ مین ہوڈل پلول کا علاقہ جاگیر مین ملا، جہانگیر آباد کا علاقہ انھون نے خود خرید کیا تھا، جو اب تک اون کی اولاد کے قبضہ مین ہے،

نواب مصطفیٰ خان کی ولادت ۱۲۲۱ھ؁ کو دلی مین ہوئی، تعلیم وتربیت کے جو بہترین سامان ہوسکتے ہین، وہ اون کو میسر ہوئے، مولوی محمد نور، مولانا کرم اللہ محدث اور دوسرے نامور علما سے تعلیم پائی، اور سفر حج مین شیخ محمد عابد سندی مشہور محدث سے سند حاصل کی،

شعر وسخن سے ازلی مناسبت تھی، حکیم مومن خان سے مشق سخن کی، دلی اوس وقت آج کی ایسی دلی نہ تھی، بڑے بڑے کہنہ مشق شاعر مولوی امام بخش صہبائی، علامہ عبداللہ خان علوی، مفتی صدرالدین خان آزردہ، مرزا اسداللہ خان غالب، نواب ضیاء الدین خان نیر، شاہ نصیرالدین نصیر، شیخ محمد ابراہیم ذوق، حکیم آغا جان عیش، حافظ عبدالرحمن خان احسان، میر حسین تسکین، اور خدا جانے کتنے سخنوران باکمال کا جمگھٹا تھا، جب یہ لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہون گے تو آسمان کو بھی زمین پر رشک آتا ہوگا،

مفتی صدر الدین خاں[1] اور خود نواب کے یہاں ہر ہفتہ باری باری سے مشاعرہ ہوتا تھا، اہل کمال اوس میں جمع ہو کر لطفِ سخن اُٹھاتے تھے،

[1] مفتی صدر الدین خاں بہادر عالیخاندان والا دودمان سرمایہ نازش ہندوستان فضل و کمال اور فنون ادبیہ کی بے نظیر قابلیت میں اپنا آپ جواب تھے۔ سرزمین ہند میں اس جامعیت کے دو ہی چار شخص ہوئے ہونگے اُس کے ساتھ مزاج دیکھو، تو خلق مجسم اور لطفِ مصور،

علم و کمال میں بقول شیفتہ:۔ در فنون ادبیہ ثانی اعشی وجریر است و در مراتب حکمیہ ثالث باقر و نصیر عقل صواب اندیش میں جنرل اکرٹلونی کے نفسِ ناطقہ جس آسانی سے راجپوتانہ کی پیچیدگیوں کو حل کر کے سرکار انگریزی سے معاہدے کرائے ہیں، وہ انھیں کا کام تھا،

ما کی مجلس ہو تو اوس میں صدر نشین، مشاعرہ ہو تو اوس میں میر مجلس، حکام کے جلسوں میں موقر و ممتاز یکسوں اور محتاجوں کے ملجا و ماوی، سرسید آثار الصنادید میں جہاں کہیں ان کا تذکرہ کرتے ہیں پورے ایک صفحہ میں ان کے القاب و آداب لکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں، ؎

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

نواب مصطفیٰ خاں گلشن بیخار میں فرماتے ہیں:" باعتقاد من روزیکہ بے شرف مجالست الیشان بپایان آید داخل ایام عمر نیست" خدا جانے اِن کے وقت میں کتنی برکت تھی، صدر الصدوری کے فرائض کے ساتھ حکام و روسائے شہر سے میل و جول مشاعروں کی شرکت، سب سے بالاتر درس و تدریس کا مشغلہ تھا، شاہجہان کا دستاویزہ دار البقا سلطنت کی تباہی کے ساتھ برباد ہو چکا تھا، اوس کو اپنے روپیے سے زندہ کیا، عمارت درست کی، طلبہ کے وظائف اور اون کے پڑھانے کو اساتذہ مقرر کئے، اور بطور مدرس اعلیٰ منتہی طلبہ کے اسباق اپنے ذمہ رکھے، ہفتہ میں ایک بار تعطیل کے دن سب کو لیکر باغ جاتے طرح طرح کے میوے اور لذیذ کھانے اون کو کھلاتے اور خوش ہوتے،

شاگردوں میں نواب سید صدیق حسن خاں بہادر مولوی سمیع اللہ خاں سی ایم، جی مفتی سعد اللہ (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

اوس زمانہ مین نواب کی سخن گوئی سے زیادہ اون کی سخن فہمی کی دھوم تھی، مرزا نوشہ تک اون کی سخن فہمی کے معترف و مداح تھے، مرزا کے نزدیک نواب کی پسند شعر کے حسن و قبح کا معیار تھی۔ فرماتے ہین،

غالبؔ بہ فن گفتگو نازد باین زورش کہ او ننوشت در دیوان غزل تا مصطفیٰ خان خوش نکرد

نواب نے سفر حج کے بعد اس شغلِ بے حاصل کو بہت کم کردیا تھا، کبھی کبھی احباب کے اصرار سے کچھ کہہ لیتے تو کہہ لیتے، تصنیفات مین ایک فارسی دیوان ہے، ایک ریختہ کا دیوان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۶) مولوی ذوالفقار علی، مولوی فیض الحسن اور ان جیسے خدا جانے کتنے علما اون کے دامنِ تربیت مین پرورش پاکر نکلے جن سے ایک عالم فیض یاب ہوا، ۱۲۱۱ھ مین پیدا ہوئے اور اکیاسی برس کی عمر پاکر ۱۲۹۲ھ مین وفات پائی، مولانا فضل امام خیرآبادی سے فنون حکمیہ اور حضرت شاہ عبد العزیز علیہ الرحمہ اور ان کے بھائیون سے علوم دینیہ اور معارف ادبیہ کی تعلیم پائی تھی، عربی اور فارسی کلام کے لکھنے کا یہ موقع نہین، اردو کے دو چار شعر نقل کرتا ہون،

مین اور ذوقِ بادہ کشی لے گئین مجھے، یہ کم نگاہیان تری بزمِ شراب مین

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق مین، اک جان کا زیان ہے سو ایسا زیان نہین

اچھا ہوا نکل گئی آہ حزین کے ساتھ اک قہر تھی بلا تھی قیامت تھی جان نہین

کا بل اس فرقۂ زہاد مین اٹھا نہ کوئی کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

نکلا وہ غضب زلف سیہ فام یہ کافر کیا خاک جئے کوئی شب ایسی سحر ایسی،

ایک مجموعہ ہی جس مین فارسی انشا پردازی کا اعلیٰ نمونہ ظاہر ہوتا ہی، ایک سفرنامہ ہی ترغیب السالک الی احسن المسالک فارسی نام اوس کا رہ آورد سے،

علاوہ ان کتابون کے ایک مبسوط تالیف گلشن بیخار ہی جسمین ریختہ گو شعرا کے انتخابی کلام کو فراہم کیا ہی، اوسکو دیکھکر ان کی سخن فہمی کی بیساختہ داد دینی پڑتی ہی،

نواب دین دار اور مذہبی آدمی تھے، جوانی مین مولانا شاہ اسحٰق محدث کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، وہ ہندوستان سے ہجرت فرما گئے، صحبت میسر نہین ہوئی، پھر جب خدا کی توفیق نے رہبری کی حضرت شاہ عبدالغنی محدث سے تجدید بیعت کر کے حلقۂ مشایخ مین داخل ہوگئے، اِس لحاظ سے وہ دنیا خورد و عقبیٰ برد کے صحیح مصداق تھے،

تر سٹھ برس کی عمر پائی، اور ۱۲۸۶ھ مین دنیا سے انتقال کیا،

ہائے اوس برقِ جہان سوز پہ آنا دل کا ۔۔۔ سمجھے جو گرمیٔ ہنگامہ جلانا دل کا،

ایک نالہ مین ستمہائے فلک سے چھوٹے ۔۔۔ جس کو دشوار سمجھتے تھے سو آسان نکلا

کب طالع خفتہ نے دیا خواب مین آنے ۔۔۔ وعدہ بھی کیا وہ کہ وفا ہو نہین سکتا

نہ دیا ہائے مجھے لذتِ آزار نے چین ۔۔۔ دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا

یاس سے آنکھ بھی جھپکی تو توقع سے کھلی ۔۔۔ صبح تک وعدۂ دیدار نے سونے نہ دیا،

کیا جانے گذری غیر پہ کیا اوسکی بزم مین
آئے وہ اِس طرح سے مجھے پیار آ گیا،

کس لئے لطف کی باتین ہین پھر
کیا کوئی اور ستم یاد آیا،

کہتا تھا وقت نزع کے ہر اک سے شیفتہ
دینا کسی کو دل تو وفادار دیکھکر

جو بات میکدے مین ہو اک اک زبان پر
افسوس مدرسہ مین ہو بالکل نہان ہنوز
اے تابِ برق تھوڑی سی تکلیف اور بھی
کچھ رہ گئے ہین خار و خسِ آشیان ہنوز

عبث ہے شیفتہ ہر اک سے پوچھتے پھرنا
ملے گا بادہ کشون سے نشانِ بادہ فروش

کہتے ہین بے وفا مجھے مین نے جو یہ کہا
مرتے رہین گے تم ہی پہ جیتے ہین جب تلک
یا ان عجز بے ریا ہو نہ وان نازِ دلفریب
شکرِ بجا رہا گلۂ بے سبب تلک

ہین جان بہ لب کسی کی اشارت کی دیر ہی
دیکھے ہی اوس نگہ کو قضا اور قضا کو ہم

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہین اگر کچھ اثر کرین

دشمن نواز یار و فلک بوالہوس پرست
کس سے جفائے غیر کا یارب گلہ کرون

کچھ اور بیدلی کے سوا آرزو نہین ، اے دل یہ یاد رکھیو کہ ہم ہین تو تو نہین

آشفتہ خاطری وہ بلا ہے کہ شیفتہ طاعت مین کچھ مزا ہے نہ لذت گناہ مین

آہ و زاری نارسا شوقِ اسیری بے اثر کون لائے آشیانے تک مرے صیاد کو

تنگ مہمانیٔ دشمن بھی کیا ہم نے قبول شیفتہ لیکن نہ آئے وہ کسی تدبیر سے ،

ناصح تری زبان ترے بس مین نہو تو پھر انصاف کر کہ دل پہ مرا زور کیا چلے ،

اے جان لب پہ آکے ٹھہرنے سے فائدہ رہنا ہوا تو رہ گئے چلنا ہوا پہ چلے ،

ایسی رغبت سے قتل، گمان کا ہی کو تھا شیفتہ اوس کو تو لو، تم سے محبت نکلی ،

اے عدو کس لئے نازان ہی سمجھ تو آخر جس سے ہم خار ہوئے مین یہ وہی عزت ہی

وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی مین کیا کہون کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

جس لب کے بوسے غیر لے اوس لب سے شیفتہ کم بخت گالیان بھی نہین تیرے واسطے

۴ سحراون کو ارادہ ہے سفر کا   قیامت آنے مین شب درمیان ہی

کرامت علی شہیدی،

درعروض دستگاہے معقول وارد ودرحساب مکاتبتے مقبول دربلاد پنجاب وگجرات بیشتر بسر بردہ گاہ گاہ بہ دہلی واردشدہ ہنگام درود دہلی با راقم آثم بارہا برخوردہ مردیے تکلف ووارستہ مزاج ووسیع المشرب ست آزادانہ مزید

اہ گلشن بیخار،

کرامت علی نام شہیدی تخلص عبدالرسول خان کے بیٹے تھے، بانس بریلی وطن تھا، مگر لکھنؤ مین نشوونما ہوا، مصحفی سے مشق سخن کی. جب اون کا انتقال ہوگیا تو شاہ نصیر کو دکھانے لگے، شعروسخن مین ایسی قدرت کامل بہم پہونچائی تھی کہ زمین کیسی ہی سنگلاخ ہو ایک طرح مین جو غزلہ وپنج غزلہ لکھتے تھے، اور کوئی غزل پچیس ۲۵ وپینتیس ۳۵ شعر سے کم کی نہ ہوتی.

یارباش، زندہ دل، بزلہ سنج، مرنجان مرنج اور وارستہ مزاج آدمی تھے، والد مرحوم فرماتے تھے کہ شیخ عابد علی بلندی ایک سیرچشم، مہمان نواز آدمی ضلع فتحپور ہنسوہ کے رہنے والے، اودے پور مین کسی بڑے عہدہ پر مامور تھے، اون کا اور شہیدی کا بہت دنون ساتھ رہا ہے، ابتدائے ملازمت مین وہ اور شہیدی نیمچہ کی چھاؤنی مین سرکار انگریزی کے ملازم ہوئے تھے،

شہیدی کا تعلق کمسریٹ سے تھا، بہت سا روپیہ یارباشی مین انھون نے اڑا دیا،

جب حساب طلب ہوا تو ہاتھون کے طوطے اُڑ گئے، مگر تھے طبیعت دار، جس مکان مین دفتر تھا، اوسی کے ایک حصہ مین رہتے بھی تھے، رات کو اوس مین آگ لگا دی، اون کے سامان کے ساتھ دفتر بھی جل کر خاک سیاہ ہوگیا، یہ کچھ دنون کے لئے دیوانے بن گئے، اور خدا خدا کر کے جان بچی،

سرکاری ملازمت کے جاتے رہنے پر کوئی تعلق گوارا نہین کیا، سیر و سیاحت مین زندگی بسر کرتے رہے، بھوپال، دلی، اجمیر، پنجاب اور گجرات مین اکثر دورہ ہوتا رہتا تھا، اور ان مقامات مین کثرت سے دوست احباب پیدا کر لئے تھے،

سنہ ۱۲۵۵ھ مین حج و زیارت کے ارادہ سے گھر سے نکلے، اُسی سال فریضۂ حج ادا کر کے مدینہ منورہ جا رہے تھے کہ راستہ مین بیمار پڑ گئے، ۴ صفر سنہ ۱۲۵۶ھ کو جس وقت تمام منزلین طے کرتے ہوئے ایسے مقام پر پہنچے جہان سے روضۂ مطہرہ نظر آتا تھا، ایک حسرت ناک نظر اوس پر ڈالی، اور طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا،

ان کے مشہور قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ طلب ہین، جن مین انھون نے اسی کی تمنا کی ہے، کیسے خوش نصیب تھے، کہ جن کی آرزو ایک حد تک پوری ہو گئی،

ہوئی ہے ہمتِ عالی مری معراج کی طالب — میسر ہو طواف اے کاش مجکو تیری مرقد کا
کبھی نزدیک جا کر آستانہ پر ملون آنکھین — کبھی گرد در بیٹھون مین کرون نظارہ گنبد کا
فراغِ دل سے گردانِ زندگی کا کوئی دم گذرے — حسد ہو خضر و عیسیٰؑ کو مرے عیشِ مخلد کا
مدینہ کی زمین کے گر نہ لائق ہو مرا لاشہ — کسی صحرا مین وان کے طعمہ ہون مین دام و دد کا

تمنا ہو درختون پر ترے روضہ کے جا بیٹھے ۔ قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقید کا

غزلون کے انتخابی شعر ملاحظہ ہون،

قدر سب چاہنے والون کی ترے دیکھ چکے ۔ خوار رہتا ہے پرانا، تو پشیمان ہنا

عام ہین اوس کے تو الطاف شہیدی سب پر ۔ تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا،

وعدۂ شام پہ کی ہم نے عبث جاگ کے صبح ۔ وہ اوسی وقت نہ آتے اگر آنا ہوتا

شہیدی حشر کے دن بھی ہمارا ہو چکا اُٹھنا ۔ یہی عالم رہا بعد فنا گر ناتوانی کا،

فضائے باغ سے ہے گوشۂ قفس خوشتر ۔ گر اپنے دل مین نہ ہو وعذغۂ رہائی کا

ہو چلا خنجرِ بیداد کا بسمل ٹھنڈا ۔ لے ہوا اب تو کلیجہ ترا قاتل ٹھنڈا

مین تو سمجھاؤن ہزار اوس کو شہیدی لیکن ۔ میرے سمجھانے سے اب یہ دلِ شیدا سمجھا

اغیار کا منہ تھا مجھے محفل سے اُٹھاتے ۔ سچ یہ ہے تری رنجشِ بیجا نے اُٹھایا،

بیمارِ محبت کو اب اللہ شفا دے ۔ سنتے ہین کہ ہاتھ اوس سے مسیحا نے اٹھایا

اندوہِ دائمی مین کٹی کس خوشی سے عمر — گر مجکو غم نہ ہو طربِ گاہ گاہ کا

—— • ——

کرچکے نیم نگہ پر مرے دل کا سودا — نہ خریدو یہ ابھی اور بھی ارزان ہوگا

—— • ——

سیکھے ہم سے کوئی ضبط جنون کے انداز — برسون پابند رہے پر نہ ہلائی زنجیر

—— • ——

بیقراری دل کی مین کیونکر بتاؤن یار کو — سینہ پر جب ہاتھ رکھتا ہی ٹھہر جاتا ہی دل

—— • ——

ہر وضع کے انسان سے ملاقات ہی ادن کو — سب خلق مدارات کے قابل ہی مگر ہم

—— • ——

دوستو گر ہم سے کج خلقی ہو رکھنا تم معاف — فرقتِ جانان مین اپنے جی سے مین بیزار ہم

—— • ——

رحم آتا ہی مجھے اس نوجوانی پر تری — اے شہیدی رات دن کا رنج و غم اچھا نہین

—— • ——

اے روز قیامت ادب اوسکا ہی تجھے فرض — ہے تجھ سے بڑی میری شب تارکئی دن

—— • ——

ناکامیِ جاوید کی ہم مانتے منت — افسوس شہیدی تری تربت نہین ملتی

—— • ——

ایام مصیبت کے توکاٹے نہین کٹتے — دن عیش کے گھڑیون مین گذر جاتے ہین کیسے

وہ وقت تو آنے دے بتا دین گے شہیدی
بن آئے کسی شخص پہ مرجاتے ہین کیسے

سب طالب اپنے اپنے ہون مطلوب سے ہم
ہین نامراد ایک ہمین تیرے واسطے

ان کے دیوانون کو بھی کیا ضبط ہی اوقات کا
دو پہر ہنستے رہے گر دو پہر رو یا کئے
دل کے جانے کا شہیدی واقعہ ایسا نہین
کچھ نہ روئے آہ اگر ہم عمر بھر رو یا کئے

حصّہ سوم

طبقہ متاخرین

دور اوّل

دلی کی تباہی کے بعد ارباب فضل وکمال کا کوئی ملجا و ماویٰ نہین رہا، یہ کچھ لوگ مرشدآباد وعظیم آباد چلے گئے، کچھ حیدرآباد گئے، مگر یہ مقامات دلی سے اتنے دور تھے، اور سفر مین اتنی دشواریان تھین کہ ہر ایک کو ان مقامون پر جانے کی ہمت نہین پڑتی تھی، خصوصًا ایسی حالت مین کہ مرہٹون کی ایک نئی طاقت ہندوستان کی بادشاہت حاصل کرنے کی زور آزمائی کر رہی تھی، کبھی بجلی بن کر دکن پر کوندتی، کبھی بنگالہ مین آکر گرجتی تھی، اوس زمانہ مین ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جو راتون کو میٹھی نیند سو سکتا ہو،

دلی سے قریب تر فرخ آباد اور فیض آباد دو مقام ایسے تھے جہان ان بدنصیب اور خانمان آوارہ لوگون کی تھوڑی بہت قدردانی ہوتی تھی، فرخ آباد کی ریاست تباہ ہوئی، اور فیض آباد سے نواب آصف الدولہ نے دارالسلطنت لکھنؤ کو منتقل کیا تو صرف لکھنؤ اون کا ملجا و ماویٰ رہ گیا،

ایک خاص سبب اور بھی فیض آباد پر لکھنؤ کی ترجیح کا یہ پیدا ہوا کہ نواب موتمن الدولہ

نواب وزیر نے دلی کی بادشاہی کے خطاب اور خلعتِ وزارت سے آزادی حاصل کرلی تھی، مگر افسوس ہو کہ ان بزرگون نے زبان کی تراش خراش پر قناعت نہین کی، اپنی بلند پروازی کے زور مین قوتِ تخئیل وحسنِ تعلیل مین اعتدال ملحوظ نہ رکھنے سے ایسے اوج پر پہنچے جہان آفتاب تارا بن گیا، اور دل پر اثر کرنے کی جگہ زبانون پر صرف واہ واہ رہ گئی، چونکہ اسی مضمون کو مقدمہ مین بیان کرچکا ہون، لہذا اس جگہ اس سے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہین،

شیخ امام بخش ناسخ[1]،

والا پایۂ عالی پایۂ بلند اندیشۂ نازک خیال است و در تلاش مضمون تازہ ومعنی سیراب بے مثل ومثال از اقسام سخن دری بغزل سرائی مائل وغیر از رباعیات صنفے آخر از و دیدہ نشد، (گلشن بیخار)

شیخ امام بخش نام ناسخ تخلص شیخ خدا بخش خیمہ دوز کے بیٹے تھے، اور بعض اشخاص کہتے ہین، اوس نے متبنی کیا تھا، بچپن فیض آباد مین بسر کیا، اوس زمانے کے رواج کے موافق ورزش پر طبیعت مائل ہوئی، ہزارون ڈنڈ کرتے اور سیکڑون ہاتھ جوڑیون کے ہلاتے ورزش سے بدن کسرتی اور پھریرا ہو گیا تھا،

نواب محمد تقی فیض آباد کے ایک امیر کو ایسے بانکون ترچھون کے رکھنے کا شوق تھا،

---

[1] ناسخ وآتش گو باعتبار زمانہ کے ذوق وغالب کے معاصر ہین، اس لئے ان کو طبقۂ متوسطین کے دورِ سوم مین جگہ ملنی چاہئے، مگر مصنف مرحوم نے اون کی شاعری کی عمر اور نشو ونما کے لحاظ سے انکو متاخرین کے طبقۂ اول مین شمار کیا ہو، سید سلیمان ندوی،

اِن کو نوکر رکھکر اپنے ساتھ لکھنؤ لائے، سیاہ فام مضبوط اور گٹھا ہوا بدن، سر منڈا ہوا داڑھی خشخشی بانکپن کے ساتھ چار ڈون مین شب کو نواب صاحب کے مکان کے بنبئی پردے اوڑھتے اور دن کو باریک ململ کے کپڑے پہنکر ادھر اودھر اکڑتے پھرتے،

بڑے بوڑھے کہتے ہین کہ لکھنؤ مین میر کاظم علی ایک رئیس تھے انھون نے اِن کو اپنا فرزند بنا لیا تھا، وہ مرے تو اچھی خاصی دولت وصیت نامہ کی روسے اُن کو ملگئی، اب آسودہ حال ہو گئے، اور ٹکسال مین ایک مکان لیکر بود و باش اختیار کی،

حسنِ اتفاق سے مکان کے سامنے گلی بیچ مولوی وارث علی کا کمرہ تھا، وہ گھر بیٹھے طلبہ کو مفت درس دیا کرتے تھے، ان کو بھی شوق ہوا، جو کتاب وہ پڑھاتے اور اون کے مناسب حال ہوتی لیکر بیٹھ جاتے اور ر روز کے روز سبق یاد کر لیتے اسی طرح رفتہ رفتہ اچھی خاصی استعداد ہو گئی، جو فنِ شاعری کی ضروریات پورا کرنے کو کافی تھی،

شاعری مین کسی کے شاگرد نہ تھے، مگر ابتدا سے شعر کا عشق تھا، جو غالباً نواب محمد تقی کی ملازمت مین پیدا ہوا ہوگا، جو خود شاعر تھے، اور اون کا گھر شاعرون کا ملجا و ماویٰ تھا' پھر لکھنؤ آئے. تو یہان جرأت کی گرم بازاری اور مصحفی و انشا کے ہنگامے آنکھون سے دیکھے. وہ شوق یہان آکر چمک گیا، چپکے چپکے شعر کہتے اور کسی پر ظاہر نہ کرتے تھے. بعضون کا خیال ہے کہ ابتدا مین مصحفی سے اصلاح بھی لی تھی، کوئی کہتا ہے کہ مصحفی کے شاگردون مین محمد عیسیٰ تنہا ایک شخص ہین، اون سے تنہائی مین مشورہ کرلیتے تھے، جب اطمینان ہوا تو مشاعرون مین غزلین پڑھنے لگے،

۱؎ حسرت موہانی نے اردوئے معلی مین مصحفی کے دیوان ششم کے دیباچہ سے ایک فقرہ نقل کیا ہے جس سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے مصحفی نے لکھا ہے کہ حصۂ نعمت الوان این خوان بشیخ ناسخ کہ یکے از دوستان محمد عیسیٰ تنہا است و بفقیر ہم رسوخی از تہ دل دارد مقسوم گشت

اوس زمانے مین مرزا حاجی ایک امیر زادے تھے جو خود بھی ذی استعداد تھے، اور
اون کی سرکار مین مرزا قتیل، قاضی محمد صادق خان اختر اور بہت سے اہل کمال جمع رہتے تھے

۵ مرزا حاجی لکھنؤ کے بڑے عالی خاندان امیر زادے تھے، نام قمر الدین احمد تھا، والد کا نام مرزا فخر الدین احمد مگر
مرزا جعفر کے نام سے مشہور تھے، نواب حسن رضا خان ان کے ماموں تھے، مرزا جعفر نے درسی کتابین ملا مبین فرنگی محلی سے
دینیات مولوی سید دلدار علی مجتہد عصر سے اور فنون ریاضیہ خان علامہ تفضل حسین خان سے پڑھی تھین، اور خان علامہ
کے عہد نیابت مین بخشی گری کے عہدہ جلیلہ پر سرفراز ہوئے،

مرزا حاجی اسی نامور باپ کے بیٹے اور خاندانی حیثیت سے مرزا زین الدین عالمگیری کی اولاد مین تھے علوم
و فنون مین صاحب استعداد، مذاق سخن سے آشنا، اور مسٹر جان بیلی رزیڈنٹ لکھنؤ کے نفس ناطقہ تھے، نواب غازی الدین
حیدر کے زمانۂ نوابی مین ان کا رسوخ بہت بڑھ گیا تھا، پانچہزار روپیہ ماہوار تنخواہ تھی، اور نواب وزیر کو بجز اوقات
سترنت کے ان کی مفارقت ایک گھڑی کو گوارا نہ تھی، عام دستور کے موافق ان کا گھر اوس زمانے مین قبلہ حاجات
بنا ہوا تھا، مرزا قتیل، قاضی محمد صادق خان اختر اور دیگر اہل فضل و کمال ان کے مصاحبت مین رہتے تھے، شعر و سخن کا مشغلہ، باہمی
کی ترش خرش، اور تحقیقات علمی کا ہنگامہ گرم رہتا تھا، اسی صحبت مین شیخ امام بخش ناسخ کا نشو و نما ہوا۔

چند روز کے بعد نواب معتمد الدولہ کا زمانہ موافق ہوا، انھون نے مرزا حاجی کو گھر مین بٹھا دیا، ایک مدت تک
نظر بند رہے، ان کے تمام اعزہ جو سلطان پور، رائے بریلی اور سلون کی نظامتون پر مامور تھے، محاسبہ کے شکنجے مین کسے
گئے مرزا حاجی کا لاکھون روپیہ برباد ہوا، اور آخر کار ۱۲۳۴ھ مین جلاوطن کئے گئے، اور اون کی املاک نواب محسن الدولہ
بہادر کو دلا دی، تاکہ پھر واپس آئین تو اون سے نہ لے سکین، یہ کچھ دنون کانپور مین رہے، اوس کے بعد نواب منتظم الدولہ
حکیم مہدی علیخان نے فرخ آباد بلا لیا، علاوہ مصارف معمولی کے دو سو روپیہ ماہوار اون کی جیب خرچ کو مقرر کر دیئے
جب حکیم مہدی وزیر ہو کر لکھنؤ آئے تو ان کو اپنے ساتھ لائے، املاک پدری تو مل گئی، مگر جس قدر املاک نواب محسن الدولہ کے
پاس تھی، وہ نہ مل سکی، (بقیہ حواشی ۵ و ۶ صفحہ آیندہ پر)

یشیخ امام بخش ناسخ کو خوش قسمتی سے مرزا کے دربار مین رسائی ہو گئی، اون کی صحبت مین ا...
بھی زبان کی تراش خراش اور تحقیق و تدقیق کا چسکا پڑا، اور ان کے دل بڑھانے سے...

(بقیہ حواشی صفحہ ۳۴۲) حکیم مہدی کی معزولی کے بعد بھی یہ لکھنؤ مین رہے، مگر نواب روشن الدولہ کی وزارت مین، باوجودیکہ وہ ان کے عزیز تھے، مگر کمبوہون کی سازش سے پھر ان کو لکھنؤ چھوڑنا پڑا، صرف دو ہزار روپیہ سالانہ ان کو دربار شاہی سے ملتا رہا، یہ کان پور مین کسی نہ کسی طرح گذر کرتے رہے، واجد علی شاہ کے زمانہ میں نواب علی نقی خان کی مہربانی سے جو ان کے رشتہ دار تھے، دوبارہ لکھنؤ دیکھنا نصیب ہوا، مگر چند روز کے بعد ۱۲۷۵ھ میں دنیا سے گذر گئے،

۱۵ قاضی محمد صادق خان ہوگلی کے رہنے والے مرزا قتیل کے شاگرد اور بڑے بامذاق شاعر تھے، کچھ دنون غازی الدین حیدر بادشاہ لکھنؤ کے زمانے میں خوشحالی سے زندگی بسر کی، اور محامد حیدر یہ ایک کتاب غازی الدین حیدر کی تعریف مین لکھی، اخیر زمانہ مین واجد علی شاہ کے ہان رسائی ہو گئی تھی، اسی سے لکھنؤ کو اپنا وطن بنا لیا تھا، اور غدر ۱۲۷۳ھ کے بعد یہین پیوند خاک ہوئے، تصنیفات مین لوامع النورنی وجوہ المنشور انشا پردازی مین، دو دیوان فارسی اور اردو کے، ایک تذکرہ آفتاب عالمتاب بہت ضخیم و جیم جس مین چار ہزار دو سو چونسٹھ ۴۲۶۴ فارسی شعرا کا ذکر کیا ہے، علاوہ ان کے نور الانظار، گنج بے خ... وغیرہ چند کتابین اور بھی ہین، اردو کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو،

کل شیخ بن کے مجتہد عصر سا قیا | دکھلاکے باغ سبز ثواب و عذاب کا
کہنے لگا زراہ تبختر مجھے بہ طنز | معلوم ہوگا حشر مین پینا شراب کا
مین نے کہا کہ مین بھی ہون یہ خوب جانتا | پر کیا کرون کہ ہے ابھی عالم شباب کا
گستاخی ہو معاف تو اک عرض مین کرون | لیکن نہ کیجئے مجھے مورد عتاب کا
مے ہو اور کنج باغ ہو ساقی ہو ماہ وش | اور کوئی بھی محل نہ ہو باعث حجاب کا
گردن مین ہاتھ ڈال کے وہ شوخ بیحجاب | یہ ریش جس پہ جلوہ ہو رنگ خضاب کا

نے روز بروز رنگ پکڑنا شروع کیا، رفتہ رفتہ دل مین امنگ اور طبیعت مین جوش بڑھگیا، اوس پر خدا ساز بات یہ ہوئی کہ مرزا حاجی کی ہم نشینی نے اون کی شخصیت بڑھادی، اہل فہم اور اہل کمال ان کی طرف کھینچ کھینچ کر آنے اور اپنی مطلب برآری کا ذریعہ سمجھنے لگے، غرض کہ مرزا حاجی کی مہربانی سے ان کی شاعری خوب چمکی اور ان کو لکھنؤ مین رشد و فروغ قبل از وقت حاصل ہوگیا،

چند روز کے بعد نواب معتمد الدولہ[۱] کا دوبارہ عروج ہوا، اور مرزا حاجی نظربند ہوئے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۳)

کھینچ اوس کو اور اپنے ملا کر وہ منہ سے منہ
دے ذائقہ زبان کو دہن کے لعاب کا

ہنس کے یہ کہے کہ ہمارا لہو پیئے
گر پی نہ جائے جلد یہ پیالہ شراب کا

اوس وقت مین سلام کرون قبلہ آپ کو
گر کچھ بھی خوف کیجئے روزِ حساب کا

اور امتحان بغیر تو یہ آپ کا غلام
قائل نہین ہو قبلہ کسی شیخ و شاب کا

[۱] آغا میر کا نام سید محمد خطاب معتمد الدولہ مختار الملک ضیغم جنگ تھا کشمیر کے رہنے والے غازی الدین حیدر کی نوابزادگی مین اون کے معتمد خاص تھے جب وہ نواب وزیر ہوئے تو یہ نائب، وہ بادشاہ ہوئے تو یہ وزیر قرار پائے، غازی الدین حیدر نے قسم کھائی تھی کہ وہ مسکرات کے قریب نہ جائین گے، چند روز ہوش گوش سے کام کرتے رہے، یہ آغا میر کو کیونکر گوارا ہو سکتا تھا، انھون نے عرض کیا کہ پیر و مرشد نے حضرت عباسؑ کی قسم کھائی ہے اور غلام بنی فاطمہ ہے، اس کا مظلمہ غلام کے ذمہ ہے، ع

تو مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر

پھر تو وہ ایسے بدمست ہوئے کہ جس بدنصیب کو نواب نے داخل اموات کر دیا، اسکو اگر بادشاہ نے کہین راہ مین دیکھکر بھیجا یا اور نواب سے کہا کہ یہ تو جیتا ہے، عرض کرتے اسکو غلام چشم بشری سے نہین دیکھ سکتا، پیر و مرشد کی چشم مبارک البتہ عالم ارواح کو دیکھ سکتی ہے، حاضرین بھی نواب کے خوف سے یہی عرض کرتے، اس طرح سے رفتہ رفتہ انکا اقتدار بڑھ گیا (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ)

۔شیخ صاحب چونکہ مرزا کے محرمِ راز اور مقربِ خاص تھے چھپ چھپ کر اون سے ملتے رہتے نواب کو خبر ہوئی، تو اون کو بھی گھر مین بٹھا دیا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۴) بادشاہ اکثر مصاحبین کے سامنے فرماتے کہ خداوندا مین کسی طرح ظلم کا روادار نہین، یہ شخص بنی فاطمہ ہی، اگر کوئی بات عدل و انصاف کے خلاف سرزد ہو تو اوس کا یہی ذمہ دار ہی، مگر حالت یہ تھی کہ ہر شخص کی عافیت تنگ تھی جعل و فریب کا بازار گرم تھا۔ ملازمین و متوسلین کی تنخواہین کئی کئی سال کی چڑھی ہوئی جس طرح سے بن پڑتا وہ لوٹ مار کرکے پیٹ پالتے تھے، سوداگرون سے مال و اسباب خرید کیا جاتا تھا، اور برسون قیمت نہین ملتی تھی، رزیڈنٹ تک کوئی پہنچ گیا تو قیمت ملی ورنہ جان کی بھی خیر نہین، اپنے لئے محل سرائین بنوائین تو سیکڑون کی خانہ ویرانی ہوگئی اور ایک کرور سے کم عمارتون پر خرچ نہین کیا، مگر زندگی بھر اوس مین رہنا نصیب نہ ہوا، چند روز کے بعد نکالے گئے اور ہمارے بچپن مین وہ عالیشان عمارتین کھدکر اوس کی اینٹین لکھنؤ سے سیتاپور تک ریلوے لائن مین بچھا دی گئین، عالیشان سرائے اون کی تعمیر کردہ رہ گئی تھی وہ اب جا کر کھدی اور وہان پارک بن گیا ہی، نواب کی سخاوت و فیاضی کے ایسے ایسے قصے مشہور ہین کہ آج اون کو مشکل سے لوگ باور کرین گے، ہمارے بچپن تک ایسے صدہا لوگ موجود تھے، جنھون نے اون سے فائدہ اٹھائے ہے، اور جو معمولی حیثیت مین لکھنؤ آئے، دوسرے دن اون کے دروازے ہاتھی جھومنے لگے، خدا جانے کہان تک سچ ہی، سید محمد میرزا نے قیصر التواریخ مین لکھا ہی کہ میر سندہ علی ایک عالیخاندان مفلس ہوکر لکھنؤ آئے مسخرگی پیشہ کی بدولت نواب کے مصاحب ہوگئے، وہ کہتے تھے کہ نواب کے ہاتھون گیارہ سال مین چودہ لاکھ روپیہ مین نے پایا، محمد خان اون کا خدمتگار تھا، اوس کے پاس چالیس ہزار روپیہ جیب خاص کا تھا، اوس نے ایک دن عرض کیا کہ ایک چکلہ دار قید ہی، کہتا ہی کہ قید سے نجات پاؤن تو دس ہزار روپیہ دونگا فرمایا جو تمھارے پاس ہو پہلے اسے لیلو پھر اوس سے لینا،

کشمیر سے اوس زمانہ مین نادر اور تحفہ مال آیا کرتا تھا، ایک ایک سہ گزہ رومال پانچ پانچ ہزار تک کو نواب نے لیا تھا، ایک دن دو شالہ اوڑھے ہوئے اصلاح بنوا رہے تھے، خاص تراش دو شالہ کو دیکھ رہا تھا، پوچھا کیا دیکھتا ہی عرض کیا غلام کو حضور کی بدولت دوشالے بہت نصیب ہوئے، مگر یہ ایسا ہی کہ آدمی اسے دیکھا کرے، اتار کر اسی کو دیدیا، (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

ایک دن اون کے بلانے کو چوبدار آیا، سمجھے کہ رنگ بے رنگ ہی، مبادا بے آبروئی ہو، چوبدار سے کہا کہ تم ٹھہرو مین سواری کی فکر کر لون، اوس نے کہا کہ مین کوتوال سے کہہ کر سواری لاتا ہون، وہ اودھر گیا، اور یہ گھر سے نکل کھڑے ہوئے، جہان جاتے ہین نواب کے ڈر سے کوئی پناہ نہین دیتا، اتفاق سے میر اسد علیخان مل گئے، انھون نے ان کو اپنے گھر مین پناہ دی، وہ نواب کے رشتہ دار تھے، کہہ سنکر صفائی کرادی،

نواب مرزا کے استیصال کے درپے تھے، مطلب کا آدمی سمجھکر اون پر ڈورے ڈالے، یہ بھی ایسے لطیفۂ غیبی کے منتظر رہتے تھے، دنیا کے شرم و لحاظ سے کھلکر آنا جانا پسند نہین کیا، نواب سے کہا کہ مین فقیر آدمی ہون مجھے گھر پر پڑا رہنے دیجیے، انھون نے بھی کچھ سوچ سمجھکر تو روپیہ گھر بیٹھے کردئے، جب کوئی نیا مضمون پیش آتا ان سے کہلا بھیجتے یہ اپنی شاعری کے زور سے اوس کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۵) ایک مرتبہ سوار ہوئے گھوڑا تیزی کرنے لگا، دوشالہ سنبھل نہ سکا، چھوٹے خان چابک سوار کھڑا تھا، اتار کر اس کی طرف پھینکا، اوس نے توشہ خانے مین داخل کردیا، دوسرے دن وہی دوشالہ سامنے آیا تو فرمایا کہ مین نے اسے دیا تھا یا رکھنے کو کہا تھا،

نواب سعادت علیخان نے خون جگر کھا کر سترہ کرور روپیہ جمع کیا تھا، اوس مین سے ایک کرور روپیہ سرکار انگریزی کو بطور قرض کو بدے لو اودیا اور اوسکے پانچ فیصدی منافع سے صاحبات محل کی تنخواہون کا وثیقہ کرادیا گیا بیگمات کے سلسلہ مین بیس ہزار ماہوار، نواب کے دو ہزار اونکی بیوی کے دو ہزار بڑے بیٹے کے ایکہزار بیٹی کے ... مقرر ہوگئے، اور گورنمنٹ انگریزی اس بات کی کفیل ہوئی کہ اونکی ہمیشہ حمایت کریگی اور اونکی جائداد صرف تک و قف اپنی حفاظت مین لیگی، بہر حال بادشاہ مذکور کے عہد دولت مین انھون نے عیش و عشرت سے بسر کی اور بے دریغ روپیہ صرف کیا،

بادشاہ کے مرنے پر نصیر الدین حیدر بادشاہ ہوئے انھون نے ان کو معزول و نظر بند کیا، چند روز کے بعد بحمایت سرکار انگریزی دو کرور روپیہ کا نقد و جنس لیکر کانپور چلے گئے، وہان کو ٹھیان خرید کر کے ایک نیا شہر آباد کیا، جب تک جیتے رہے پچاس ہزار روپیہ ماہوار کا صرف رہا، اون کے مرنے پر اولاد وثیقہ کی بدولت امیرانہ ٹھاٹھ سے زندگی بسر کر رہی ہی،

موزون کر دیتے تھے۔

بادشاہ بادۂ غفلت سے سرشار تھے، نواب نے خوب ہاتھ پاؤن نکالے، مرزا کو جلاوطن کیا بادشاہ بیگم کی جاگیر ضبط کرادی، مرزا نصیر الدین حیدر کا دربار بند کیا، اور یہ فکر ہوئی کہ محسن الدولہ کو اپنے قابو مین کریں،

نواب محسن الدولہ بادشاہ کے نواسے اور بادشاہ بیگم کے چہیتے تھے، ماں کے مرنے کے بعد بادشاہ بیگم نے پرورش کیا تھا، اور ایک دم کو بھی اپنی نظرون سے اوجھل نہین ہونے دیتی تھین، مرزا انور علی شہزادے کے آخون شیخ صاحب دوست تھے اون کو ہموار کر لیا۔ اتفاق سے میر فضل علی (جو آگے چل کر اعتماد الدولہ ہون گے) بادشاہ بیگم کی سرکار مین داروغہ تھے۔ اون کی جزرسی اور کفایت شعاری کے نواب محسن الدولہ اکثر شاکی رہا کرتے تھے، آخون صاحب کو اس سے بہتر اور کیا موقع مل سکتا تھا، اب جب وہ شکایت کرتے یہ کہتے کہ نانا جان سے عرض کر دو اودھر معتمد الدولہ بادشاہ بیگم کی بے اتفاقی کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ مگر بادشاہ کو یقین نہ آتا تھا، جب محسن الدولہ کو سکھا پڑھا کر تیار کر لیا تو ایک دن اون سے کہلایا کہ مجھکو محل مین تکلیف ہوتی ہے مین حضور کے قدمون تلے رہنا چاہتا ہون، اب بادشاہ کو یقین آگیا نواب کو حکم دیا کہ انتظام کرو، یہان کیا دیر تھی، بیلی گارد کے قریب نیلم والی کوٹھی آراستہ کردی، سواری اور تمام لوازم امارت خاطر خواہ درست کر دیئے۔ آخون صاحب داروغہ مقرر ہوئے، شیخ صاحب کے وہ دوست تھے، پھر کیا پوچھنا، مشہور تو یہ ہے کہ محسن الدولہ کی بدولت وہ ہمیشہ کے لئے فارغ البال ہوگئے اور معتمد الدولہ کے دل مین اون کی گنجایش بڑھ گئی،

پھر تو اون کی شاعری نے خوب زور پکڑا، اور اون کے گھر پر لوگون کا مجمع بڑھنے لگا، خواہ یہ سمجھو کہ شعر و سخن کے قدردان کھنچ کھنچ کر آنے لگے، یا اسی پردے مین نواب معتمد الدولہ کی

نظرِ عنایت کے خواہشمندون کا جمگھٹا ہونے لگا، بہرحال پہلے مرزا جی پھر نواب معتمد الدولہ کی بدولت ان کی شاعری کا ہنگامہ خوب گرم ہوا، اور لکھنؤ مین اون کی اوستادی کے ڈنکے بجنے لگے،

مگر افسوس ہو کہ اپنے جوڑ توڑ کی بدولت اون کو چین سے گھر مین رہنا نصیب نہین ہوا، حکیم مہدی[1] ایک فرزانہ و مدبر اہل کار اوس زمانہ مین تھے، معتمد الدولہ نے اون کو اپنا حریف

[1] حکیم مہدی منتظم الدولہ نواب مہدی علیخان کشمیر کے رہنے والے بڑے مدبر اور زبردست شخصیت کے آدمی تھے، فضل و کمال کے ساتھ خدا نے عقل دور اندیش ان کو عطا کی تھی، ابو الفضل اور سعد اللہ خان کی ٹکر کے آدمی تھے، خان علامہ تو رنے ملا تھے، باوجودیکہ خوش قسمتی سے وزارت تک پہنچے، مگر کوئی کام بن نہین پڑا، انھون نے ایسے ایسے کار نمایان کئے جن کی یادگار اب تک محو نہین ہوئی،

ابتدا مین طبابت کی حیثیت سے نمایان ہوئے، رفتہ رفتہ نواب سعادت علی خان کے دربار مین ان کا رسوخ بڑھا اور کارگذاری کے جوہر کھلنے لگے، اور اول درجہ کے اہلکار بن کر انھون نے بڑے بڑے کام کئے، جب نواب کے بعد غازی الدین حیدر مسند نشین ہوئے، اور اپنے معتمد خاص آغا میر کو نائب مقرر کیا، اوس نے دیکھا کہ یہ چلتے ہوئے آدمی ہین کسی نہ کسی طرح مجھے اکھیڑ پھینکین گے، یہ سوچ کر اون کو محمدی اور خیرآباد کی نظامت پر بٹھا دیا، مطلب یہ تھا کہ نواب وزیر سے دور بھی رہین گے اور سرکاری مطالبہ کی علت مین ان کو زیر بھی کیا جاسکے گا،

انھون نے علاقہ کا اتنا عمدہ انتظام کیا کہ سرکاری مطالبہ سے بہت زیادہ وصول ہونے لگا، اور لطف یہ کہ رعایا بھی سب راضی و خوش، اتفاق سے نواب گورنر جنرل نیپال جاتے ہوئے اودھر سے گذرے، انھون نے رسد رسانی کا اتنا عمدہ انتظام کیا کہ نواب گورنر جنرل نے ان کی حسن کارگذاری کی نسبت نواب وزیر کے ہان اپنی خوشنودی لکھ بھیجی، نواب معتمد الدولہ کو اب اور بھی ان کی فکر ہوگئی، وہ ہمہ تن ان کے استیصال کے درپے ہوگئے، یہ بھی بے خبر نہ تھے، قبل اس کے کہ انکو گرفتار کیا جائے اپنا مال و اسباب شاہجہان پور بھیجکر خود بھی نکل گئے، (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

مجھ کر نکلوا دیا، شیخ صاحب نے معتمد الدولہ کی رضاجوئی کے لئے غزل لکھی جسکا ایک مصرع ہی ع
کا شو برائے پختن شلجم گر ریختہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۸) چند روز شاہجہان پور مین رہے، اوس کے بعد فرخ آباد چلے گئے، اور وہان کوٹھیان بنگلے خرید کرکے عیش وآرام کرنے لگے،

شاہجہان پور مین گرہ ندی کا پل شہر اور قلعہ کے درمیان مین انھین کا بنوایا ہوا ہی، فرخ آباد مین ایک عالیشان کاروان سرا بنوائی اور لکھنؤ سے فرخ آباد تک راستہ مین جہان جہان ضرورت تھی سرائین، مسجدین اور پل بنوا دیئے جس سے بہت عرصہ تک نیک نامی کے ساتھ لوگ ان کو یاد کرتے رہے،

نصیر الدین حیدر جب بادشاہ ہوئے تو انھون نے معتمد الدولہ کو معزول کرکے اعتماد الدولہ کو قلمدانِ وزارت تفویض کیا، کچھ دنون کے بعد اون سے بگڑے تو منتظم الدولہ یاد آئے اون کو بلا کر وزیر مقرر کیا، کم وبیش ڈھائی سال انھون نے وزارت کی، اس تھوڑے سے زمانے مین ملکی ومالی انتظام اتنا چست کر دیا کہ جو بدنظمیان معتمد الدولہ کے زمانۂ وزارت سے چلی آرہی تھین وہ سب دور ہوگئین،

گومتی پر لوہے کا پل بنوایا جو اب تک موجود ہی، ایک انگریزی شفاخانہ بنوایا، ایک یونانی دار الشفا تیار کیا، ایک محتاج خانہ جس مین اندھے، لولے، لنگڑے، اور محتاج زن ومرد رہا کرین، ان تینون کے لئے جدا جدا عمارتین تیار کرائین، بیش قرار تنخواہون پر ڈاکٹر اور حکیم نوکر رکھے، اور رزیڈنٹ لکھنؤ کی وساطت سے ان کے مصارف کیلئے نوٹ خرید لئے جس کی بدولت یہ تینون چیزین لکھنؤ مین ابتک موجود ہین، یونانی دار الشفا چوک مین، انگریزی شفاخانہ وکٹوریہ گنج مین عام لوگون کی حاجت روائی کر رہے ہین،

ایک مدرسۂ سلطانیہ قائم کیا جس مین ہزار بالڑکے داخل کئے گئے، ہر بیس لڑکے پر ایک مدرس مقرر ہوا، اور طلبہ کے لئے فی کس پانچ روپیہ ماہوار کے حساب سے وظائف جاری ہوئے، یہ مدرسہ نواب سعادت علیخان کے مقبرے کے چارون سمت والے ایوانون مین قائم کیا گیا تھا جس کا اب نشان بھی نہین ہی (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

محمد خان قوال نے اس غزل کو نواب کے سامنے گایا تو اوس کو ایکہزار روپیہ انعام ملا شیخ صاحب کو جو کچھ دیا ہو اوس کا حال خدا کو معلوم ہی، اس ایک دینے پر کیا ہی، نواب ان کے شاگرد ہوگئے تھے، عمر بھر سلوک کرتے رہی، اور اون کی بدولت انھون نے امیرانہ زندگی بسر کی،

مگر خدا کی قدرت دیکھو نصیر الدین حیدر نے تخت نشین ہوتے ہی معتمد الدولہ کو معزول کر دیا، پہلے میر فضل علی کو اعتماد الدولہ کا خطاب دیکر وزیر بنا لیا، جب اون سے کام نہ چلا تو حکیم مہدی بلائے گئے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۹) ایک مدرسہ اپنے روپے سے خاص کشامرہ کے لئے قائم کیا، جس سے منتظم الدولہ کو خاص طور پر دلچسپی تھی، ہر ہفتہ بچون کا خود امتحان لیتے اور اپنے ہان مدعو کر کے طرح طرح کے لذیذ کھانے اور میوے کھلاتے تھے،

ایک چھاپہ خانہ لیتھوگرافی کا قائم کیا زیر اہتمام مسٹر ارچر کے جن کی تنخواہ پانسو روپیہ ماہوار تھی، ایک اسکول انگریزی تعلیم کے لئے قائم کیا، اور سب سے زیادہ حوصلہ مندی کا کام رصدخانۂ سلطانی کا اجرا تھا جو کپتان ہربرٹ کے اہتمام سے قائم کیا گیا، اور عالیشان عمارتین اوس کے واسطے تعمیر کرائی گیئن، مولوی اسمٰعیل شہیدی وغیرہ علما اوس مین بطور طالب علم داخل ہوئے،

افسوس ہو کہ منتظم الدولہ کو کام کرنے کا زیادہ موقع نہین ملا، بادشاہ عیش پرستی کے ساتھ آتش مزاج بھی تھا، ان مین متانت وسنجیدگی، نواب سعادت علیخان کی آنکھین دیکھے ہوئے، زیادہ دنون تک نبھ نہ سکی ۱۲۴۸؁ھ مین معزول ہوکر پھر فرخ آباد چلے گئے،

عرصہ کے بعد محمد علی شاہ کے زمانے مین پھر بلائے گئے، وہ ان کی کارگذاری سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے کیونکہ نواب سعادت علیخان کے وقت مین دونون اہلکار تھے، اس زمانے مین ان کا کام کرنے کا بہترین موقع حاصل تھا، مگر افسوس ہی کہ موت نے مہلت نہ دی، نو مہینے کے بعد آخر ماہ رمضان ۱۲۵۳؁ھ مین وفات پائی،

امین آباد سے شاہ مینا کو جاتے ہوئے ان کا مقبرہ داہنے ہاتھ کو پڑتا ہی،

حکیم مہدی کو شیخ صاحب یاد آئے، چوبدار بلانے آیا، انھون نے اوس کو کچھ دے دلا کر راضی کیا کہ ان کو درباری لباس پہننے کی مہلت دے، ادھر یہ پگڑی کے پیچ درست کرنے کے بہانے موقع ڈھونڈھنے لگے، ادھر چوبدار شربت پانی کی فکر مین لگا، یہ شیخ صاحب موقع پاکر نکل کھڑے ہوئے، اور رفیق محمد خان گویا کے ہان چھپ کر پہونچے، خان صاحب نے منشی گنج بہاری کے میانے مین پردہ ڈال کر زنانی سواری کی طرح کول ہاران کو بھیجدیا، وہان سے کانپور ہوتے ہوئے الہ آباد پہونچے اور شاہ ابوالمعانی کے ہان دائرۂ شاہ اجمل مین مہمان ہوئے، وہان رہتے رہتے گھبرائے تو کانپور چلے آئے، اسی سلسلہ مین بنارس اور عظیم آباد کی بھی سیر کی،

جب حکیم مہدی معزول ہو کر فرخ آباد گئے، تو خیریت سے گھر آئے، مگر پھر تاریخ کہی اور انصاف یہ ہو کہ خوب کہی،

افتاد حکیم از وزارت، تاریخ بطرز نو رقم کن،
از جائے حکیم ہشت برگیر، سہ مرتبہ نصف نصف کم کن،

چند دنون کے بعد حکیم مہدی کا ستارۂ اقبال پھر چمکا، محمد علی شاہ نے قلمدانِ وزارت سپرد کیا، شیخ صاحب پھر بھاگے، اور الہ آباد پہنچے، مگر معلوم ہوتا ہو کہ بار بار الہ آباد جانے سے گھبرا گئے تھے، اس گھبراہٹ کو بہت لطیف انداز سے ظاہر کیا ہو،

ہر پھر کے دائرہ مین رکھتا ہون مین قدم، آئی کہان سے گردشِ پرکار پاؤن مین

مگر تھے خوش قسمت کہ تھوڑے ہی دنون کے بعد حکیم مہدی کی وفات پر ۱۲۵۳ھ مین انکی دوادوش کا خاتمہ ہوگیا، اور اب کی دفعہ جو آئے تو مر کر بھی گھر سے نہ نکلے،

محمد علی شاہ نے سو روپئے ماہوار گھر پر مقرر کر دیئے اور ہر سال قطعۂ سال جلوس پر خلعت بھی

عنایت ہوتا تھا، امجد علی شاہ مذہبی آدمی تھے، آنہ پائی کا حساب کرکے سال بسال اپنے مال و دولت کی زکوٰۃ نکالتے تھے، اور جہان تک اون سے ہوسکتا علما و مجتہدین کی خدمت کرتے تھے، شاعرون کو دینا شاید گناہ سمجھتے ہون، انھون نے اون کی تنخواہ بند کردی، مگر شیخ صاحب ایسے صاحبِ سلیقہ تھے کہ جس قدر نواب محسن الدولہ کی سرکار سے یا معتمد الدولہ آغا میر کی مہربانی سے کمایا تھا اوس کو بیجا صرف نہین کیا، تمام عمر فراغت سے زندگی بسر کی،

آزاد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عیال کا جنجال رکھا ہی نہ تھا، مگر قیصر التواریخ مین سید محمد میر زائر نے لکھا ہے کہ بیٹون کو اچھی تعلیم دلوائی، حکیم زین العابدین اون کا بیٹا مرزا محمد علی کا شاگرد طبابت کرتا، اور خوش چلنی سے زندگی بسر کرتا ہے، بہرحال ناسخ نے ۱۲۵۴ھ مین وفات پائی، اور ٹکسال والے مکان مین مدفون ہوئے، میر علی اوسط رشک نے تاریخ کہی تھی،

دلا شعر گوئی اٹھی لکھنؤ سے

دو دیوان ان کے چھپ گئے ہین، پہلے دیوان مین ان کا خاص انداز نہایت نمایان ہے، دوسرا دیوان الہ آباد کی کمائی ہے، جس مین بے وطنی اور پریشانی کی جھلک ہر جگہ نظر آتی ہے، اسی وجہ سے اس کا نام بھی دفتر پریشان تجویز کیا تھا،

ان دیوانون مین غزلون، رباعیون، قطعون، اور تاریخ کے سوا اور کسی قسم کی نظم نہین، طبیعت قصیدون سے بہت مناسب تھی، مگر خدا جانے اس کا شوق کیون نہین تھا، شاہانِ اودھ کی تاریخ وتہنیت مین کبھی کچھ کہنے کی ضرورت ہوئی ہے تو غزلون اور قطعون مین اس فرض کو ادا کردیا ہے،

ایک مثنوی حدیث مفصل کے ترجمہ مین ہے، اور ایک مولود شریف ہے، یہ دونون

نظمین ان کے منہ پر نہین کھلتین، غزلون مین بقول آزاد شوکت الفاظ، بلند پروازی اور نازک خیالی بہت ہے، اور تاثیر کم، صائب کی تشبیہ و تمثیل کو اپنی صنعت مین ترکیب دے کر ایسی دستکاری، اور مینا کاری کی ہے کہ بعض موقع پر بیدل اور ناصر علی کی حد مین جا پڑے ہین،

بات یہ ہے کہ ناسخ کی قوت تخیل نہایت زبردست ہے، ایک چیز کو وہ سو سو دفعہ دیکھتے ہین اور ہر دفعہ دیکھتے ہین اور ہر دفعہ انکو ایک نیا عالم نظر آتا ہے، پھر وہ کلام کی بنیاد اس پر قائم کرکے تمثیل اور مبالغہ سے اوس مین گرمی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہین، مگر اس قوت کے استعمال کرنے مین اکثر اعتدال سے گذر جاتے ہین،

کہین پر مبالغہ اصلیت اور واقعیت سے اتنا دور جا پڑتا ہے کہ اون کی بلند پروازی کے سامنے آفتاب تارا بنکر رہجاتا ہے، کہین پر تمام عمارت کی بنیاد صرف کسی لفظی تناسب یا ایہام پر ہوتی ہے، کہین فرضی تشبیہون اور استعارون پر شعر کی بنیاد قائم کرتے ہین، جو لطیف اور قریب الماخذ نہین ہوتے، کہین پر کسی چیز کو کسی چیز سے تشبیہ دے کر اوس کے تمام لوازم اور اوصاف اوس مین ثابت کرتے ہین، حالانکہ اوس سے کسی قسم کی مناسبت نہین ہوتی،

یہ اون کا انداز بیان ہے جس کا نام نازک خیالی یا خیال بندی رکھا گیا ہے، اور اسی نے متاخرین کی شاعری کو تباہ کرکے چھوڑا، یہ لوگ صرف گل و بلبل سے دیوان تیار کرکے، اُس کو چمنستان خیال بنا دیتے ہین، اور افسوس ہے کہ یہی اون کی شاعری کا طرۂ افتخار ہے،

پہلے ناسخ کی ایک پوری غزل مین نقل کرتا ہون تاکہ اون کا مخصوص انداز اوس سے

معلوم ہو، اوس کے بعد غزلون کے منتخب اشعار پیش کئے جائین گے،

روے جانان کا تصور مین جو نظارہ ہوا ۔ دل مین تھا جو داغِ حسرت عرش کا تارا ہوا
وہ مہِ خانہ نشین گلیون مین آوارہ ہوا ۔ اے منجم دیکھنا ثابت بھی سیارا ہوا
کس ادا سے تونے شانہ اپنے بالون مین کیا ۔ سر پہ ہر محبوب کے خط مانگ کا آرا ہوا
محفلِ مے مین جو آیا تو برلے می کشی ۔ تھا جو شیشہ جوشِ مے سے ایک فوارا ہوا
گرم ہے کیا عکس تیرے روے آتشناک کا ۔ آئینہ کی پشت کا معدوم سب پارا ہوا
رات غائب ہو گئی حاضر ہوئے آثار صبح ۔ وصل مین خورشید گویا شام کا تارا ہوا
چشم بد دور آج کیا آتے نظر ہین گال صاف ۔ سبزۂ خط کیا غزالِ چشم کا چارا ہوا
ابر کو نسبت بھلا کیا چشم دریا بار سے ۔ ایک دم روئے کنارہ پر جو ہم دھارا ہوا
شب ہوا سے ہل گئی جو اوسکی زلفِ عنبرین ۔ دم مین موم شمع سارا عنبر سارا ہوا
کس قدر ہے تیز ظالم آتشِ رنگِ حنا ۔ سنگِ پا لگتے ہی بس تلوون سے انگارا ہوا
قد ترا سرو آنکھین نرگس زلف سنبل رخ ہے گل ۔ کون ہے گلگشت گل مین جو چمن آرا ہوا
جوشِ وحشت تیری آنکھون پر یہ خوش چتون سے ہے ۔ مثلِ آہو دشت مین ہر ایک آوارا ہوا
ہو گئی ہے شمع تیرے سامنے خجلت سے آب ۔ شمعدان گویا تری محفل مین فوارا ہوا
چین سے سویا نہ دنیا مین کبھی جز خواب مرگ ۔ بعد مرنے کے جنازہ مجکو گہوارا ہوا
زاہدا ہم جانتے ہین عشقبازی بے گناہ ۔ گھر لٹایا ہے جو وحشت مین وہ کفارا ہوا
اودر ہا ہے بت پرستی کا یہ دنیا مین عذاب ۔ مجکو ہر داغِ جنون دوزخ کا انگارا ہوا
پیٹھ پیچھے میرے بد کہنے سے زاہد یہ ملا ۔ پیٹھ پر بارِ گنہ کا جمع پشتارا ہوا
دور پھینکا ساقیا لیتے ہی تیرے ہجر مین ۔ ہاتھ مین جام مے گلرنگ انگارا ہوا

ہجرِ ساقی مین نہین اے مسکشو آواز رعد۔ فوجِ غم مین ہر خون ریزی یہ نقارا ہوا
جب نہانے کو ہوا عریان وہ پتلا نور کا، توحض مین روشن برنگِ شمع فوارا ہوا
دوستو جلدی خبر لینا کہین ناسخ نہ ہو قتل آج اوس کی گلی مین ایک بیچارا ہوا

غزلون کے منتخب اشعار،

سیکڑون آہین کرون پر دخل کیا آواز کا تیر جو آواز دے ہی نقص تیر انداز کا



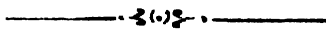
پاؤن بھی اب اے جنون کر دیجئے کانٹون کے نذر سر تو مدت سے نیازِ سنگِ طفلان ہوگیا



محشر مین ہم کو نامۂ اعمال دیکھکر قاصد خیال آئے گا خط کے جواب کا



اے اجل ایکدن آخر تجھے آنا ہی ولے آج آتی شبِ فرقت مین تو احسان ہوتا



مانعِ صحرانوردی پاؤن کی ایذا نہین دل دکھا دیتا ہی میرا ٹوٹ جانا خار کا،



نہ دہشت محتسب کی ہی نہ منت ہے فروشون کی نہان ہی نشہ آنکھون مین شراب شیشۂ دل کا



ازل سے عشق کی دولت ہی دیوانونکی قسمت مین ملی ہی عقل لیکن بخت ہی برگشتہ عاقل کا



بس مین ہوتا نہ پرائے مین کبھی اے ناسخ آہ میرا مرے قابو مین اگر دل ہوتا،

خواب ہی مین نظر آتا وہ شبِ ہجر کہین　　　سو مجھے حسرتِ دیدار نے سونے نہ دیا،



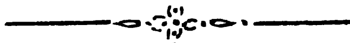
عمر بھر وحشت مین گر صحرا نوردی کی تو کیا　　　سیر کے قابل جو تھا دل کا بیابان رہگیا



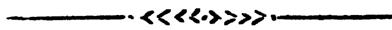
رنگِ عشرت باغِ عالم مین نظر آتا نہین　　　گل کو گلچین کا خطر بلبل کو غم صیاد کا



تمام عمر یون ہی ہو گئی بسر اپنی ،　　　شبِ فراق کٹی روز انتظار آیا،



میکدہ تک محتسب کو میکشو آنے تو دو　　　دیکھکر پیمانہ کو پیمان شکن ہوجائے گا



او محتسب سمجھ کے تو شیشہ کو توڑیو　　　دل بھی نہ ٹوٹ جائے کسی بادہ خوار کا



تھی شہادت سے غرض سو اس ادا مین ہو گئی　　　گو نہ قاتل سے نزاکت کے سبب خنجر اٹھا



تجھسے انصاف تو کر چھپٹ نہ سکا ایک رقیب　　　مین نے کیونکر تری الفت مین نہ مانا چھوڑا



جامِ مے لبریز ہین ساقی فقط مطرب نہین　　　گل کھلے ہین باغ مین خالی ہوجائے عندلیب



ہے یہان کس کو شبِ فرقت مین ہوش　　　ہو چکی ہو گی ھزارون بار صبح

کیا روز بد مین ساتھ رہے کوئی ہمنشین ؟ پتے بھی بھاگتے ہین خزان مین شجر سے دور

اے میکشو نزاکت ساقی کو دیکھنا لاتا ہے رکھ کے مثلِ سبو جام دوش پر

مر گیا کیا ناسخِ میکش جو سارے مے فروش مسجدون مین بیٹھے اپنی اپنی دوکان چھوڑ کر

ناز حورون کے اٹھائین یہ کہان اپنا دماغ ہو ہمارا در فردوس سے بستر باہر،
اے اجل تونے غضب تفرقہ پردازی کی ؟ قبر مین تو سرِ شوریدہ ہے پتھر باہر،

کافی ہے سر پہ داغِ جنون دل مین نامِ یار بیزار ہون فلک ترے تاج و نگین سے مین

دم اخیر تو کرلون نظارہ جی بھر کر الٰہی خنجرِ سفاک آبدار نہ ہو

مین خوب سمجھتا ہون، مگر دل سے ہون ناچار اے ناصحو بے فائدہ سمجھاتے ہو مجکو

معشوقون سے امیدِ وفا رکھتے ہو ناسخ نادان کوئی دنیا مین نہین تم سے زیادہ

ہر کسی کا کام رکھتا ہو ادھورا آسمان گر بہم پہونچا سرِ شوریدہ تو پتھر نہین

تاب سننے کی نہین بہر خدا خاموش ہو ٹکڑے ہوتے ہین جگر ناسخ تری فریاد سے

داغ فرقت زیست بھر سوزِ جہنم بعد مرگ ان بتون کو کس توقع پر خدا یا چاہیے،

فرقت قبول، رشک کے صدمے نہین قبول کیا آئین ہم رقیب تری انجمن مین ہی

شوقِ مے نے کر دیا اسدرجہ مجکو بد حواس محتسب سے راہ پوچھی خانۂ خمار کی

سیہ بختی مین کوئی کب کسی کا ساتھ دیتا ہی کہ تاریکی مین سایہ بھی جدا ہوتا ہی انسان سے

کیا برستی ہی بجائے ابر رحمت بے کسی ہے یہی تربت مقرر ناسخِ مغفور کی

خواجہ حیدر علی آتش،

آتش تخلص، خواجہ حیدر علی نام تھا، آبا و اجداد دلی کے رہنے والے تھے، نواب شجاع الدولہ کے عہد مین ان کے والد خواجہ علی بخش دلی سے فیض آباد آئے، اور محلہ مغلپورہ مین سکونت اختیار کی،

آتش فیض آباد مین پیدا ہوئے، باپ کی طرح گورے چٹے، اور خوبصورت تھے، ابھی اچھی طرح جوان نہ ہونے پائے تھے، اور تعلیم بھی خوب نہ ہوئی تھی کہ باپ کا سایہ سر سے

اُٹھ گیا، کسی مربی کے موجود نہ ہونے سے فرج کے لڑکون کی صحبت مین بانکے اور شوریدہ پشت ہوگئے،

اوس زمانہ مین بانکپن اور بہادری کی قدر تھی، نواب محمد تقی[1] ان کو نوکر رکھ کر اپنے ساتھ لکھنؤ لے آئے، یہان آکر دیکھا تو ان کو دوسری دنیا نظر آئی، جرأت کی شاعری کا گھر گھر چرچا تھا، انشا اور مصحفی کا اکھاڑا جما ہوا تھا، واہ واہ کے نعرے زمین سے آسمان تک جاتے تھے، اِن کو بھی شعر و سخن کا شوق پیدا ہوا، مصحفی کے شاگرد ہوگئے، اور چند روز کی محنت مین ایسی مشق بہم پہنچائی کہ یہ خود صاحبِ طرز ہوگئے،

استعداد علمی خام تھی، مگر رواج زمانہ، بزرگون کی صحبت اور مصحفی جیسے استاد کی شاگردی نے شاعرون کی ضرورتون سے ان کو اچھی طرح واقف کردیا تھا، کلام کو مشق کے زور سے قوت دیتے رہے،" اصنافِ سخن مین غزل کے سوا اور کسی چیز کو ہاتھ نہین لگایا، زبان

---

[1] سعد الدولہ نواب محمد تقی خان بہادر ترقی تخلص آغا سید محمد امین نیشاپوری کے خلف الرشید فیض آباد مین بود و باش تھی اور نواب بہو بیگم کی سرکار سے توسل رکھتے تھے۔ بڑے وضعدار علم دوست اور ہنر پرور امیر تھے، لکھنؤ دار الامان ہوا تو لکھنؤ آتے جاتے رہتے تھے، بہو بیگم کے انتقال کے بعد غازی الدین حیدر کے عہد مین مستقل طور پر لکھنؤ مین سکونت اختیار کرلی، میر سوز کے شاگرد تھے اور شعر اچھا کہتے تھے، ان کا خاندان شرافت اور وضعداری مین ہمیشہ نیکنام رہا ہی، لکھنؤ کی زمین بدل گئی آسمان بدل گیا مگر ان لوگون کی وضعداری نہین بدلی، مرزا حیدر اور اون کے دو بیٹے مرزا عالیجاہ اور مرزا والاجاہ اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے، اور حقیقت یہ ہی کہ فضل و کمال، شرافت و پرہیزگاری مین یہ دونون بھائی اپنا جواب نہین رکھتے تھے، یہ سب شاعر تھے، مگر یہان صرف نواب محمد تقی کے دو شعر نقل کرتا ہون،

ساکنانِ کعبہ نے کی بت پرستی اختیار ۔ وہ صنم نام خدا کیا ان دنون جوبن پہ ہی

در و دیوار سے آتا ہی نظر جلوۂ دوست ۔ آئینہ خانہ مرا گوشۂ تنہائی ہے۔

کی تراش خراش صفائی اور پاکیزگی مین اتنی کوشش کی کہ اپنے زمانے کے استاد مسلم الثبوت ہو گئے،

پچاس یا اسی روپیہ مہینہ بادشاہ کے ہان سے ملتا تھا، شاگردون یا امیرون مین سے کوئی سلوک کرتا، تو اوس سے بھی انکار نہین تھا، باپ دادا سے توکل ترکہ مین پایا تھا، اور ہوش سنبھالتے ہی بانکپن اور شورہ پشتی کی تعلیم ملی تھی، یہ دونون انداز بڑھاپے تک قایم رہے،

گیروا تہ بند باندھتے تھے، ڈنڈا ہاتھ مین رہتا تھا، سچے کام کا سلیم شاہی جوتا پاؤن مین، ڈنڈے مین ایک جھلہ سونے کا لگا رہتا، دوسرے تیسرے فاقہ کی حالت مین جھلہ رہن رکھکر فاقہ شکنی کرتے، بھنگ پینے کا چسکا زندگی بھر رہا،

لکھنؤ مین نواز گنج کے قریب چوپٹیون سے آگے مادھولال کی چڑھائی مشہور ہے، وہان سے اوتار کو ایک چھوٹا سا باغیچہ اور ایک کچا سا مکان تھا، اوس کو آتش نے خرید لیا تھا، اسی مین رہتے تھے، شادی بھی کر لی تھی، ایک بیٹا تھا محمد علی نام جوش تخلص، بڑھاپے مین وہی عصاے پیری تھا، بیوی کے مرنے کے بعد آنکھون کی بینائی بھی جاتی رہی تھی،

اخیر زمانے مین معالی خان کی سراے مین آ ٹھ آئے تھے، داڑھی بھی بڑھا لی تھی، اوس پر مہندی کا خضاب، مگر وضعداری کی دوسری باتون مین کوئی فرق نہین آیا، وہی رندانہ مزاج، وہی فقر و فاقہ، ایک ٹوٹے کھٹولے پر بیٹھے رہتے تھے، سامنے بیچ بچا حقہ لگا رہتا کوئی امیر غریب آتا اوس کے سامنے وہی ٹوٹا ہوا حقہ پیش کیا جاتا،

سنہ ۱۲۶۳ھ مین ایک دن بھلے چنگے بیٹھے تھے، یکایک موت کا ایسا جھونکا آیا کہ شعلہ کی طرح بجھکر رہ گئے، میر وزیر حسن فوق نے تاریخ کہی، ع

لکھنؤ مین نام آتش کر گئے،

تمام عمر کی کمائی ایک دیوان غزلون کا ہی، جو اون کے سامنے رائج ہو گیا تھا دوسرا تتمہ ہے کہ پیچھے مرتب ہوا، وہ بھی حجم مین خاصا ہی، شاگردون مین میر دوست علی خلیل، صاحب مرزا نثار، میر وزیر علی صبا، نواب محمد علی خان رند، نواب مرزا شوق، اور پنڈت دیا شنکر نسیم، زیادہ نام بر آوردہ ہوئے،

زبان کی صحت وصفائی مین یہ اپنے حریف ناسخ کے دوش بدوش چلتے ہین مگر نازک خیالی اور بلند پروازی مین ان کا حریف ان سے بہت زیادہ اونچا جاتا ہی، اور سوز وگداز مین یہ اون سے آگے ہین، مرزا غالب نے اپنے ایک خط مین جو چودھری عبد الغفور کے نام ہے کسی تقریب سے یہ قطعہ نقل کیا ہی، ؎

اگرچہ شاعران نغز گفتار — زیک جام اند در بزم سخن مست
ولے با بادہ بعضے حریفان — خمار چشم ساقی نیز پیوست،
مشو منکر کہ در اشعار این قوم — ورائے شاعری چیزے دگر ہست

اس کے بعد اس چیزے دیگر کی مثال مین میر تقی میر، مرزا سودا، قائم اور مومن کا ایک ایک شعر پیش کر کے لکھا ہی کہ ناسخ کے ہان کمتر، آتش کے ہان بیشتر یہ تیز نشتر ہین،

مین ان کی بھی ایک پوری غزل نقل کرتا ہون، اوس کے بعد منتخب اشعار پیش کرون گا،

فریب حسن سے گبر و مسلمان کا چلن بگڑا — خدا کی یاد بھولا شیخ، بت سے برہمن بگڑا
قبائے گل کو پھاڑا جب مرا گل پیرہن بگڑا — بن آئی کچھ نہ غنچہ سے جو وہ غنچہ دہن بگڑا
نہین بیوجہ ہنسنا اس قدر زخم شہیدان کا — تری تلوار کا منہ کچھ نہ کچھ اے تیغ زن بگڑا
تکلف کیا جو کھوئے جان شیرین پھوڑ کر سر کو — جو غیرت تھی تو پھر خسرو سے ہوتا کوہکن بگڑا

کسی چشم سیہ کا جب ہوا ثابت مین دیوانہ — تو مجھ سے مست ہاتھی کیطرح جنگلی ہرن بگڑا
اثر اکسیر کا مین نے قدم سے تیرے پایا ہی — جذامی خاک رہ ملکر بتاتے ہین بدن بگڑا
تری تقلید سے کبک دری نے ٹھوکرین کھائین — چلا جب جانور انسان کی چال اوسکا چلن بگڑا
زوال حسن کھلواتا ہی میوے کی قسم مجھ سے — لگایا داغ خط نے آن کر سیب ذقن بگڑا
رخ سادہ نہین اوس شوخ کا نقش عداوت ہی — نظر آتے ہی آپس مین ہر اہل انجمن بگڑا
وہ بدخو طفل اشک اے چشم تر ہین دیکھنا اک دن — گھروندے کی طرح سے گنبد چرخ کہن بگڑا
صف مژگان کی جنبش کا کیا اقبال نے کشتہ — شہیدون کے ہوئے سالار ہم جب سے تن بگڑا
کسی کی جب کوئی تقلید کرتا ہی مین روتا ہون — ہنسا گل کی طرح غنچہ جہان اوسکا دہن بگڑا
کمال دوستی اندیشہ دشمن نہین رکھتا — کسی بھونرے سے کس دن کوئی ملا یاسمین بگڑا
رہی نفرت ہمیشہ داغ عریانی کو بھائے سے — ہوا جب قطع جامہ پر ہمارے پیرہن بگڑا
رگڑوائین یہ مجھ سے ایڑیان غربت مین وحشت نے — ہوا مسدود رستہ جادۂ راہ وطن بگڑا
کہا بلبل نے جب توڑا گل سوسن کو گلچین نے — الٰہی خیر کیجو نیل رخسار چمن بگڑا
ارادہ میرے کھانے کا نہ لائے زاغ و زغن کیجو — وہ کشتہ ہون جسے سونگھے سے کتون کا بدن بگڑا
امانت کی طرح رکھا زمین نے روز محشر تک — نہ اک مو کم ہوا اپنا نہ اک تار کفن بگڑا
جہان خالی نہین رہتا کبھی ایذا دہندی سے — ہوا ناسور نو پیدا اگر زخم کہن بگڑا
تونگر تھا بنی تھی جب تک اوس محبوب عالم سے — مین مفلس ہو گیا جس روز سے وہ سیمتن بگڑا
لگے منہ بھی چڑھانے دیتے دیتے گالیان جب جب — زبان بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا
بناوٹ کیف مے سے کھل گئی اوس شوخ کی آتش — لگا کر منہ سے پیمانے کو وہ پیمان شکن بگڑا

آتش نے مسلسل غزل بھی لکھی ہی جس مین ایک شعر کا مضمون دوسرے شعر سے الگ

نہین ہے، بلکہ ساری غزل کا مضمون اول سے آخر تک ایک ہو، ایسی غزلون کے لکھنے مین بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس مین کسی قدر طولانی مضمون بھی بندھ سکتے ہین، مثلاً ہر اک موسم کی کیفیت صبح و شام کا سمان، چاندنی رات کا لطف، جنگل یا باغ کی بہار، سفر کی روداد، وطن کی دلبستگی اور اسی قسم کی بہت سی باتین جو دو ایک شعر مین نہین سما سکتین، اوس غزل کو بھی نمونہ کے لئے نقل کرتا ہون،

غزل مسلسل

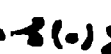
شب وصل تھی چاندنی کا سمان تھا ... بغل مین صنم تھا خدا مہربان تھا،
مبارک شب قدر سے بھی وہ شب تھی ... سحر تک مہ و مشتری کا قران تھا،
وہ شب تھی کہ تھی روشنی جسمین دن کی، ... زمین پر سے اک نور تا آسمان تھا
نکالے تھے دو چاند اُس نے مقابل ... وہ شب صبح جنت کا جسپر گمان تھا
عروسی کی شب کی حلاوت تھی حاصل ... فرحناک تھی روح، دل شادمان تھا
حقیقت دکھاتا تھا عشق مجازی ... نہان جسکو سمجھے ہوئے تھے عیان تھا
بیان خواب کی طرح جو کر رہا ہو ... یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جوان تھا

منتخب اشعار

خدا سر دے تو سودا دے تری زلف پریشان کا ... جو آنکھین ہون تو نظارہ ہو ایسے سنبلستان کا



حسن پری اک جلوۂ مستانہ ہے اوس کا، ... ہشیار وہی ہو کہ جو دیوانہ ہے اوس کا



دوستون سے اس قدر صدمے ہوئے ہین جان پر ... دل سے دشمن کی عداوت کا گلہ جاتا رہا

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اُٹھ کر چلے گئے　　مین جا ہی ڈھونڈھتا تری محفل مین رہگیا

شدتِ شوق ابھی جبین کو میسر نہین　　اوس بت کے آستانہ کا پتھر رگڑ گیا

بڑا شور سنتے تھے پہلو مین دِل کا　　جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

چال ہے مجھ نیمجان کی مرغِ بسمل کی تڑپ　　ہر قدم پر ہے گمان یان رہگیا وان رہگیا

کاروان یارون کا پہنچا منزلِ مقصود تک　　مین بگولے کی طرح سے خاک اُڑا کر رہگیا

فاتحہ پڑھنے کو آئے قبرِ آتش پر نہ یار　　دو ہی دن مین پاسِ الفت اس قدر جاتا رہا

صندل کو مول لیکر کس کی بلا رگڑتی　　مین دردِ سر کی خاطر یہ دردِ سر نہ کرتا

خریدار محبت آئے تھے بازارِ عالم مین　　وہی سودا کیا ہی ہم نے جسمین دردِ سر دیکھا

قاصدون کے پانون توڑے بدگمانی نے مری　　خط دیا لیکن نہ بتلایا نشانِ کوے دوست

فرشِ گل بستر تھا اپنا خاک پر سوتے ہین اب　　خشت زیرِ سر نہین یا تکیہ تھا زانوے دوست

اوس بلائے جان سے آتش دیکھئے کیونکر نبھے　　دل سوا شیشے سے نازک دل سے نازک خوے دوست

مشتاق درد عشق جگر بھی ہے دل بھی ہے ۔ کھاؤن کدھر کی چوٹ بچاؤن کدھر کی چوٹ

منہ دیکھتا ہون یار کا کچھ کہہ نہین سکتا ۔ آنکھین تو کھلی ہین مری ہین مری زبان بند

کوچہ سے یار کے نہ صبا دور پھینک لے ۔ مدت کے بعد آئی ہو خاک اپنی راہ پر

کون کہتا ہے بسر ہو گئے ایام جنون ۔ اک گریبان نظر آتا نہین بے چاک ہنوز

کوچۂ یار مین سایہ کی طرح رہتا ہون ۔ دور کے نزدیک کبھی ہون کبھی دیوار کے پاس

جنون مین بھی ہوئی زائل نہ مجھ سے دانائی ۔ رہا مین عالم وحشت مین بیشتر خاموش

رخسار زرد پر مرے بہتے ہین اشک خون ۔ یکجا دکھا رہے ہین خزان و بہار رنگ

وحشی ستم بوئے گل کی طرح سے جہان مین ہم ۔ نکلے تو پھر کے آئے نہ اپنے مکان مین ہم

اسے جان کے برابر مرتے مرتے ہم نے رکھا ہے ۔ ہماری قبر پر رو یا کریگی آرزو برسون

جام شراب عشق سے دونون ہین بے خبر ۔ بلبل چمن مین مست ہو مین کوے یار مین

بلند و پست یک روح کو برابر ہین — نسیم بے سر و پا کا کہان مقام نہین

برباد ہو رہے ہو کچھ آتش تمھین نہین — مٹی خراب اپنی بھی ہے اس دیار مین

یہ عادت لکھی ہے قسمت مین لگکے دیکھئے — خون گرفتہ ایک مین ہون اور خنجر سیکڑون

یہ کیفیت اسے ملتی ہے جو جس کے مقدر مین — مئے الفت نہ خم مین ہے نہ شیشہ مین نہ ساغر مین

مستِ شرابِ عشق کب آتے ہین ہوش مین — یہ نشہ وہ نہین ہے کہ جس مین خمار ہو

پر کترتے ہین مرے صیاد تو کاٹ اس طرح — حسرتِ پرواز بھی اڑ جائے بال و پر کیساتھ

باغ مین آئے ہو ساتھ اونکے بھی پھر لو دو گام — کبک و طاؤس کا جھگڑا ہے چکاتے نہ چلو

ہنسنے والا نہین ہے رونے پر — ہم کو غربت وطن سے بہتر ہے

پیامبر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا — زبانِ غیر سے کیا شرحِ آرزو کرتے

سوائے نام کے باقی اثر نشان سے نہ تھے — زمین سے دب گئے دبتے جو آسمان سے نہ تھے

انسوس ہو فرہاد کو جیتے ہی ہو جی
سر توڑ کے مرجائیے اس کوہکنی سے

خوب واسے حال پہ اپنے وطن کا سیکے حال
کوئی غربت مین جو آنکلا ہمارے شہر سے

لگی ہے دیر بہت نامہ بر کے آنے مین
وہ خود ہی آتے ہین قاصد جواب کے بدلے

نقشِ پائے رفتگان سے یہ صدا ہو آرہی
دو قدم مین راہ طے ہو شوقِ منزل چاہیے

اون سے کہدو نہین آہستہ جو رکھتے دو گام
گر ہی پڑتے ہین بہت دوڑ کے چلنے والے

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ مین ہے
مقام تک ہی ہم اپنے پہونچ ہی جائینگے
خدا تو دوست ہو دشمن ہزار راہ مین ہے

موت مانگون تو رہے آرزوے خواب مجھے
ڈوبنے جاؤن تو دریا ملے پایاب مجھے.

شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ،
قناعت بھی بہارِ بے خزان ہے

زمینِ چمن گل کھلاتی ہو کیا کیا
دکھاتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے
نہ مڑکر کبھی بیدرد قاتل نے دیکھا
تڑپتے رہے نیم جان کیسے کیسے

تمہارے شہیدون مین داخل ہوئے ہین | گل و لالہ و ارغوان کیسے کیسے
بہار آئی ہے نشہ مین جھومتے ہین | مریدانِ پیرِ مغان کیسے کیسے

خواجہ محمد وزیر وزیر

محمد وزیر نام وزیر تخلص، خواجہ محمد فقیر کے بیٹے تھے، لکھنؤ وطن تھا، آبائی سلسلہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے، اور ننھیالی قرابت مرزاؤن کے ایک نامی گرامی خاندان سے تھی،

مرزا سیف اللہ بیگ نانا تھے جو نواب امیر الدولہ مرزا حیدر بیگ خان کے حقیقی بھائی تھے، غرض دادھیال و ننھیال دونون طرف سے عالیخاندان تھے،

فارسی کی پوری اور عربی کی کچھ کچھ درسی کتابین علمائے لکھنؤ سے پڑھین عروض و قافیہ مین بہت اچھی مہارت تھی، گوشہ نشینی اور توکل باپ دادا سے ترکہ مین ملا تھا، ساری عمر کسی کی نوکری نہین کی، شعر و سخن کا شوق بچپن سے تھا، شیخ امام بخش ناسخ سے مشق سخن کی، اور انھین کی زندگی مین استاد مسلم الثبوت ہوگئے، شیخ صاحب کو ان پر فخر تھا، اور بجا طور پر فخر تھا اکثر اپنے شاگردون کو اصلاحِ سخن کے لئے ان کے سپرد کر دیتے تھے، اور ہر طریقہ سے ان کی حوصلہ افزائی فرماتے رہتے، ان کو آخر مین شعر و سخن سے نفرت سی ہوگئی تھی فتوح و تسخیر اعمال کا شوق رہگیا تھا، ہر وقت نقوش بھرا کرتے تھے، سو روپیہ ماہوار سے کم خرچ نہین تھا، مگر آمدنی کہین سے نہ تھی، واجد علیشاہ بادشاہ نے دوبارہ یاد فرمایا، مگر علالت کا عذر کر کے اپنی جگہ سے ہلے نہین، اسی وجہ سے لوگ انکی آمدنی کو دست غیب پر محمول کرتے تھے،

سنہ ۱۲۷۰ھ مین وفات پائی، مقبول الدولہ مرزا مہدی علیخان قبول نے تاریخ کہی، ع

وزیر بادشہ شاعران نامی بود

منشی اشرف علی شاگرد نسیم دہلوی نے کہا، ع

مزہ شعر کا ہاے جاتا رہا

ان کی زندگی مین ابتدائی کلام کا جو مجموعہ مرتب ہوا تھا، وہ تلف ہوگیا دوبارہ اوس کے جمع کرنے کا خیال نہین کیا، عبد الواحد خان مالک مطبع مصطفائی کو اس کا خیال پیدا ہوا تو انھون نے کچھ سادی کتابین ان کو لا کر دین اور ان کے دوستون اور شاگردون کو متوجہ کیا اس طریقہ سے پھر دوبارہ ایک دیوان مرتب ہوا، جو اون کے مرنے کے بعد ۱۲۷۰ھ مین چھاپا گیا،

رنگ ان کا وہی ہے جو ان کے استاد کا ہے، مضمون کی بلندی، خیال کی نزاکت، بیان کی متانت اور زبان کی صحت غرض کہ پختگی کلام کے تمام لوازم اوس مین موجود ہین، لیکن غزل کی جان یعنی تاثیر کے نہونے سے اون کے کلام کی حیثیت ایک حسین مگر جسد بے روح سے زیادہ نہین قرار پا سکتی،

ان کے تمام دیوان کو اول سے آخر تک پڑھو اوس مین دس شعر بھی ایسے نہ ملین گے جن سے اہل دل کے قلوب کو سرور اور ارباب نظر کی آنکھون کو نور حاصل ہو،

مگر اس مین شک نہین کہ جو ان کا رنگ ہے اوس مین ناسخ و آتش کے بعد ان کے معاصرین مین سے کوئی ان کا مثل نہین، نمونہ کیلئے ایک غزل نقل کرتا ہون اسکے بعد انتخابی اشعار لکھونگا،

عوض مطلع کے کھنچوائینگے نقشہ روے جانان کا بنے تا مطلع خورشید مطلع اپنے دیوان کا

نہین ابنوہ خط مین جلوہ حسن روے جانان کا عیان ہے تخت یہ پریون کے جھرمٹ مین سلیمان کا

حنائی ہاتھ کی تاثیر طرفہ رنگ لائی ہے، شجر تیرے نگین کا بنگیا ہے نخل مرجان کا

گلے سے حرف باتون کے نظر آتے ہین حیرت ہو عیان جوہر مین ہے شک آئینہ ہے جسم جانان کا

کریگا آتش افروزی چمن سودائے گیسو مین — دھوان بنکر رولائے گا نظارہ سنبلستان کا
بگڑ کر اوس نے چلمن سے جو ہمکو آنکھ دکھلائی — غزال چشم پر دھوکا ہوا شیر نیستان کا
پری وش پڑھتے ہین کلمہ مرا ہین ہمن وہ دیوانہ — ہر اک داغ جنون مین ہی اثر مہر سلیمان کا
ترے ہونٹون کے آگے رنگ جب اوسکا نہین جمتا — تو کیا کیا جوش کھاتا ہی لہو لعل بدخشان کا
ہی یہ حسن و ہفتہ چار دن کی چاندنی ساقی — چھلک جاتا ہی بھرتے ہی پیالہ ماہ تابان کا
نہین ہی سرمہ کا دنبالہ اے ترک آنکھ مین تیری — پھریرا سرمئی ہی یہ نشان فوج مژگان کا
ذقن مین دانۂ خال سیہ دیکھا تو مین سمجھا — لطافت سے عیان ہی تخم یہ سیب زنخدان کا
جہان کو قتل کرتے ہین یہ بھر و جامہ زیبی سے — مگر تیغ ہلالی ہی ہلال اون کے گریبان کا
حلب کی صبح صادق کا گمان ہی اوس کے عارض پر — مسی پر لعل لب کے شبہہ ہی شام بدخشان کا
بہت کچھ کھو کے پائی اوس نے راہ خود فراموشی — دل گم گشتہ آپ ہی خضر ہے اپنے بیابان کا
ہوئے ہین جمع آنسو کر رہے ہین شوخیان کیا کیا — گمان ہی دامن مژگان پہ بازی گاہ طفلان کا
فلک پر ہے دماغ اے شمو اپنا گدائی مین — بہت ہی بوریا خواہان نہین تخت سلیمان کا
نپایا بوسۂ لب اوس پری سے جب تو یہ سمجھا — نہین انسان کی قسمت مین چشمۂ آب حیوان کا
لب لعلین پہ اوس کے یہ نہین ہی پان کا لاکھا — نکل آیا ہی کھا کر جوش خون لعل بدخشان کا
مسین بھیگی نہین ہین اے وزیر اوس آئینہ رو کی — نمایان پشت لعل لب پہ ہی یہ عکس مژگان کا

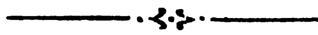
منتخب اشعار

چلا ہے او دل راحت طلب کیا شادمان ہوکر — زمین کوے جانان رنج دیگی آسمان ہوکر
اسی خاطر تو قتل عاشقان سے منع کرتے تھے — اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کاروان ہوکر
کیا قتل اوس نے غیرون کو مجھے ہم رشک کے مارے — اجل بھی دوستو آئی نصیب دشمنان ہوکر

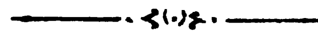
وزیر آغوش یہان فرقت مین بھی خالی نہین رہتی   نہین ہو یار اگر تو درد ہے مدت سے پہلو مین



ترچھی نظرون سے نہ دیکھو عاشق دلگیر کو   کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کرلو تیر کو۔



ہے چشم نیمباز عجب خواب ناز ہی   فتنہ تو سو رہا ہی در فتنہ باز ہے،



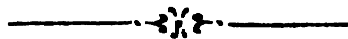
ہوئی صلح بھی تو بھی رہی جنگ   ملا جب دل تو آنکھ اوس سے لڑائی



پڑا ہے تفرقہ بے تابیون سے   وزیر اب مین کہین ہون دل کہین ہے

قطعہ

نہ کر عوض مرے جرم و گناہ بیحد کا   الٰہی تجکو غفور الرحیم کہتے ہین،
کہین کہین نہ عدو دیکھکر مجھے محتاج   یہ اونکے بندے ہین جنکو کریم کہتے ہین،



میر وزیر علی صبا،

درچستی بندش و صحت و صفائی محاورہ و دقت فکر و بلندی اندیشہ سر آمد مستعدان بود ماہر جہاں بتہا،

وزیر علی نام، صبا تخلص، میر بندہ علی کے بیٹے تھے، لکھنؤ وطن تھا، یہین پیدا ہوئے اور یہین اون کا نشو و نما ہوا، اوس زمانے کے شریف زادون کی طرح فارسی کی اچھی اور عربی کی بقدر ضرورت تعلیم پائی،

اوس زمانہ مین علوم قدیمہ کا زور شور تھا، عربی صرف و نحو اور منطق کے ساتھ ساتھ فن طب

اور علم کلام کے مہمات مسائل کا سمجھ لینا شریف زادون کے لیے ضروریاتِ زندگی مین داخل تھا جو لوگ سبقاً سبقاً تحصیل نہ کر سکتے تھے وہ بھی علما کی صحبت مین اتنی معلومات بہم پہونچا لیتے تھے، کہ مجلس گرم کرنے کو وہ کافی سے زیادہ ہوتی تھین[1]،

میر وزیر علی صبا نے اوسی زمانے مین تعلیم و تربیت پائی، شعر و سخن سے خداداد مناسبت تھی، خواجہ حیدر علی آتش کی فیضِ صحبت سے اور بھی مشاق ہو گئے،

ان کے دیوان کا نام غنچۂ آرزو ہی، جو ایک ضخیم جلد مین شائع ہو گیا ہی، صحت و صفائی محاورہ اور لطفِ سخن مین ان کا کلام ہمعصرون کی نسبت سے بہت بہتر ہی،

۱۲۷۱ھ مین گھوڑے سے گر کر جان دی، شاگردون نے خوب خوب تاریخین کہین،

---

[1] اوس زمانہ مین ایک معمولی سے معمولی آدمی کی زبان پر بھی مصطلحات علمی ایسی بے تکلفی کے ساتھ روان ہوتے تھے کہ اون کو سنکر کسی طرح یہ باور نہین آتا تھا کہ اس نے درسی کتابین نہین پڑھین، اب بھی لکھنؤ مین شاہی زمانہ کے جو سن رسیدہ لوگ موجود ہین اون سے مل کر اس کی تصدیق کیجا سکتی ہی،

میرے بچپنے مین ایک فقیرنی بھیک مانگنے آیا کرتی تھی، پیر فرتوت مگر آواز مین لوچ اور شیرینی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ جوانی مین بہت شکیل اور کسی شریف گھرانے کی لڑکی ہوگی،

میرے ایک دوست اوس کی بہت تعریف کی اور کہا کہ باتین کرنا چاہو تو دو چار آنہ کی بالائی منگوا کر اوس کے سامنے رکھدو، مین نے اوس کو بلا کر بٹھایا، اور بالائی پیش کی تو بے حد خوش ہوئی، اور باتین کرنے لگی معلوم ہوتا تھا کہ منہ سے پھول جھڑتے ہین، فارسی اور اُردو کے اساتذہ کا کلام خصوصاً سعدی شیرازی کے منتخب اشعار اور گلستان کے برجستہ فقرے اس طرح برمحل پڑھتی اور ترجمہ کرتی تھی کہ اوس کی حلاوت آج تک باقی ہی،

افسوس ہو کہ بچپن کی وجہ سے اس کا خیال نہین ہوا کہ اوس سے عہد قدیم کے حالات پوچھتا، صرف اتنا معلوم ہوا کہ غازی الدین حیدر کے زمانے مین لڑکیون کا کوئی مدرسہ تھا، اوس مدرسہ سے اس کو کچھ تعلق رہا ہی،

کسی نے کہا، ع

صبا در گلشنِ فردوس جا کرد،

کسی نے کہا، ع

صبا از گلشنِ دنیا کجا رفت

دل مین اک درد اٹھا آنکھونمین آنسو بھر آئے بیٹھے بیٹھے ہمین کیا جانئے کیا یاد آیا،

اللہ رے اونکا غصہ اتنا نہین سمجھتے کیون کر کوئی جئے گا جب یون عتاب ہوگا

جائے عبرت ہے جہانِ بے ثبات دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا،

اللہ ہے جو حال پہ بندہ کے ہو کرم، پہچانتا ہون خوب مین سرکار کا مزاج

آدم سے باغِ خلد چھٹا ہم سے کوے یار وہ ابتدائے رنج ہے یہ انتہائے رنج
کہتے ہین میرے دوست مرا حال دیکھکر دشمن کو بھی خدا نہ کرے مبتلائے رنج

نہ کیئے نالۂ عاشق مین کچھ نہین تاثیر، سنی ہی تم نے کسی کی ابھی کہان فریاد

آفت ہے قید سبحہ و زنار جان کو تارِ حیات مین نہین یہ گتھیان پسند

صیاد و باغبان نہ کرین کچھ ادائیان ناز و نیاز بلبل و گل مین ہے چار روز

اِس مرقع مین عجب نقشہ ہے دیکھو جسطرف صورتین دس مین نا خوش ہین جو ہین دو چار خوش

ہوش مین آ مجھے کیا جان نہین اپنی عزیز دوست رکھون مین تجھے اے دلِ دشمن کبتک

کہتے تھے دل نہ دین گے کسی کو تمام عمر مجبور ہو گئے مگر اک دلستان سے ہم

ہمین کو رنج دیکر الٹے شکوے ہم سے کرتے ہو جواب اپنا نہین رکھتے ہو تم باتین بناتے ہو

کون سنتا ہے تری جوشِ جنون مین ناصح خضر بھی آئین تو ہم راہ بتا دین اون کو

کوچہ عشق کی راہین کوئی ہم سے پوچھے خضر کیا جانے غریب اگلے زمانے والے

نواب سید محمد خان رند

سخنش درد انگیز و کلامش مہر خیز در مین بے تکلفی وارد، اہ مہر جہان تاب،

سید محمد خان رند نواب غیاث الدین نیشاپوری کے بیٹے تھے، جو نواب برہان الملک صوبہ دار اودھ کے حقیقی بھانجے تھے، ۱۱ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ کو فیض آباد مین پیدا ہوئے،

چونکہ نواب وزیر کے خاندان سے قریبی تعلق تھا، اس واسطے نواب بہو بیگم کے دامن تربیت مین ناز و نعمت سے پرورش پائی، جب تک وہ زندہ رہین فیض آباد مین رہے، اون کے مرنے کے بعد ۱۲۴۰ھ مین لکھنؤ چلے آئے، اور یہین سکونت اختیار کرلی،

شعر و سخن سے طبعی مناسبت تھی، جب تک فیض آباد مین رہے، میر مستحسن خلیق سے مشق سخن کرتے رہے، لکھنؤ آکر خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد ہوئے، پہلے وفا تخلص تھا، خواجہ صاحب نے رند بنا دیا،

ایک دیوان فیض آباد مین میر خلیق کے مشورہ سے تیار ہو چکا تھا، لکھنؤ آنے کے بعد اوس کو غرقِ آب کرکے دو دیوان اور مرتب کئے، جو گلدستۂ عشق کے نام سے چھپ گئے ہین، مگر ان دیوانون مین بھی خلیق کی فیضِ صحبت کا رنگ صاف جھلکتا ہو،

بات یہ ہو کہ اہل لکھنؤ کی شاعری کا مدار مضمون کی بلندی، خیال کی نزاکت اور زبان کی صحت پر ہوا کرتا ہے، ان کے ہان تینون چیزین کمزور ہین، بلند پروازی اور خیال آفرینی مین خواجہ وزیر اور زبان کی صحت مین میر صبا کو یہ نہین پہنچتے، مگر ان کے ہان سادگی اور صفائی اور تاثیر کا ہلکا سا رنگ نظر آتا ہی، جس سے خواجہ وزیر محروم ہین، اور صبا کے ہان کچھ کچھ پایا جاتا ہی،

سنہ وفات ان کا میری نظر سے نہین گذرا، مگر اتنا معلوم ہے کہ آخر عمر مین منہیات سے تائب ہو گئے تھے، اور دربار اودھ کی سازشون سے دل برداشتہ ہو کر غدر سے چند سال پہلے عتبات عالیات کی زیارت کی نیت کرکے گھر سے نکل کھڑے ہوئے، چونکہ ان کے مقدر مین یہ بات نہ تھی بمبئی پہنچکر سفرِ آخرت اختیار کیا،

دید لیلے کے لئے دیدۂ مجنون ہے ضرور　　میری آنکھون سے کوئی دیکھے تماشا تیرا

پھینکدون دل کو ابھی چیر کے پہلو اپنا　　تجھ پہ قابو نہین دل پر تو ہے قابو اپنا

ضعف اسے کہتے ہین سینہ سے لبون تک آتے　　سو جگہ راہ مین نالہ مرا بیٹھا اُٹھا

چھوڑا قفس سے تب ہمین صیاد تونے آہ　　جب موسم بہار چمن سے نکل گیا،

مژدہ اے گردون بر آیا تیرے دل کا مدعا　　شہر سے آباد آتا ہے نظر ویرانہ آج

کھلی ہے کنج قفس مین مری زبان صیاد　　مین ماجرائے چمن کیا کرون بیان صیاد
دکھایا کنجِ قفس مجکو آب و دانہ نے　　وگرنہ دام کہان مین کہان، کہان صیاد

آعندلیب مل کے کرین آہ وزاریان　　تو ہائے گل پکار مین چلاؤن ہائے دل

پھر وہی کنجِ قفس اور وہی صیاد کا گھر　　چار دن اور ہوا باغ کی کھالے بلبل،

لطف گلگشت چمن کنجِ قفس مین بھولے　　اب تو نقشہ بھی گلستان کا مجھے یاد نہین

کبھی خوفِ خزان ہے اور کبھی صیاد کا کھٹکا بناؤن کیا سمجھکر آشیانہ اِس گلستان مین

او دل ہدفِ تیرِ نگہ پھر کیا تو نے، اگلے ہی مرے زخم جگر تھے ابھی آلے

قیدِ ملت مین پھنسے چھوڑ کے رندانہ طریق کیسے جھگڑے مین تم اے کافر و دیندار پڑے
کیا بتاؤن مین کسے یاد ہے بحران کا دن مدتین گذرین مسیحا مجھے بیمار پڑے

وعدہ پہ تم نہ آئے تو کچھ ہم نہ مر گئے، کہنے کو بات رہگئی اور دن گذر گئے،

جنون اگرچہ ہمین ہر برس ہوا لیکن یہ ولولے نہ ہوئے تھے جواب کی سال ہوئے

چار دن کی دوستی کا ہے زمانے مین رواج کس توقع پر کسی سے آشنائی کیجئے،

اے جان لب پہ آکے ٹھہرنے سے فائدہ رہنا ہوا تو رہگئے چلنا ہوا چلے،

ستم کرتا ہے چرخِ سفلہ پرور اہلِ غیرت پر جو کانون سے نہ سنتے تھے وہ آنکھون سے دکھاتا ہے

کچھ ہنس کے کٹی وصل مین کچھ ہجر مین رو کر ہر طرح غرض عمرِ دو روزہ بسر آئی،

پھنسائین بلبلین گن گن کے توڑے پھول چُن چُن کے — چمن مین تم نے او صیاد و گلچین کچھ بھی چھوڑا ہی

دو چار گام یان سے ہی دولتسرا اے دوست — ٹوٹین یہ پاؤن دیکھو تو آکر کہان تھکے ،

وقت بد مین کون دیتا ہی کسی کا ساتھ رند — سا۲ یار ثابت اک ملی دنیا مین تنہائی مجھے ،

گذرے جس دم ہم دنیا سے ، — ہم نے جانا دنیا گذری ،
بحر جہان مین زیست ہماری — شکل حباب دریا گذری ،

خوش رہو تم وطن مین اہل وطن — ہم ہین اور سیر دشت غربت ہی

کرے فرقت مین کبتک صبر ایوب — یہ عاشق تیرا پیغمبر نہین ہے ،

بت کرین آرزو خدائی کی ، — شان ہی تیری کبریائی کی ،

کئی دن سے ہی گھات مین صیاد — عندلیب آج کل ہی پھنستی ہے ،

قطعہ

بس اب آپ تشریف لیجائیے — جو گذرے گی ہم پر گذر جائے گی
طبیعت کو ہوگا قلق چند روز — ٹھہرتے ٹھہرتے ٹھہر جائے گی ،

مرزا محمد رضا برقؔ

محمد رضا نام برقؔ تخلص، فتح الدولہ بخشی الملک خطاب تھا، مرزا کاظم علی خان کے بیٹے اور واجد علی شاہ بادشاہ[1] کے مصاحب تھے، لکھنؤ مین پیدا ہوئے، اوس زمانے کے رواج

۱؎ ابو المنصور ناصر الدین سکندر جاہ سلطان عالم واجد علی شاہ خاتم شاہان، در ۱۲۶۳ھ مین اپنے باپ محمد علی شاہ کی جگہ تخت نشین ہوے، شروع شروع مین کام مین جی لگایا بانکا ترچھا دو رسالے، نادری اور حیدری دو پلٹنین قائم کین، خود تواعد لیتے تھے، سواری کا جلوس نکلتا تو آگے آگے ایک صندوق ہوتا تھا جسمین ہر شخص کو عرضیان ڈالنے کا اختیار تھا، اس کا نام شعلۂ سلطانی رکھا تھا،

چند روز کے بعد ان سب باتون سے جی ہٹ گیا، نواب علی نقی خان کو وزیر مقرر کیا، جو سسرے بھی تھے اور سمدھی بھی خود اپنے لئے بجاے سلطان عالم کے جان عالم خطاب پسند کیا، وزیر کو حضور عالم بنایا، اور ملک و دولت کو انکے سپرد کرکے اپنے شاہزادگی کے مشاغل مین مصروف ہوگئے، قیصر باغ بنایا گیا، اور اس کو صدہا حسین و جمیل و خوش گلو اور خوش خرام معشوقون سے آباد کیا گیا، گویون اور ڈھاڑیون کو قطب الدولہ اور دیانت الدولہ اور خدا جانے کیا کیا خطاب دیکر انیس و محرم راز بنایا گیا،

شعر و سخن و موسیقی مین مہارت پیدا کرنے کے ساتھ طبلہ بجانے اور ناچنے مین وہ کمال پیدا کیا کہ اس فن کے بڑے بڑے اون کے سامنے کان پکڑتے تھے، ہر سال قیصر باغ مین ایک میلہ مقرر کیا، جسمین ہر شخص گیروے کپڑے پہنکر شریک ہو سکتا تھا، جان عالم جس دن گم ہوتے اور پریان جوگنون کا بھیس بدل کر بین بجاتی ہوئی اون کو ڈھونڈھنے نکلتی تھین تو اچھے اچھے ثقہ اور پرہیزگار لوگون کے حواس باختہ ہو جاتے تھے، پھر جب وہ ملتے تھے اور جشن منایا جاتا تھا، تو اوس کے شان و شکوہ کا کچھ ٹھکانا نہ تھا،

قیصر باغ مین ٹیڑھی کوٹھی چند روز ہوئے کھدی ہے، اوس مین اندر کا اکھاڑا (بقیہ حاشیہ صفحۂ آیندہ پر)

کے موافق تعلیم پاکر شعر و سخن کیطرف توجہ کی، شیخ امام بخش ناسخ کا زمانہ تھا، نواب معتمد الدولہ کے استاد ہونے کی وجہ سے لکھنؤ مین اون کی شاعری کا سکہ رائج تھا، انھین کے شاگرد ہو گئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۹) جب تھا، پریان آسمان سے اترتی تھین اور ان کا ناچ ہوتا تھا، خود جان عالم راجہ اندر بن کر بیٹھتے تھے غرض کہ وہ وہ سامان کیے گئے تھے کہ اندرسبھا بحر البیان کے مصنفین نے عالم خیال مین بھی وہ تماشے نہین دیکھے تھے،

جان عالم جب ان شغلون مین محو تھے تو سمجھو کہ سارا لکھنؤ انھین باتون کا سودائی ہو رہا تھا، ادنی اہلکار سے لیکر وزیر تک سب اسی بادۂ غفلت سے سرشار تھے، مصارف کی زیادتی، چکلہ دارون کی نوچ کھسوٹ اور تعلقدارون کی سرکشی سے ملک مین ایک ہنگامہ برپا تھا، رعایا دن دھاڑے لٹ رہی تھی، مگر کسی کے کانون پر جون تک نہین رینگتی تھی، سلیمن صاحب اوس زمانہ مین رزیڈنٹ تھے، وہ نواب علی نقی خان سے کچھ برہم بھی تھے، موقع پاکر سرکار کمپنی کے اہلکارون کے خوب کان بھرے، لارڈ ڈلھوزی گورنر جنرل تھے، پنجاب اور ناگپور کی ریاست کو ضبط کرکے منہ کو خون لگ چکا تھا، بجائے اس کے کہ بادشاہ کو آنکھین دکھا کر نالائق اہل کارون کو نکلوا دیتے، یا خود بادشاہ کو معزول کرکے اون کے بھائی بیٹون مین سے کسی کو بادشاہ کر دیتے، انتزاع سلطنت کا فرمان لکھکر جنرل اوٹرم کے ۱۲۷۲ھ مین بھیجدیا، انھون نے آتے ہی دو کرور روپیہ سالانہ آمدنی کا ملک بغیر اس کے کہ بندوق کا ایک فیر بھی ہو، انگریزی گورنمنٹ کے قبضہ مین لے لیا، جناب عالیہ (واجد علیشاہ کی مان) بہت چیخین چلائین کہ واجد علی نالایق ہے تو مصطفے علی ایک بھائی کو یا جنرل سکندر حشمت دوسرے بھائی کو بٹھا دو، مگر کون سنتا ہے جان عالم کے مشاغل کے لئے پندرہ لاکھ روپیہ سالانہ کا وظیفہ مقرر ہو گیا،

۵ رجب ۱۲۷۲ھ کو بادشاہ بہ نفس نفیس اپیل کرنے کو باصد حسرت و یاس لندن روانہ ہوئے، مگر کلکتہ پہونچ کر رائے بدل گئی، جناب عالیہ اپنے فرزند جنرل سکندر حشمت، مرزا حامد علیخان ولیعہد، اور مولوی مسیح الدین کا کوروی سفیر شاہی کو لیکر ایک سو دس تن مرد کے ساتھ لندن روانہ ہوئین وہ لندن پہنچی ہی تھین اور (بقیہ صفحہ آیندہ پر)،

اور چند روز کی مشق مین ان کے اکثر شاگردون سے بہتر کہنے لگے،

برق شاعری کے علاوہ بانکپن مین بھی انگشت نما تھے، بانک بنوٹ اچھی جانتے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۰) کوئن وکٹوریہ ملکۂ معظمہ انگلستان سے صرف ایک ملاقات ہونے پائی تھی کہ ہندوستان مین غدر ہوگیا جن انگریزون کو اس خانمان آوارہ قافلہ سے ہمدردی بھی تھی وہ بھی ان کو چشم غضب آلود سے دیکھنے لگے اور انجام یہ ہوا کہ جناب عالیہ اور جنرل سکندر حشمت نے یورپ مین سفر آخرت اختیار کیا، باقی لوگ بادلِ بریان و چشم گریان واپس آئے، ادھر بادشاہ کو انگریزون نے ایام غدر مین بلحاظ مصلحت ملکی فورٹ ولیم مین نظربند کر رکھا تھا، چھبیس ۲۶ مہینے کے بعد وہان سے چھوٹ کر نکلے اور پندرہ لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ قبول کر کے مٹیا برج مین کوٹھیان اور بنگلے خرید کر کے اپنے عیش و عشرت کا سامان مہیا کر لیا، چند روز مین عالیشان عمارتین بنکر تیار ہو گئین اور لکھنؤ کا پرستان اٹھکر مٹیا برج آپہونچا، بادشاہ نے دل بہلانے کو زندہ جانورون کا خصوصاً سانپون کا ایسا ایک چڑیاخانہ بنایا کہ شاید دنیا مین اوس کا کہین جواب ہوگا،

اوس زمانے مین جس نے مٹیا برج دیکھا ہو وہ جانتا ہو کہ اس مٹی ہوئی حالت مین لے باغ ارم بنا کر راجہ اندر کا اکھاڑہ کر رکھا تھا، اس پر محلات والا انتہاے دلکشا کی وہی شان آرایش و آسایش کے سامان کی وہی افراط، زرپاشی اور دادودہش کی وہی کیفیت، غرض کہ جو کسی کے وہم و گمان مین نہین تھا وہ کر دکھایا، اور اس طرح سے ہنس بول کر زندگی بسر کر دی کہ گویا کوئی مصیبت پڑی ہی نہ تھی،

لوگ کہتے ہین کہ ان مین نری برائیان نہ تھین کچھ خوبیان بھی تھین، اول یہ کہ باوجود اس عیش و عشرت کے شراب کو کبھی منہ سے نہین لگایا دوسرے یہ کہ نامحرم پر کبھی ہاتھ نہین ڈالا، نہ کسی کی بہو بیٹیان زبردستی چھینین، جس کسی بیگم پر دل آیا اوس سے نکاح یا متعہ کر کے حرام کو حلال کر لیتے تھے، تیسرے تعصب مذہبی دیوانگی کی حد تک نہین تھا شیعہ سنی اور ہندو سب ان کے خوانِ نعمت سے متمتع رہے بلکہ اکثر اہلکار سنی تھے، اور ان کے مذہب سے کبھی تعرض نہین کیا، چوتھے یہ کہ مذاق اتنا عمدہ تھا کہ جس چیز کا جو نام رکھتے یا جس کو جو خطاب دیتے اوس کی اوس سے ذہانت نمایان ہوتی تھی، (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

تلوار خوب لگاتے تھے، نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی کے زمانۂ وزارت مین امراو وزراے دنیا سے ہو چلے تھے، واجد علی شاہ کے زمانہ مین خاصی ترقی کی، ہر وقت مصاحبت مین رہتے، اور بادشاہ کے کلام مین اصلاح بھی دیتے تھے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۱) شاعری کی حیثیت سے دیکھو تو تصنیفات کا اتنا بڑا ذخیرہ چھوڑا ہو کہ کسی بڑے سے بڑے شاعر کو بھی نصیب نہین، چھ دیوان غزلون کے، کئی مثنویان عاشقانہ قصون کی جنین سے اکثر آپ بیتی، ایک کتاب مباحثہ بین النفس والعقل، نصائح اختری، عشق نامہ، رسالہ ایمان، مصائب اہلبیت مین، دفتر پریشان، مقتل معتبر، دستور واجدی، سیاست مدن مین، فن موسقی مین، جوہر عروض، عروض مین، اور خدا جانے کتنی تصنیفات ہین جن کی تعداد چالیس سے کم نہین،

کلام کا رنگ وہی ہو جو اس زمانے مین عام تھا، اور جس کی ذمہ داری خود انھین کے مشاغل پر عائد ہوتی ہو، آپ بیتے جو قصے مثنویون مین لکھے ہین، ان کو کوئی مہذب آدمی دیکھ نہین سکتا،

اے پریزادو تمھاری آگ نے پھونکا یہ گھر	قاف سے تا قاف شہرہ اور فسانہ ہو گیا

یہی تشویش شب و روز ہو بنگالہ مین	لکھنؤ پھر بھی دکھائے گا مقدر میرا،

یون تو شاہان جہان پر ہو پڑا وقت مگر	ختم ہے اختر بیکس پہ جفاے غربت

قید ہونے سے کہین لوے ریاست جائیگی	لاکھ گردش آسمان کو ہو زمین ہوتا نہین

سخاوت کیا کرونگا داغہاے جسم عریان سے	خزانے مین وہ مہرین جیب مین جو بٹ نہین سکتین
توقع صبح ہونے کی کسے ہوتی ہو فرقت مین	وہ راتین ہجر کی ہین اے خدا جو کٹ نہین سکتین

اوس زمانہ کا رنگ ہی اور تھا لفظی رعایتین ضلع جگت کی حد تک پہنچ گئی تھین، نئی نئی تشبیہون اور پیچیدہ پیچیدہ استعارون کا ہر شخص دلدادہ ہو رہا تھا اور شاعری اپنے بلند مرتبہ سے گر کر انگیا چوٹی مین پھنس گئی تھی، یہ باتین اوس زمانہ مین عیب نہین رہی تھین، بلکہ طرۂ افتخار سمجھی جاتی تھین. خود برق کی زبان سے اس کی حقیقت سنو. ؎

راجہ اندر کا اکھاڑہ صحبت اقدس ہو برق — نام رکھا ہو پرستان بزم عشرت گاہ کا

ناسخ و آتش کے شاگرد سب اسی رنگ مین رنگے ہوئے تھے. کوئی کم، کوئی زیادہ اسکی تفصیل دیکھنا ہو تو اس کتاب کا مقدمہ پڑھو،

برق بہت پرگو شاعر تھے، ایک ضخیم دیوان عمدہ کاغذ پر نہایت خوشخط انھین کی زندگی مین شایع ہو گیا تھا، اوس مین غزلین، مخمس، مسدس، ترجیع بند، رباعیان، قطعے سبھی کچھ ہین،

ایک شہر آشوب لکھنؤ کی تباہی کا بہت درد انگیز لکھا ہو، معلوم نہین کہ پہلے دیوان کی اشاعت کے بعد دوسرا دیوان ان کا مرتب ہوا یا نہین.

انتزاع سلطنت کے بعد اپنے بادشاہ کے ساتھ یہ بھی کلکتہ چلے گئے تھے، اور جب بادشاہ فورٹ ولیم مین نظر بند کئے گئے تو انھون نے بھی حق رفاقت ادا کیا، اور وہین ۲۸ صفر روز سہ شنبہ ۱۲۷۳ھ کو فرق مبارک پر تصدق ہو گئے، اور جو کچھ کہا تھا کر دکھایا. ؎

برق جو کہتے تھے آخر وہی کر کے اٹھے — جان دی آپ کے دروازہ پہ مر کر اٹھے

منتخب اشعار

اتنا تو جذب عشق نے بارے اثر کیا — [illegible]

نکلا غبار دل سے صفائی تو ہو گئی　　اچھا ہوا جو خاک مین تم نے ملا دیا

اذان دی کعبہ مین ناقوس دیر مین پھونکا　　کہان کہان ترا عاشق تجھے پکار آیا

ہر اک نفس عشق مین ہو زندگی خضر　　جینے کے لئے مرتے ہین بیمارِ محبت

آتا نہین قرار دلِ بے قرار کو　　غم مین پھنسا ہون دام محبت سے چھوٹکر

دل مکدر ہو تو سب عیش جہان مٹی ہو،　　تو نہین پاس تو پھر لطفِ چمن خاک نہین

قیس کا نام نہ لو ذکر جنون جانے دو　　دیکھ لینا مجھے تم موسم گل آنے دو،

ہم تو اپنون سے بھی بیگانہ ہوئے الفت مین　　تم جو غیرون سے ملے تم کو نہ غیرت آئی

خدا غریب کی سنتا ہو غریب سے فریاد　　اثر عجیب دلِ دردمند رکھتا ہے،

شکوہ مین نے جو کیا جائے شکایت یہ نہین　　جس سے ہوتی ہو امید اوس سے گلہ ہوتا ہو

اٹھا کے آئینہ دکھلا دیا اوسے مین نے،　　نہ سوجھی عارضِ گلگون کی جب مثال مجھے

میر علی اوسط رشک

علی اوسط نام رشک تخلص میر سلمان کے بیٹے تھے، اور فیض آباد بزرگون کا وطن تھا لکھنؤ
مین ان کا نشو و نما ہوا، پورا نام و لقب الاجاہ میر علی اوسط رشک ہی۔
والد ان کے علوم و فنون مین کافی مہارت رکھتے تھے، والد سے اور دیگر علمار کی فیض
صحبت سے استعداد علمی حاصل کر کے شیخ امام بخش ناسخ کے شاگرد ہوئے،
شاعری مین وہ جوش و خروش نہین پایا جاتا جو خواجہ وزیر یا ان کے اور خواجہ آتش
کے حصے مین آیا تھا، مگر زبان کی تصیح اور لغات کی تحقیق مین یہ ناسخ کے تمام شاگردون مین
ممتاز حیثیت رکھتے تھے،
تاریخ گوئی مین بھی ان کو خاص ملکہ تھا، بات بات پر تاریخ کہتے تھے اور مرنے جینے
کی تاریخون کا تو انھون نے ٹھیکہ لے رکھا تھا۔ ادھر کسی کا دم نکلا انھون نے تاریخ نکال لی؛
کوئی پیدا ہوا نال کٹنے مین دیر ہو تو ہو مگر تاریخ مین دیر نہین لگتی تھی۔
سب سے زیادہ جو چیز ان کی زندگی کا نمایان کارنامہ ہی، وہ زبان کی اصلاح ہی،
ناسخ تو استاد تھے ہی، مگر واضع ان قوانین کے رشک تھے، کچھ الفاظ نمونے کے طور پر
ملاحظہ ہون، دہان بروزن جان، نحو بروزن جہان ہو، پر یہ کہ کی جگہ ہونا ضروری ہے
رکھا بالتخفیف کی جگہ رکھا بالتشدید، تلک کی جگہ تک بٹھانا، پہنانا کی جگہ بیٹھانا، پہنانا، اسباب
کی جگہ اس بارہ مین، شعلہ وعدہ دریا اور صحرا کا ہم قافیہ نہ ہو علاوہ ان کے اور بھی قاعدے
بنائے ہین، جن کی پابندی ناسخ و آتش نے بھی نہین کی، مگر انھون نے وجوبا ان کو اختیار
کیا اور مزہ یہ ہو کہ ان کی شاعری اسی مین چوپٹ ہو گئی،

معلوم ہوتا ہو کہ وہ شعرا سی ضرورت سے کہتے تھے کہ جو الفاظ یا جو ترکیبین بول چال مین لطف دیتی ہین اون سے شعر مین بھی کام لیا جائے، مثلاً آپ ہی کی جگہ آپی یا اور ہی کی جگہ اوہی یا ایک ہی کی جگہ ایکی یا ساتھ ہی کی جگہ ساتھی، یا بال بیکنا کی جگہ بال بیکا ہونا، آخر کرنا مار ڈالنے کے معنون مین اپنی طرف دیکھو، جانے دو کے معنی مین، ادھر کی باتین ادھر کرنا، لگائی بجھائی کے معنون مین، اتنے لئے کے صرف اسی کام کے واسطے، جب نہ تب، اکثر وقت بے وقت، جان ہار جان پر کھیلنے والا، خاطر نشان ہونا مطمئن ہونا، صاحبی پانا عروج پانے کے معنون مین، غرضکہ اس طرح کے سینکڑون الفاظ اور ترکیبین جو بول چال مین تھین، مگر شعر و انشا مین اون سے بچاؤ کیا جاتا تھا، انھون نے اون کو نظم کر کے زبان کو وسعت دیدی اور صرف نظم کرنے پر ہی قناعت نہین کی بلکہ ۱۲۵۶ھ مین اردو کا ایک لغت تالیف کر کے ملک پر احسان عظیم کیا، جس کا تاریخی نام نفس اللغۃ ہی، اوس کا ایک حصہ نشتر کاکوروی نے چھپوا کر دفتر نور اللغات سے شایع کر دیا ہی،

حقیقت یہ ہے کہ شاعری سے قطع نظر بھی کر و تو ان خدمتون کے لحاظ سے رشک کو بجا طور پر اس کا فخر حاصل ہے کہ اون کو اساتذہ شعرا کے دوش بدوش جگہ دیجائے.

رشک آخر عمر مین کربلائے معلی چلے گئے تھے اور وہین ۱۲۸۴ھ مین وفات پائی، ان کے تین دیوان ہین اون مین سے نظم مبارک اور نظم گرامی دو دیوان ۱۲۵۳ھ اور ۱۲۶۱ھ مین ترتیب دیکر ۱۲۶۳ھ مین خود چھپوائے تھے، تیسرا دیوان ضایع ہو گیا، جس کی نسبت کہا جاتا ہو کہ ان دونون سے اچھا تھا،

ان دیوانون مین چوٹی کے شعر کم ہین، اصلاح زبان کی دھن مین بلند خیالی اور مضمون آفرینی کی ان کو پروا نہین تھی، نمونہ ملاحظہ ہو،

یار کو ہم سے کچھ لگاؤ نہین — وہ محبت نہین وہ چاؤ نہین،
پر زون مین دستخط کرون کیا حال — ایک دو تین چار تاؤ نہین،
عید بھی وصل سے چلی خالی — کچھ گلے ملنے کا لگاؤ نہین،
گنگ کو بحرِ غم سے کیا نسبت — یہ وہ دریا ہے جسمین ناؤ نہین،
اور کیا ہے ترا لعابِ دہن — یہ اگر قند کا چواؤ نہین
اب کی جاڑے مین اور نالۂ و آہ — اِس طرح کا کوئی الاؤ نہین
چاول الماس گوشت لختِ جگر — فرقتِ یار مین پلاؤ نہین
میرے کھانے سے کیون فلک ہی کباب — پاؤ روٹی ہے نان پاؤ نہین
ہجر مین کیون طرح طرح نہ دبائے — بارِ غم پر مرا دباؤ نہین
یہ زمین غزل وہ ہے اے رشکؔ — جس مین ذرہ کہین بھراؤ نہین

یہ بہت بڑی غزل ہے، جس کے کچھ اشعار مین نے نقل کئے ہین، اتفاق سے ایک قافیہ رہ گیا ہو جس کو رشکؔ نے ہاتھ نہین لگایا، اون کے کسی حریف نے اس کی کو پورا کرکے خود اُنھین کی طرف منسوب کردیا ہی، اور نشترؔ کاکوروی نے نفس اللغہ کے مقدمہ مین ناظرین کتاب کی اوس سے ضیافت طبع کردی ہی، اوس کو بھی ملاحظہ فرمائیے،

دور سے چھیڑے دکھاؤ نہین — رشکؔ میٹھا ہے بن بلاؤ نہین

یہ تو ایک دل لگی ہوئی، مگر دیکھنا یہ ہے کہ اوس زمانے مین اہل مذاق اِن کے کلام کی نسبت کیا رائے رکھتے تھے، معلوم ہوتا ہی کہ یہ زبان کی صحت وصفائی کے سامنے مضمون کی تازگی اور بلندی کا خیال نہین رکھتے، مضمون خاک مین ملجائے، مگر زبان صحیح اور پاکیزہ ہو، باوجود اِس کے اِن کے دیوانون سے ایسے اشعار بھی انتخاب کئے جاسکتے ہین جن سے

ن کی مشاقی اور استعداد کا پتہ چلتا ہے، مثلاً،

کہان یہ لطف چیتے سے اگر پائی کمر پتلی   تمھارے ہونٹ پتلے انگلیان پتلی کمر پتلی

تجھے تشبیہ حیوانون سے کیون انس دیتے ہین   نہ وحشت چشم آہو مین نہ چیتے کی کمر پتلی

فقط تجھ مین عناصر نے عجب ترتیب پائی ہے   بدن شفاف شانے گول قد موزون کمر پتلی

زیادہ تر حصہ ان کے کلام کا لفظی رعایتون اور ضلع جگت کی پیچیدگیون مین پھنسا ہوا ہے، اور کہین کہین ایسے مبتذل مضامین باندھتے ہین جو پڑھنے کے قابل نہین۔ بد مذاقی کا اس سے زیادہ ثبوت کیا ہو سکتا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ باوجود تلاش کے بھی ایسے اشعار ان کے ہان نہین ملتے جن سے دل کو سرور اور آنکھون کو نور حاصل ہو۔ دو چار شعر جو ملے ہین انھین پر قناعت کرتا ہون۔

اس فہم پہ حقیقت صانع کی فکر ہے،   واقف نہین ہم اپنی حقیقت سے آج تک

ہم آپ مین آئینگے تو وہ آپ سے آئیگی   دل ہی مین سراغ در دلدار ملے گا۔

(آپ بیتی)

محفل مین شمع، چاند فلک پر، چمن مین پھول   تصویر روئے انور جانان کہان نہین

جو مشکل ہے مرنا تو مرنا کسی پر   یہ مرنا تو اے رشک مشکل نہین ہے،

مرزا اصغر علیخان نسیم،

مولد منشاش شاہجہان آباد دہلی است در آخر عمر لکھنؤ را از قدوم خود رونق بخشیدہ مدت

بر مسند افادہ نشست و طالبان فن را از پایۂ تعلیم و تلمذ بر تبۂ کمال ما بند و اعدہ مہر ما تاب

اصغر علی خان نام، نسیم تخلص، نواب آقا علیخان قاچار کے بیٹے تھے۔ دلی میں پیدا ہوئے اور وہین نشو و نما پایا، حکیم محمد مومن خان سے مشق سخن کی۔ زمانہ موافق تھا اپنے مکان پر مجلس مشاعرہ ترتیب دیتے تھے اوس میں مومن خان و دیگر مشاہیر دلی شریک ہو کر داد سخن دیتے پہلے اصغر تخلص کرتے تھے بعد میں نسیم اختیار کیا، جب تک دلی میں رہے بہت فراغت اور خوشحالی سے زندگی بسر کرتے رہے باپ کے مرنے کے بعد بھائیوں سے نہین بنی اور کچھ ایسی تنگی پیش آئی کہ دلی کو چھوڑنا پڑا۔ غدر کے کچھ دنوں پہلے لکھنؤ آ رہے۔ واجد علی شاہ کا زمانہ تھا اون کی تعریف کے قصیدے دیوان میں موجود ہین، مگر یہ معلوم نہین کہ دربار تک رسائی ہوئی یا نہین اور ہوئی تو اون سے کیا سلوک ہوا،

اتنا معلوم ہے کہ نواب سالار جنگ کے خاندان کے بعض امرا ان کے شاگرد ہو گئے تھے، اور وہ ان کے ساتھ سلوک کرتے تھے،

غدر کے بعد منشی نولکشور مالک مطبع نے جن کا چھاپہ خانہ اس وقت تک تمام ہندوستان میں بے نظیر سمجھا جاتا ہے، ان کی طرف قدر دانی کا ہاتھ بڑھایا۔ اور الف لیلہ کو نظم کرنے کی خدمت سپرد کی ایک جلد اوسکی تمام کر پائے تھے کہ خود اون کا قصہ تمام ہو گیا اور ۴ رمضان ۱۲۸۲ھ کو وفات پائی،

مزاج میں آزادی اور وارستگی بید تھی، جو کچھ لکھتے تھے اوس کی نقل اپنے پاس نہین

رکھتے تھے، مرنے کے بعد اون کے شاگردون نے بڑی محنت اور کاوش سے اون کا کلام فراہم کر کے دیوان مرتب کیا،

نسیمؔ نے تمام اصنافِ سخن مین قدرت کامل پائی تھی خصوصاً مثنوی مین اون کو یدِ بیضا حاصل تھا، اون کے کلام مین خیال کی دلفریبی اور بیان کی رنگینی کے ساتھ زبان کی صفائی اور پاکیزگی اس قدر نمایان اور واضح ہو کہ اوس کے ساتھ کسی دوسرے کا کلام لگا نہین کھاتا،

میری نظر مین وہ اپنے معاصرین اہل دہلی مین ایک ہی شخص ہین جس نے اپنی طرز بیان کو محفوظ رکھتے ہوئے اہل لکھنؤ کی متروکات کو قبول کرنے مین پیشقدمی کی اور زبان کا ایسا اعلیٰ نمونہ پیش کیا کہ شعراے لکھنؤ نے بھی اوسکی داد دی اور یہان رہکر اپنے شاگردون اور عقیدت مندون کا ایک معقول گروہ پیدا کر لیا،

الف لیلہ منظوم کے ساقی نامے اگر ایک جگہ جمع کر دیئے جائین تو میرا خیال ہے، ظہوری کا ساقی نامہ اس کے سامنے بے حقیقت ہو جائے گا۔ نمونہ کے طور پر چند اشعار پیش کرتا ہون، ملاحظہ فرمایئے اور داد دیجئے۔

سنبھل ساقی کہ وقت ابر آیا
رہون بے ہوش پھر وہ دور آیا

مزا رکھتا نہین بے کیف جینا،
تمنا ہے کہ برسے ابر مینا

ہر اک قطرہ لہو بن بن کے ٹپکے
مرے دامن سے مے چھن چھن کے ٹپکے

طبیعت صورتِ مے جوش مین ہو
تمنا عزم نوشا نوش مین ہے،

نظر آئے کنارِ جامِ گلگون
لبِ شاعر سے ٹپکے لطف مضمون،

وفورِ شوق وقتِ گفتگو ہو،
سخن افسانہ ریز آرزو ہو،

گلے مل مل کے لفظون سے معانی — دکھائین گفتگو کی نوجوانی،
طبیعت محو ہو عرضِ سخن مین، — فسانہ یون بیان ہو انجمن مین
غزلون کے منتخب اشعار ملاحظہ ہون.

حیا اٹھنے نہین دیتی ارادہ نوجوانی کا — اشارہ ہو کے رہجاتا ہو ہمپر مہربانی کا

گلے مین بخت کے اون کا بھی کچھ قصہ نکل آیا — ہوئی تھی صلح کس مشکل سے پھر جھگڑا نکل آیا

جب دیکھئے قرار نہین ایک حال پر — میرا سا اب تو حال ہوا روزگار کا

کبھی آغوش مین رہتا کبھی رخسارون پر — کاش اے آفتِ جان مین ترا آنسو ہوتا

منہ میرا نہ کھلواؤ کہ ہوجائین گے لب بند — دیکھو یہی اچھا ہو کہ مین کچھ نہین کہتا

افشائے محبت کا جو تھا خوف تو ہر اشک — آنکھون مین نہان تھا کوئی دامن مین چھپا تھا

اب دودِ جگر ہو کے نکلتا ہے دہن سے — وہ جوش جو برسون مرے سینہ مین نہان تھا

بہت مشکل ہو رہنا پاکدامن لوٹ دنیا سے — الجھ کر رہگیا جو وادیِ پرخار مین آیا،

اشک دیدہ مین ہین کیا خانہ ویرانی کی فکر گر پڑے جس جا وہی اپنا وطن ہو جائیگا

کیے دیتی تھین یہ نیچی نگاہین، کہ بالاے زمین کیا کیا نہ ہوگا۔

نام میرا سنتے ہی شرما گئے تم نے تو خود آپ کو رسوا کیا

آنکھون مین ہے لحاظ تبسم فزا ہین لب شکرِ خدا کہ آج تو کچھ راہ پر ہین آپ

ہاتھ مین خنجر کمر مین تیغ تیز، یہ ارادے ایک مشتِ خاک پر۔

ہوتی نہین ہے کم مری دیوانہ دوستی جاتا نہین ہے سر سے خیالِ وطن ہنوز

برق نے اک طرز بیتابی مرا سیکھا تو کیا سیکڑون باتین ہین ایسی طرزِ ناشاد مین

ہم اسیرانِ قفس کیا جانین لطفِ بوستان مدتون سے مبتلاے زحمتِ صیاد ہین

شوقِ شراب و خواہشِ جام و سبو نہین ہے سب حرام جب کہ پہلو مین تو نہین

میرا ہی دوست خود سببِ دشمنی ہوا آئین خرابیان دلِ خانہ خراب سے

میر مظفر علی خان اسیر

شاعرے بلند فکر عالی پایہ و دبیرے نیکو تحریر گران مایہ صاحب التصانیف وکثیر التلامذہ معاصر فقیر راقم ہست، ۱۲۸۸ھ جہانتاب۔

مظفر علی اسیر میر مدد علی کے بیٹے تھے، امیٹھی ضلع لکھنؤ مین پیدا ہوئے، فارسی کی کتابین اپنے والد سے، عربی صرف و نحو اپنے چچا سید علی اور علمائے فرنگی محل سے پڑھین، اور شیخ غلام ہمدانی مصحفی سے مشق سخن کی مگر یہ اون کے ایسے زمانے کے شاگرد ہین کہ اوستاد کے رنگ سے ان کو کچھ حصہ نہین ملا۔

نصیر الدین حیدر شاہ اودھ کے زمانے مین ملازم ہوئے آٹھ برس تک محکمۂ صدر امانت مین امین رہے، امجد علی شاہ کے زمانے مین نواب امین الدولہ کا ستارۂ اقبال چمکا تو اون کی عنایت سے یہ میر منشی ہو گئے جب زمانے نے ورق الٹا تو امین الدولہ سے دوستی کی پاداش مین چند دنون اسیر رہے۔

چند دنون کے بعد پھر تقدیر چمکی، واجد علی شاہ نے قید و بند سے آزاد کر کے تنخواہ مقرر کر دی اور "تدبیر الدولہ مدبر الملک بہادر جنگ" کا خطاب عنایت کیا۔

انتزاع سلطنت کے بعد رامپور یاد آیا، جس زمانے مین نواب محمد سعید خان لکھنؤ مین رہتے تھے، اپنے صاحبزادون کی تعلیم ان کے متعلق کر دی تھی، اسی سلسلہ سے رامپور پہنچے، اوس وقت ان کے شاگرد نواب یوسف علیخان بر سر حکومت تھے، انھون نے سرپرستی فرمائی، اور اپنا کلام ان کو دکھلانے لگے۔

یوسف علیخان کے مرنے کے بعد اون کے لائق جانشین نواب کلب علیخان مرحوم کی

قدر دانی سے تھوڑے دنوں فراغت سے زندگی بسر کر کے ۱۲۹۹ھ میں وفات پائی۔

سیر بہت پر گو اور کہنہ مشق شاعر تھے، اور تمام اصناف سخن پر قدرت رکھتے تھے۔ مگر اپنے ہمعصروں کی طرح لفظی رعایتوں کے اسیر تھے، شاگردوں میں منشی امیر احمد امیر، مولوی الٰہی بخش ناز، منشی احمد علی شوق، اور ریاض احمد ریاض ایسے اچھے شاعر ہوئے جو درحقیقت استاد کی ناموری کے زیادہ تر باعث ہوئے۔ تصنیفات میں ایک دیوان فارسی کا ہے، ایک دیوان اردو کا، اور کئی مثنویاں ہیں، ایک کتاب عروض میں زر کامل عیار شرح معیار الاشعار ہے، کئی اور رسائے عروض وقافیہ و صرف نحو میں ہیں،

دشمن جو سمجھتے ہو تو کیوں مجھ سے ہو غافل دشمن سے جہاں میں کوئی غافل نہیں رہتا

آنکھ اوس کی پھری مجھ سے یہ باور نہیں آتا کیا ضعف سے بیمار کو چکر نہیں آتا

ثابت اپنا نہ ہوا خون کسی پر دم حشر ناز نے غمزہ پہ غمزہ نے ادا پر رکھا

مسجد سے نکل کر میں رہِ بت کدہ بھولا تقدیر نے میری مجھے رکھا نہ کہیں کا۔

نفع پہنچا نہ کسی کو چمنِ گردوں سے گلِ خورشید کبھی زیبِ گریباں نہ ہوا
اوس کے دامن سے مرے خون کا دھبہ چھوٹا تجھ سے اتنا بھی تو اے دیدۂ گریاں نہ ہوا

ضعفِ پیری بڑھ گیا اور جوانی گھٹ گیا اب عصا بنوا لیے نخلِ تمنا کاٹ کر

اٹھنا انھیں منظور ہے پہلو سے ہمارے حیلہ ہے کہ دیکھی نہیں جاتی تپشِ دل

یاد ایام کہ رہتے تھے کھنچے یار سے ہم، اب یہ عالم ہے کہ بھٹکنے لگے اغیار سے ہم

احباب کی نظر میں سبک ہوں تو ہوں اسیر کرتا ہوں فکر دل پہ کسی کے گران نہیں

مین اور زیست ہجر میں قدرت خدا کی ہے انسان کے اختیار میں اپنی اجل نہیں

دھوم محشر میں ہوئی جب تری آمرزش کی بیگنہ مل گئے چھپ چھپ کے گنہگاروں میں

باقی ابھی ہے ترکِ تمنا کی آرزو کیونکر کہوں کہ کوئی تمنا نہیں مجھے

وہ نہ آیا تھا اگر موت ہی آتی شبِ ہجر اے فلک کوئی امید بر آئی ہوتی

خدا جانے یہ کس کی جلوہ گاہِ ناز ہے دنیا بہت آگے گئے رونق وہی باقی ہے محفل کی

شیخ امداد علی بحر

امداد علی نام بحر تخلص، امام بخش کے بیٹے، اور اپنے باپ کے ہمنام شیخ امام بخش ناسخ

کے شاگرد ہوئے تھے، لکھنؤ وطن تھا. گندم گون. دبلے پتلے، میانہ قد، صحتِ الفاظ، تحقیقِ لغت اور فن عروض مین مشہور زمانہ تھے. ناسخ کے بعد ناسخ کے شاگردون مین ممتاز درجہ رکھتے تھے،

چھوٹی شہزادی کی سرکار سے کچھ وظیفہ ملتا تھا. انھین کی ڈیوڑھی پر پھاٹک کی بغل مین ایک کمرہ تھا وہین افیون گھلا کرتی تھی، اور ایک بوسیدہ چٹائی پر بیٹھے رہتے. لوگ دور دور سے تحقیقِ الفاظ کو آتے اور اسی بوسیدہ بوریئے پر بیٹھنا فخر سمجھتے تھے،

دن بھر ڈیوڑھی مین بیٹھ کر شام کو گھر آتے، توپ دروازہ ایک کچا سا مکان تھا بیوی تھین اور آپ تھے. لوگ کہتے ہین کہ ایک لڑکی اور ایک لڑکا بھی تھا. بیٹھ برس اسی عسرت اور تنگ حالی مین بسر کئے، نواب کلب علی خان مرحوم کو خبر ہوئی کہ لکھنؤ مین ایک زبان دان موجود ہے، بلوا بھیجا اور عزت افزائی فرما کر تنخواہ مقرر کردی، عرصہ تک رام پور مین رہے، آخر وقت مین وطن یاد آیا. نواب کے یہان مشاعرہ تھا. یہ بھی غزل لیکر پہونچے، مقطع مین لکھنؤ کی جدائی کا اظہار دردناک انداز سے کیا تھا. نواب کو رحم آیا، کچھ دے دلا کر رخصت کردیا، یہ پھر اسی مسندِ جسم پر آ بیٹھے جس کے بارے مین خود فرماتے ہین.

خدا آباد رکھے لکھنؤ کے خوش مزاجون کو، ہر اک گھر خانۂ شادی ہے ہر کوچہ ہے عشرت کا

مزاج کی وارفتگی نے دیوان کی ترتیب کا موقع نہین دیا. ان کے دوستون کو جو کچھ غزلین ہاتھ لگین، ردیف وار جمع کین اور جو ردیف خالی تھی اوس مین غزلین لکھوا کر شامل کین، یہ دیوان چھپ گیا ہے.

لوگ کہتے ہین کہ اردو کا ایک لغت لکھنا شروع کیا تھا، اون کے مزاج کو دیکھتے ہوئے اس کی کیا توقع ہے کہ اوس کو پورا کیا ہو. تخمیناً پچھتر برس کی عمر مین ۱۳۰۰ھ مین

وفات پائی،

نہ تو وہ پھول نہ کلیان نہ وہ سبزی نہ بہار ‎ ‎ ‎ ‎ رت کے پھرتے ہی چمن زار کا تختہ الٹا،

میرا دل کس نے لیا نام بتاؤن کس کا ‎ ‎ ‎ ‎ مین ہون یا آپ ہین گھر مین کوئی آیا نہ گیا

کیا کیا نہ مجھ سے سنگدلی دلبرون نے کی ‎ ‎ ‎ ‎ پتھر پڑین سمجھ پہ نہ سمجھا کسی طرح

وصل جانان نہ ہوا وقت وصال آ پہنچا ‎ ‎ ‎ ‎ وائے حسرت کہ رہی دل کی تمنا دل مین

ظالم ہماری آج کی یہ بات یاد رکھ ‎ ‎ ‎ ‎ اتنا بھی دل جلون کا ستانا بھلا نہین،

مدت سے التفات مرے حال پر نہین ‎ ‎ ‎ ‎ کچھ تو کجی ہے دل مین کہ سیدھی نظر نہین

افسوس عمر کٹ گئی رنج و ملال مین ‎ ‎ ‎ ‎ دیکھا نہ خواب مین بھی جو کچھ تھا خیال مین

ہوا بدل گئی پیری مین نوجوانی کی ‎ ‎ ‎ ‎ بہار دیکھ چکے باغ زندگانی کی

آسایش بیجا سے مسرت نہین ہوتی ‎ ‎ ‎ ‎ سو جائین اگر پانون تو راحت نہین ہوتی

بسمل ہجر سے پوچھے کوئی مرنے کی خوشی
جان آتی ہے بدن میں کہ قضا آتی ہے

داغ کو کیوں نہ کلیجے سے لگائے رکھوں
مجکو اس پھول سے خوشبوئے وفا آتی ہے

کٹی برسات پھر اس سال بھی فریادو شیون میں
خبر ہم کو نہیں بادل کدھر آئے کدھر برسے



دور دوم

منشی امیر احمد امیرؔ

منشی امیر احمد امیرؔ مولوی کرم احمد مینائی کے بیٹے اور لکھنؤ کے رہنے والے تھے، نسب کا سلسلہ مخدوم شاہ مینا کے خاندان سے ملتا ہے، ۱۶ ارشعبان سنہ ۱۲۴۴ھ کو لکھنؤ مین پیدا ہوئے، درسی کتابین مفتی سعد اللہ مرحوم اور اون کے ہمعصر علما سے پڑھکر شعر و سخن کا شوق پیدا ہوا، منشی مظفر علی اسیر کے شاگرد ہوگئے، اور کچھ دنون کی محنت و جانکاہی مین ایسی مشق بہم پہنچائی کہ استاد سے بھی آگے بڑھگئے،

سنہ ۱۲۶۹ھ مین خوش قسمتی سے دربار شاہی تک رسائی ہوگئی، ارشاد السلطان و ہدایۃ السلطان دو کتابین لکھکر پیش کین اور خلعت فاخرہ سے سرفراز ہوئے،

غدر کے بعد سنہ ۱۲۷۵ھ مین رامپور گئے، نواب یوسف علیخان نے قدردانی فرمائی، سنہ ۱۲۸۱ھ مین نواب کلب علی خان[۱] مسند نشین ہوئے، اور خوش نصیبی سے امیرؔ کو نواب کی

---

[۱] نواب کلب علیخان والی رامپور علم دوست ہنرپرور اور قدردان رئیس تھے سنہ ۱۲۸۱ھ مین اپنے والد نواب یوسف علیخان کی جگہ مسند نشین ہوئے اور اپنی دانشمندی سے رامپور جیسی چھوٹی سی ریاست مین ایسے ایسے باکمال لوگون کو جمع کرلیا جن کی نظیر نہین،

علما کے گروہ مین علامہ عبد الحق خیرآبادی، علامہ عبد العلی ہندسی، مولانا ارشاد حسین، سید حسن شاہ محدث، مفتی سعد اللہ اور ایسے ایسے نامور فاضل جنسے کسب و کمال کرنے کو عرب و عجم سے (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

استادی کا شرف حاصل ہوا،

یہ زمانہ منشی امیر احمد کے عروج واقبال کا زمانہ تھا، یہ جوہر قابل اور نواب جیسا قدر شناس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۹) شائقین علوم آیا کرتے تھے، اطبا مین حکیم محمد ابراہیم، حکیم علی حسین، حکیم عبدالعلی اور حکیم حسین رضا جو اپنے زمانہ کے چیدہ اور برگزیدہ لوگ تھے، شعرا مین میر مظفر علی اسیر، شیخ امداد علی بحر، میر اسمٰعیل حسین منیر، قلق، احمد حسن عروج، مرزا رحیم الدین حیا، منشی امیر احمد امیر، نواب مرزا خان داغ، شیخ امیر اللہ تسلیم، حکیم ضامن علی جلال، جان صاحب یحیٰی گو، آغا حجو، اور خدا جانے کتنے شاعر جو اپنے زمانہ مین مشہور و مستند مانے جاتے تھے، یہ سب رام پور کے وظیفہ خوار تھے،

غدر کے بعد دلی اور لکھنؤ مین جو جس فن کا باکمال تھا اوس کو رام پور کے سوا کہین ٹھکانا نہ تھا، سرکاری باورچی خانہ مین ایسے ایسے رکابدار جمع کئے تھے جن کا مثل ہندوستان مین نہ تھا، داستان گو ایسے ایسے قابل کہ جس وقت داستان گوئی پر آتے تو بات بات مین انعام و خلعت سے سرفراز ہوتے، چوبدار اور مردہے ایسے ادب و آداب اور سلیقے کے کہ دوسری جگہ کے فہیدہ اور سنجیدہ لوگ اون کے سامنے بات نہ کر سکتے تھے

لطیفہ، مولوی بشارت اللہ فرزند مفتی سعد اللہ مرحوم مجھ سے کہتے تھے کہ ایکبار نواب سر شام سوار ہوئے، جامع مسجد کے قریب سواری پہنچتے پہنچتے نماز کا وقت آگیا، ہوادار سے اتر کر مسجد مین نماز پڑھی اور آکر پھر سوار ہوئے، چوبدار نے دیکھا کہ پیشانی پر ایک تنکا لگا ہوا ہے جب سوار ہو لئے تو اوس نے آگے بڑھ کر یہ آیت پڑھی "سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود" نواب نے ہنس کر رومال سے پیشانی صاف کر لی، اس سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ نواب نے اپنے گرد و پیش کیسے کیسے لوگون کو جمع کر لیا تھا،

مگر یہ بھی سنو! کہ اس چھوٹی سی ریاست مین اتنے لوگون کی گنجایش کیسے نکالی تھی، یہ جتنے لوگ تھے اون کی تنخواہین بڑی بڑی نہین تھین، مولانا ارشاد حسین، مولوی عبدالحق اور منشی امیر احمد کے سوا کسی کی تنخواہ سو روپیہ سے زیادہ نہین تھی، علاوہ اس کے جو جس کام کا اہل تھا، اوس سے وہ کام بھی لیا جاتا تھا، (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

جوہری ۔ ع

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری ،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۰) مگر نواب کا رکھ رکھاؤ اس غضب کا تھا کہ جو ایک دفعہ اون کے دربار تک پہنچ گیا، وہ پھر وہاں سے نکلنے کا نام نہ لیتا تھا، بات یہ تھی کہ عید بقرعید، سالگرہ اور عام طور پر خوشی کے موقعون پر لوگون کو خلعت و انعام ملتے تھے، اور جن سے زیادہ خصوصیت تھی اون کی خبرگیری خود نواب کرتے تھے، اون کو معلوم ہوتا کہ مولوی عبدالحق قرضدار ہو گئے ہین، بلا کر حال پوچھتے اور جتنا قرض ہوتا اوس سے کچھ زیادہ ہی عنایت فرماتے، یہ لوگ بھی داد و دہش کے خوگر ہو گئے تھے، بے ضرورت بھی قرض دار بنجاتے تھے

حیدرآباد مین نواب مرزا خان کی دو ہزار روپیہ ماہوار تک تنخواہ ہوئی، اور نواب فصیح الملک خطاب پایا، مگر رامپور کو مرتے دم تک نہین بھولے، حکیم عبدالعلی مرحوم میرے استاد تھے، رامپور سے آنے کے بعد واجد علیشاہ نے انھین یاد فرمایا، اون کے مرتے وقت تک کلکتہ مین رہے، اوس کے بعد بھوپال بلائے گئے، نواب شاہجہان بیگم جیسی فیاض اور سیر چشم فرمان روا کا زمانہ دونون جگہ تنخواہ المضاعف مگر مین نے اون کو دیکھا ہو کہ جس وقت نواب کلب علیخان کا نام آجاتا آنکھون سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے اور پہرون انھین کا ذکر کرتے،

نواب کی خاص صحبتون مین مولانا عبدالحق، مولانا عبدالعلی، مفتی سعد اللہ، منشی امیر احمد اور دیگر علما و شعرا حاضر رہتے، مناظرہ کا شوق تھا، علما مین کوئی مسئلہ چھیڑ دیتے اور مزے لیتے، شعر و سخن، الفاظ کی تحقیق اور محاورون کی صفائی و صحت پر شعرا کی گفتگو سنتے اور خود قول فیصل بیان کرتے،

دینداری کی حیثیت سے دیکھو تو اوس مین شان بے مثالی تھی، نماز روزہ کے پابند، ذکر و شغل کے عادی، زکوٰۃ باقاعدہ ادا کرتے، حج کا سفر جس دھوم دھام سے کیا ہی جس کو زمانہ جانتا ہی، دلی سے حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کو تشریف لانے کی تکلیف دی، وہ خود تشریف نہین لائے، مگر اپنے فرزند ارجمند مظہر شریعت و طریقت حضرت شاہ عبدالرشید علیہ الرحمۃ کو بھیجدیا، اون کے دست حق پرست پر بیعت کی، اور اون کی تشریف بری کے بعد (بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ پر)

نواب کی زندگی بھر رامپور ہی میں رہے اور مزہ میں رہے، نواب کی قدردانی امیر، منیر، داغ، تسلیم، جلال، اوج، عروج، اور بحر کی صحبت، شعر و سخن کے چرچے ایسی باتیں تھیں جو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۱) مرتے دم تک مولانا ارشاد حسین خلیفہ حضرت ممدوح سے اذکار و اشغال کی ورزش کرتے رہے،

حکیم عبدالعلی مرحوم فرماتے تھے کہ مرض الموت مین ایک دن مجھ سے فرمایا کہ تم پر میرے جس قدر حقوق ہین وہ تم جانتے ہو اور مین بھی اس بات کو سمجھتا ہون کہ تم جس قدر محبت و محنت سے میرا علاج کر رہے ہو، مگر جب وقت آجاتا ہی کوئی تدبیر کارگر نہین ہوتی، اس لئے تم سے صرف ایک کام متعلق کرتا ہون، اور وہ یہ ہے کہ جس وقت تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ مین اب جان بر نہ ہوسکون گا، مجھے فوراً مطلع کر دو، وہ فرماتے تھے کہ مین اس بات کو سنکر سناٹے مین آگیا، اور سوچنے لگا کہ مین اس فرض کو کیونکر ادا کرسکتا ہون نواب مجکو فکرمند دیکھ کر سمجھ گئے اور مجھ سے دوبارہ تاکید کی جب وقت آیا، تو مین نے بدبار قصد کیا، مگر زبان ملتی نہ تھی، خدا جانے کیون کر ان سے کہا یا وہ خود سمجھ گئے حکم ہوا کہ مولانا ارشاد حسین کو بلاؤ وہ تشریف لائے تو لوگون کو باہر جانے کا اشارہ کیا اور ان سے فرمایا کہ یہ وقت آپ کی ہمت اور توجہ کا ہی یہ کہہ کر دونون مراقب ہوگئے اور اسی حالت مین روح نے جسد عنصری سے مفارقت کی، سبحان اللہ دنیا خود وعقبیٰ بردکے یہی معنی ہین ۱۳۰۴ھ کا یہ واقعہ ہے، چار دیوان ریختہ کے ان سے یادگار ہین، کلام کا رنگ ملاحظہ ہو

مرے ہی سامنے اغیار کی ہنس ہنس کے باتین ہون   مجھی سے ہو پھر الٹا شکوہ میری بدگمانی کا،

بجا ہوا تھا جو کچھ چال سے ترا فتنہ   بدل کے رنگ وہی گردش زمانہ ہوا

گالیان روز تھین پرہم نے سنا ہو نواب   اور کچھ شب کو ہوا آپ کا اعزاز نیا

رام پور سے ہٹنے نہین دیتی تھین،

نواب کے انتقال کے بعد زمین پاؤن کے نیچے سے نکل گئی، وہ قدردانی، وہ صحبتین، وہ اطمینان و فراغت سب باتین خواب پریشان ہوکر آنکھون سے اوجھل ہوگئین، چنانچہ خود فرماتے ہین، ؎

امیر اب ہم کہان اور اب کہان داغ　　یہ جلسے ہو چکے خلد آشیان تک

سب سے پہلے نواب مرزا داغ حیدرآباد کو سدھارے، ایک مدت تک امیدواری کی، مگر جب دربار شاہی تک رسائی ہوگئی تو روز ورود سے اوس وقت تک کی تنخواہ مل گئی،

منشی امیر احمد کو بھی قسمت آزمائی کا شوق ہوا، یہ بھی گئے، مگر وہان کی خاک دامنگیر تھی چند ہی روز کے بعد ۱۵ جمادی الاولی ۱۳۱۸ھ کو سفر آخرت گوارا کیا،

سچ یہ ہے کہ امیر و داغ اس دور آخر مین فلک شاعری کے آفتاب و ماہتاب تھے،

(بقیۂ اشعار حاشیہ ۴۰۲)

دیا ہے بوسہ اسے پھیر لو تو ہم جانین،　　یہ دل نہین ہے کہ لیجاؤ مسکرا کر تم،

عجب حسرت سے دیکھا ہو سوے جانان دم آخر　　رہے گی یاد اوس کو بھی نگاہ واپسین برسون

کہتی ہو جس کو فتنۂ محشر تمام خلق　　ڈرتا ہون وہ بھی کوئی تمھاری ادا نہ ہو

ادا سے ناز سے غمزے سے مسکرانے سے،　　وہ دل کو لیتے ہین لجائے جس بہانے سے

ایک مضمون آفرینی کا دلدادہ تھا، تو دوسرا بیان کی شوخی اور معاملہ نگاری پر فریفتہ، امیر کے ہان نازک خیالی کے ساتھ شکوہِ الفاظ کی بھی چاشنی ملی ہوئی تھی اور مزہ یہ ہے، اوس مین وقت پسندی کو وہ جائز نہین رکھتے تھے،

اہلِ سخن کا اتفاق ہو کہ امیر اس فن مین استاد مسلم الثبوت تھے، وہ ایسی طبیعت لے کر آئے تھے، جو شعر و انشا کے لئے موزون تھی، اونھون نے تمام اصناف سخن مین طبع آزمائی کی ہو، اس پر کلام کا زور مضمون کی نزاکت سے ہر جگہ دست و گریبان ہے، بندش کی چستی اور ترکیب کی درستی سے لفظون کو خوبصورتی سے پہلو بہ پہلو جڑتے جاتے ہین، خیالات نازک اور مضامین بلند اس طور پر باندھتے ہین کہ اس باریک نقاشی پر فصاحت آئینہ کا کام دیتی ہو،

ان مین ایک خصوصیت یہ بھی ہو جو داغ مین نہین ہے کہ جیسے جیسے یہ بوڑھے ہوتے گئے کلام مین جوانی کی امنگین بڑھتی گئین، پہلا دیوان ان کا مرآۃ الغیب ہے، بہت ضخیم اوس مین سب کچھ ہے، دیوان قصائد ریختہ جس مین لاجواب غزلین، رباعیان، قطعات تاریخین مخمس وغیرہ ہین،

دوسرا دیوان صنمخانۂ عشق ہے جو ضخامت مین مرآۃ الغیب سے کم نہین صحتِ زبان، صفائیِ محاورہ اور پختگیِ کلام مین اوس سے بہتر ہے۔

تیسرا دیوان محامد خاتم النبیین نعت مین ہو، جو اس لحاظ سے اچھا ہو کہ نعت کا وہ مذموم طریقہ جسمین شاعرانہ مبالغہ کے ساتھ دیگر انبیاے کرام کے جناب مین گستاخی کا جو پہلو نکلتا ہو، اوس کو چھوڑ کر نئی راہ نکالی ہے، مگر افسوس ہو کہ باوجود صحتِ زبان و پختگیِ کلام کے تاثیر یا سوز و گداز کا کہین پتہ نہین، اصل یہ ہو کہ انداز بیان کا جو سانچہ ناسخ و آتش کے زمانے مین تیار ہوا تھا، اوس مین ڈھل کر شعر بامزہ ہو ہی نہین سکتا، اس سانچہ کو توڑ کر

دوسرا سانچہ تیار کرو تو اوس کی دوسری بات ہی،

اردو نثر مین خیابان آفرینش ایک رسالہ جس کی صاف وسادہ عبارت مین جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مولود مسعود کا ذکر صحت اور صفائی کے ساتھ کیا ہے، یہ رسالہ اس قابل ہے کہ عورتون اور بچون کے نصاب درس مین داخل کیا جائے،

ایک تذکرہ شعرائے رامپور کا انتخاب یادگار کے نام سے بفرمایش نواب کلب علی خان مرحوم لکھا تھا، اوس کی نسبت امیر نے ایک دوست کو خط مین لکھا ہی کہ اس مین مجکو حالات تاریخی اور انتخاب اشعار مین ایسی مداخلت ہی جیسی قلم کو دست کاتب مین،،

ان تصنیفات کے سوا جوہر انتخاب، گوہر انتخاب، مضامین دل آشوب، واسوختون اور قصیدون کا مجموعہ، مثنویون مین نور تجلی، ابر کرم، ایک مسدس نعتیہ جس کا نام ذکر شاہ انبیا ہے چھپ چکے ہین،

سب سے بڑی اور مفید تصنیف امیر مینائی کی امیر اللغات ہی، جو افسوس ہو کہ پوری نہ ہوئی صرف دو جلدین اوس کی الف ممدودہ والف مقصورہ کی شائع ہوئی ہین، یہ کتاب پوری ہو گئی ہوتی تو اردو زبان کے سرمایہ مین بیش بہا اضافہ ہو جاتا،

نمونہ قصائد

شب دوشنبہ جو لی خواب مین مینے کروٹ
آئی اک حور لقا پاس الٹ کر گھونگھٹ

شعلہ رخسار جفا کار قیامت آفت
شوخ عیار غضب قہر بھلا وانٹ کھٹ

وہ نگاہین غضب آلودہ وہ مژگان کی صفین
لشکر صبر جنھین دیکھ کے کھائے گھونگھٹ

پختہ کار اوس کو جو دیکھین طمع خام کرین
ثمر پیش رس حسن مین وہ گدراہٹ

طرفہ چہرہ کی لطافت وہ سنہری رنگت
دست افشار طلا سے بھی سوا نرماہٹ

آپ ہی چھیڑ کرے آپ ہی پھر حد سے بڑھے
توسنِ ناز کو پونی سے وہ پھینکے سرپٹ

مستیِ حسن سے گردون پہ کبھی ڈالدے ہاتھ
بے چھوئے گاہ بجالو کی طرح جائے سمٹ

پتلیان آنکھونکی پردہ اشارون سے کہین
ناچنے ہی کو جو نکلے تو کہان کا گھونگھٹ

فتنہ حشر کو دیکھے تو کہے زلف سے آنکھ
لا جھپیٹے مین اسے دیر نہ کر دوڑ جھپٹ

طاق کاکل وہ پھینکتی ہین کہ سرکی کوئی چوٹ
روک لے مڑکے تو وہ جھک کے لگائے پالٹ

دیکھکر ابروپیوستہ یہ ہوتا تھا گمان
پہلوان دو ہین کہ کشتی مین ہوئے ہین غٹ پٹ

جلوہ گر مردم چشم وصف مژگان یہ صاف
حور بیٹھی ہو در خلد پہ کھولے ہوئے پٹ

بڑھکے گلبرگ سے بھی وہ کف رنگین نازک
غنچے لین انگلیون کی کیون نہ بلائین چٹ چٹ

سینۂ آئینہ شفاف شکم چشمۂ حسن
موج دریائے لطافت شکم صاف کی بٹ

غرض اس شکل کی معشوقہ کیا جسکا بیان
نظر آئی تو عجب جی کو ہوئی پہ للچاہٹ

شوق دل نے یہ کہا مست ہو یہ سرو سہی
عشق پیچے کی طرح جائیے مستی مین لپٹ

ہاتھ دامن پہ پڑا تھا کہ وہ پیچھے سرکی
سر قدم تک بھی نہ پہنچا کہ گئی دور وہ ہٹ

چوٹ سی دل پہ لگی ہاتھ گیا جب خالی
تازیانہ سے نہین کم وہ پڑی تیغ جو پٹ

ہنس کے ظاہر مین کہا واہ ری ٹھنڈی گرمی
آپ ہی لطف وکرم آپ ہی یہ جھنجھلاہٹ

چپ ہی پہلے کہا تو یہ کہا دیر کے بعد
تھی ملاقات کہا نکی یہ تیزی جھٹ پٹ

ہوش مین آؤ ذرا خیر ہی کیسا ہو مزاج
خفقان سے تو طبیعت مین نہین گھبراہٹ

مین وہ ہون جسکی ہوس مین ہین ہزارون نامی
سیکڑون مرگئے تھی جنکو مرے نام کی رٹ

ذوق وصلت مین ہوئے گور کنارے کتنے
شوق دیدار مین کتنون کی گئی آنکھ الٹ

پاؤن کتنون کے گھسے مثل سبو پھوڑے
بادۂ وصل کی پائی نہ کسی نے تلچھٹ

ناطقہ خانۂ دولت ہے مرا نام صفت / مین نگین ہون تو مکان جاے زر و سیم سے پٹ
ملہم غیب نے بھیجا تو مین آئی ترے پاس / ہو گران تجکو جو آنا بھی جاؤن مین پلٹ
وصف تو کرتا ہی جس کا مین اوسکی ہون صفت / دیکھ اعضا کو ذرا پردۂ غفلت کو الٹ
رائے انور سے اوسکی مری آنکھون مین ہی نور / خلق اوس کا مرے گیسو مین ہی خوشبو کی لپٹ
صفِ مژگان سے عیان پنجۂ پرزور کی شکل / عزم اوس کا مرے شاہین نگہ کی ہی جھپٹ
اوس کی جو راستی طبع وہ ہی قد میرا / دامن فیض کا لٹکا و مرے زلف کی لٹ
مصحفِ رخ کو جو دیکھو تو نمایان وُہی شان / کعبۂ دل کو جو دیکھو تو اوسی کی چوکھٹ
کون وہ کلب علیخان بہادر جمِ جاہ / دیتے ہین جسکو ملک عالم بالا کی رپٹ

عالم خواب مین پہنچا مین عجب باغ مین کل / شجرِ طور کو جس باغ کی کہئے کوپل
خواب مین سبزۂ خوابیدہ جو یان کا دیکھے / خواب ہو طالع خوابیدہ کا خواب مخمل
سامنے اوس کے کسی اور چمن کا کیا ذکر / گلشن خلد بھی مجکو نظر آیا جنگل
اک شگوفہ تھا اوسی باغ کا باغِ عشرت / ایک غنچہ اوسی گلزار کا گلزار امل
ساغرِ عشرت کونین وُہین کے دو پھول / میوۂ مقصد دارین وُہین کے دو پھل
سخت حیران ہے حسن کہ دیوار کو دون کس سے مثال / کہون آئینہ تو آئینہ مین اتنا نہین دل
دستِ مژگان سے سنبھالے تھین نگہ کو آنکھین / پھر بھی دیوار پہ جب پڑتی تھی جاتی تھی پھسل
خط گلزار سے ہو گل پہ یہ مصرع تحریر / نقش ثانی ہی یہ فردوس ہی نقش اول
ہی یہ تاثیر نمو ہاتھ جو مجرم کے کٹین / صورتِ دستِ چنار آئین نئے سر سے نکل
اور شاخون کا تو کیا ذکر یہ ہی فیض نمو / نکلے گر پات مین بھی شاخ تو پھوٹے کوپل

ٹکڑے بدلی کے نئے تھے ہندوی سوزن کے لئے | بھر کے آیا تھا وہان چھاگلو مین گنگا جل
نوجوانانِ چمن دھوپ مین کیا کمھلاتے | چتر کھولے ہوئے پھرتے تھے ہوا پر بادل
لڑکھڑاتا تھا جو مستی مین کہین بادِ نسیم | غنچہ کہتا تھا چٹک کر کہ خبردار سنبھل
ہوگیا لوٹ مین سامان یہ آیا جو نظر | پاؤن کس طرح سنبھلتا کہ گیا دل ہی پھسل
لے اڑی ہوش مری حیرتِ نظارۂ باغ | آگیا غش مجھے بیہوش گرا سر کے بل
متحیر تھا کہ یارب ہے یہ کیسا گلزار | غنچہ ہے تنگ دہن کس سے معما ہو یہ حل
گوشِ گل مین ہی ہوائے طرب انگیز بھری | کون سنتا ہی جو پوچھون مین کہ کیا ہی یہ محل
قمریون کو نہین کو کو سے مجالِ گفتار | بلبلون کو نہین نغمون سے کسی شاخ پہ کل
تھا اسی فکر سے دریائے تحیر مین غرق | کہہ رہا تھا کہ نہ ہے صنعتِ صناعِ ازل
ناگہان طرفِ چمن مین نظر آیا اک نور | آنکھ نے دل سے کہا دیکھ کے اوسکو کہ سنبھل
طرفۃ العین مین وہ روشنی آ پہنچی قریب | کھل گیا دیکھتے ہی اوسکو مرے دل کا کنول
دیکھتا کیا ہون کہ ہی بیچ مین اک حور لقا | کچھ حسین گرد ہین آگے ہی فروزان مشعل
حور وہ حور جسے دیکھے تو فردوس سے حور | مضطرب نعرہ زنان خاک بسر آئے نکل
فرق سے تابقدم پیکر انداز و ادا | غمزہ و ناز سے ڈالے دلِ عاشق کو مسل
گرمیِ حسن سے رخسار بھبوکا ایسا | شمع کی طرح جسے دیکھ کے دل جائے پگھل
جو کڑی آہوئے مشکین کو ختن مین بھولے | بال کھولے جو حلب مین نہ دکھائے چھل بل
قطرے کہتے تھے پسینے کے رخِ گلگون پر | جوش کھا گرمیِ حسن آئی ہی چہرے پہ ابل
پتلیون کا جو اون آنکھون کی تماشا دیکھا | دلِ نادان مرے پہلو مین گیا اور مچل
تیر پر تیر پڑے دل پہ نگاہین جو لڑین | نیمجان پانون پر اوس کے مین گرا سر کے بل

اور کی عرض کہ اے عشوہ گر جلوہ فروش
رحم کر رحم بس آگے دلِ مضطر کو نہ چھل

رخِ روشن کی طرح آئینہ تو مجکو کیا،
اپنے گیسو کی طرح کر مرے عقدون کو بھی حل

کونسا باغ ہے یہ کون ہے تو مین ہون کہان
تجھ سے وحشت نہین ہے اور ہے حیرت کا محل

متبسم ہوا پہلے تو وہ سرمایۂ ناز
پھر اک انداز سے بولا یہ دکھا کر کس بل

سر اٹھا پاؤن سے یہ بے ادبی خوب نہین
اچھی صورت پہ گیا دیکھتے ہی خوب بھیل

ہوش مین آ یہ نہین قسم نباتات سے باغ
ہے سراپا یہ چمن صنعتِ خلاقِ ازل

انس کچھ آج نیا تجکو نہین ہے مجھ سے
کھا چکا چوٹ مرے حسن کی تو روزِ ازل

نہ پری ہون مین انسان ہون نہ غلمان ہون نہ حور
پر لطافت مین نزاکت مین ہون ان سے افضل ✓

باغ نقشہ ہے صفاتِ حسنہ کا اوس کے
حسن فطرت مین جو یوسف سے کہین ہے افضل

ہاتھ پھیلائے جو شاخین نرگل دیتی ہین
ہے یہ مطلب کہ دہش مین ہے وہ بے مثل و بدل (معاذ اللہ)

اشرفی کے جو گلون کا ہے چمن مین انبار
یہ اشارہ ہے کہ دولت مین ہے وہ ضرب مثل

جوشِ رحمت کا ہے اوس بحرِ کرم کے شمہ
اِس گلستان مین جو برساتا ہے پانی بادل

دیکھتا ہے جو روان نہر مین پانی شفاف
چشمۂ فیض یہ اوس کا ہے نہین گنگا جل

پوچھتا ہے جو حقیقت کو مری او نادان
طبعِ نازک ترے آقا کی ہون اے عبد اقل

غزل کا رنگ ملاحظہ ہو

کہان وہ اہلِ وطن کی صحبت وطن کو چھوٹے ہوئی ہے مدت
کسی کسی کی ہے یاد دل مین خیال کچھ ہے کہین کہین کا

قریب ہے یارو یہ روزِ محشر چھپے گا کشتون کا خون کیونکر
جو چپ رہیگی زبان خنجر لہو پکارے گا آستین کا

لاکھون اوس لیلی کے دیوانے ہین اون مین عشق نے ایک مشت استخوان کا نام مجنون رکھدیا،

وہ آئے کھینچ کے تلوار سب کو شاد کیا امیر آج بہت ہم نے تم کو یاد کیا

مرے ہی سامنے دامن اٹھا کر ناز سے چلنا مجھی سے پھر گلہ الٹا مرے چاک گریبان کا
جگر کو دون کہ دل کو دون بتا اے ناوک قاتل کہ دو پیاسون مین ہے یہ ایک قطرہ آب پیکان کا

پہلو مین میرے دل کو نہ اے درد کر تلاش مدت ہوئی غریب وطن سے نکل گیا

جب کہا اوس نے شب غم کوئی غمخوار نہ تھا درد نے اٹھ کے کہا کیا یہ گنہگار نہ تھا،

ہر جگہ جوش محبت کا نیا عالم ہوا، آنکھ مین آنسو جگر مین داغ دل مین غم ہوا
روکن فرقت مین اشکون کا نہین اچھا امیر چار دن کے ضبط مین دیکھو تو کیا عالم ہوا

مرغان باغ! تم کو مبارک ہو سیر گل کانٹا تھا ایک مین سو چمن سے نکل گیا

کلیم شکر کرو حشر تک نہ ہوش آتا ہوئی یہ خیر کہ وہ شوخ بے نقاب تھا۔

صورت تری دکھا کے کہونگا مین روز حشر آنکھون کا کچھ گناہ نہ دل کا قصور تھا

وہ مزا دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے یارب | مرے دونوں پہلوؤں میں دل بیقرار ہوتا
جو نگاہ کی تھی ظالم تو پھر آنکھ کیوں چرائی | وہی تیر کیوں نہ مارا جو جگر کے پار ہوتا

دیر کی تحقیر کرا تنی نہ اے شیخ حرم | آج کعبہ بن گیا کل تک یہی بتخانہ تھا

دیکھ اے درد جدا ہو نہ دل محزوں سے | اور اب مجھے گا یہ بیمار جو تنہا ہوگا

خواہش وصل تو کیونکر کہوں لیکن ناصح | دیکھ لینے کا تو حضرت کو بھی ارمان ہوگا
آگ جو دل میں لگی تھی وہ بجھائی نہ گئی | اور کیا تجھ سے پھر اے دیدۂ گریاں ہوگا

سب کرشمے تھے جوانی کے جوانی کیا گئی | وہ امنگیں مٹ گئیں وہ ولولہ جاتا رہا
آنیوالا جانے والا بیکسی میں کون تھا | ہاں مگر اک دم غریب آتا رہا جاتا رہا

گل ہوا غنچہ تو آواز یہ اوس سے آئی | جمع پھر دل نہیں ہوتا ہی پریشاں ہو کر

ہمارے سامنے بڑھ بڑھ کے بولتا ہی بہت | ملے وہ اب کی تو ناصح کو سامنے کر دیں

عمر کو سارا زمانہ گذراں کہتا ہے | دن جدائی کا مگر عمر میں محسوب نہیں

کانٹا ہوا ہون سوکھ کے لیکن نہال ہون — کھٹکون گا اور اپنے عدو کی نگاہ مین
تو نے تو اے سیاہی شبہاے تارِ ہجر — دھبا لگا دیا مرے بختِ سیاہ مین

---

۴ اے برق تو ذرا کبھی تڑپی ٹھہر گئی — یان عمر کٹ گئی ہو اسی اضطراب مین

ظاہر مین ہم فریفتہ حسنِ بتان کے ہین — پھر کیا کہین نگاہ مین جلوے کہان کے ہین
وہ اور وعدہ وصل کا قاصد نہین نہین — سچ سچ بتا یہ لفظ انھین کی زبان کے ہین

نہ کر اے یاس یون برباد میرے خانۂ دل کو — اسی گھر مین جلایا ہو چراغِ آرزو برسون

دنیا ہے طرفہ میکدۂ بےخودی امیر — سب مست ہین کسی کو کسی کی خبر نہین

زاہد امیدِ رحمتِ حق اور ہجوِ مے — پہلے شراب پی کے گنہگار بھی تو ہو

وصال پر ہے جو وصل امتحان کر دیکھو — امیر یون ہی سہی چند روز مر دیکھو

الفت مین برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو — ہر بات مین لذت ہو اگر دل مین مزا ہو

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہین ہم امیر — سارے جہان کا درد ہمارے جگر مین ہو

غیروں کے حال پر تو بہت لطف ہی تھین ‏ ہم پر بھی لطف حال ہمارا بھی غیر ہے۔

مسجد مین بلاتا ہے ہمین زاہدِ نافہم، ‏ ہوتا کچھ اگر ہوش تو میخانے نہ جاتے

قدم کو لغزشین، زبان کو لکنت، ہے رعشہ ہاتھون کو، سر مین جنبش،
کہان گئی ہائے نوجوانی ان آفتون مین مجھے پھنسا کر،

گئی دل کی بجھائے بیکسی مین کون ہے ایسا ‏ مگر اک گریۂ حسرت کہ بیتابانہ آتا ہے

شبِ وصلت قریب آنے نہ پائے کوئی خلوت مین ‏ ادب ہم سے جدا ٹھہرے حیا تم سے جدا ٹھہرے

ایک قطرہ بھی نہ پینا مگر اے جانِ جہان ‏ اسی انداز سے کہدے کہ نہین تھوڑی سی

چھوڑے کہین نہ گیسوئے پرخم نے اوس کے پیچ ‏ کچھ رہ گئے تو میرے مقدر مین رہ گئے۔

آنکھ کہتی ہے یہ دل سے کہ کرے گی برباد ‏ خواہشِ وصل تجھے حسرتِ دیدار مجھے

تھی کھٹک درد کی پہلے سے مرے دل مین مگر ‏ تم مرے پاس سے اٹھے کہ قیامت آئی

ہین تغافل مین بھی سرگرم ستم وہ آنکھین
آپ تو سوتے ہین فتنون کو جگا رکھا ہی

قاصد یہ زبان اوس کی بیان اوس کا نہین ہی
دھوکہ ہے تجھے اوس نے کہا اور ہی کچھ ہے
آفت تو ہی وہ ناز بھی انداز بھی لیکن
مرتا ہون مین جس پر وہ ادا اور ہی کچھ ہے

نہ گھبرا اے دل واماندہ اب منزل قریب آئی
اسی بستی کے آگے اور آباد ایک بستی ہے،
نہ شاخ گل ہی اونچی ہی نہ دیوار چمن بلبل
تری ہمت کی کوتاہی تری قسمت کی پستی ہے

قطعہ

محفل برخاست ہی پتنگے
رخصت شمعون سے ہو رہے ہین
ہی کوچ کا وقت آسمان پر
تارے کہین نام کو رہے ہین
ان کی بھی نمود ہی کوئی دم
وہ بھی نہ رہینگے جو رہے ہین
دنیا کا یہ رنگ اور ہم کو
کچھ ہوش نہین سو رہے ہین

نواب مرزا خان داغ

شوخی کہ در کلام اوست بندہ نہ دانم کہ امروز دیگرے را دادہ باشند و زمانے کہ او را بخشیدہ اند فی زماننا ہیچ کس را میسر نیست بیش ازین ستایش گفتار او چہ توان گفت خیر الکلام ماقل ودل اہ طور کلیم،

نواب مرزا خان نام، داغ تخلص، نواب شمس الدین خان خلف نواب احمد بخش خان

دہلی کے بیٹے تھے، ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۴۶ھ کو دلی مین پیدا ہوئے، چھ سات برس کی عمر مین باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، مان شاہزادہ فتح الملک عرف مرزا فخرو خلف بہادر شاہ ابوظفر کے گھر بیٹھ گیئن اور شوکت محل کا خطاب پایا،

یہ بھی مان کے ساتھ لال قلعہ پہنچے، وہین اون کی تعلیم و تربیت ہوئی قلعہ مین شعر و سخن کا چرچا زورون پر تھا، بادشاہ اور مرزا فخرو دونون شیخ ابراہیم ذوق کے شاگرد تھے، یہ بھی استاد ذوق سے مشق سخن کرنے لگے، اور ایک عرصہ تک مشاعرون مین اون کے ساتھ جاتے اور داد سخن لیتے رہے،

۱۲۷۲ھ مین مرزا فخرو نے وفات پائی، مان کے ساتھ یہ بھی لال قلعہ سے نکلے، یہ مصیبت کیا کم تھی کہ ۱۲۷۳ھ مین عالم آشوب ہنگامہ غدر کا برپا ہو گیا، وہ ایک عام مصیبت تھی اون کو بھی وہی جھیلنا پڑی جو سب جھیل رہے تھے،

غدر کا ہنگامہ فرو ہونے کے بعد رامپور چلے آئے اور نواب یوسف علیخان بہادر کی عنایت سے دم لینے کی مہلت ملی، نواب کے بعد اون کے لائق جانشین نواب کلب علیخان مرحوم نے سرپرستی فرمائی، پھر اون کی زندگی بھر رامپور مین رہے، کہین اور جانے کی ضرورت نہین پیش آئی،

نواب کلب علیخان کے انتقال کے بعد حیدرآباد گئے کئی برس امیدواری مین بسر ہوئی، آخر کار قسمت نے یاوری کی، پہلے ساڑھے چار سو روپیہ ماہوار مقرر ہوئے، اور روز ورود سے اوس وقت تک کی تنخواہ مل گئی، چند روز کے بعد ایکہزار روپیہ ماہانہ مقرر ہو گیا، اوس دن سے مرتے دم تک اعلیٰ حضرت محبوب علی خان آصف جاہ[۱] ششم کی مصاحبت مین زندگی بسر کی اور

[۱] میر محبوب علی خان فتح جنگ نظام الدولہ نظام الملک مظفر الممالک آصف جاہ ششم (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

بیش قرار صلون مین علاوہ "سپہ سالار، یار وفادار، مقرب السلطان ظلیل ہندوستان، جہان استاد ناظم یار جنگ، دبیر الدولہ فصیح الملک" کا خطاب پایا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱۵) نواب افضل الدولہ میر تہنیت علیخان آصفجاہ پنجم کے بیٹے تھے، ۶ ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ مین پیدا ہوئے ۱۴ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ مین باپ نے سفر آخرت اختیار کیا، دستور کے موافق محلسرا اور شہر کے دروازے بند کر دیئے گئے، اور آصفجاہ ششم کی حکمرانی کی منادی کی گئی، اوس کے بعد مرحوم کی تجہیز و تکفین عمل مین آئی اور فاتحہ سوم کے بعد تخت نشینی کے رسوم ادا کئے گئے،

نواب شمس الامرا امیر کبیر بہادر نائب حضور اور نواب مختار الملک سالار جنگ اول مدار المہام قرار پائے، سالار جنگ اول نے جس خوش اسلوبی سے ملک و دولت کا انتظام کیا وہ ہمیشہ تاریخ مین یادگار رہے گا،

اعلیٰ حضرت مین فرزانگی و دانشمندی کے آثار نمایان، ذہن و ذکاوت خداداد تھی، مولوی محمد زمان خان شہید، مولوی مسیح الزمان خان، مولوی انوار اللہ خان، مولوی اشرف حسین، مظفر حسین خوشنویس، مرزا نصر اللہ خان، مسٹر کلارک، سرور جنگ، افسر جنگ اور مٹو خان، علوم و فنون شہسواری نشانہ بازی وغیرہ کی تعلیم پر وقتاً فوقتاً سرفراز ہوئے، اور اعلیٰ حضرت نے تھوڑے زمانے مین بہت سی چیزون مین دستگاہ حاصل کر لی،

۱۳۰۰ھ مین سر سالار جنگ اول نے وفات پائی، راجہ نرنیدر پرشاد اون کی جگہ مدار المہام ہوئے، ۶ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ مین اعلیٰ حضرت نے زمام حکومت اپنے ہاتھ مین لی، اور لارڈ رپن ویسرائے و گورنر جنرل ہندوستان نے حیدر آباد جاکر گورنمنٹ انگریزی کی جانب سے کمر مین تلوار باندھی، نواب لائق علی خان سالار جنگ دوم نے مدار المہامی کا جائزہ حاصل کیا، اور اسی سال کونسل آف اسٹیٹ قائم ہوئی،

اعلیٰ حضرت مین بعض صفتین غیر معمولی تھین، سب سے مقدم اون کی بے نظیر فیاضی (بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

نواب مرزا خان داغ حریف ظریف خوش طبع رنگین مزاج، زبان مین فصاحت وسادگی،
بیان مین شوخی اور بانکپن، کلام کو دیکھو فصاحت اور محاورے کا دریا بہہ رہا ہے حسن و عشق

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱۶) اور جنھون نے برامکہ کی فیاضی اور سخاوت کو افسانہ کردیا، ہندوستان کا کوئی گوشہ مشکل سے ایسا ملیگا جہان اون کی داد و دہش کا فیض نہ پہنچا ہو، دور دراز مقامات پر بھی خانقاہین مدرسے اور مسجدین اب تک اون کے احسانات کی منت پذیر ہین، اور خاص کر دکن کے مناور اور دیول تک آپ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہین،

دلی اور لکھنؤ کی تباہی کے بعد ارباب فضل و کمال کا ملجا و ماوی صرف اعلیٰ حضرت کی سرکار تھی، جہان سے ہر ایک کے فراخور حال تنخواہین ہو گئی تھین، مولانا کرامت علی صاحب سیرۃ احمدیہ، مولانا حیدر علی صاحب منتہی الکلام، مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی، مولوی محمد حسن نیوتنی، مولوی امین الدین خان خلف علامہ رشید الدین خان، مولانا محمد لطف اللہ صاحب، مولوی وحید الزمان خان، مولوی محمد زمان خان، مولوی مسیح الزمان خان، مولوی مہدی علی، مولوی مشتاق حسین، مولوی سید حسین، مولوی سید علی، مولوی نظام الدین حسن، مولوی نذیر احمد، مولوی عزیز مرزا اور خدا جانے کتنے جوہر قابل وہان جاکر مناصب عالیہ پر فائز ہوئے،

مولانا عبد الحی لکھنوی، مولانا عبد الحق خیرآبادی، مولانا عبد الحق دہلوی، مولانا عبد الحق کانپوری، خواجہ الطاف حسین حالی، مولانا شبلی نعمانی، دو چار ہون تو کوئی اون کا نام گنا سکتا ہے، سیکڑون ارباب کمال تھے، جن کے دامن فیض سے ایک عالم تربیت پارہا تھا، اور وہ صرف اسی سرکار کی بدولت فارغ البالی سے گھر بیٹھے علمی خدمتین انجام دے رہے تھے، اور سیکڑون میل سے بیش قرار تنخواہین اون کو گھر بیٹھے مل رہی تھین،

دوسری غیر معمولی صفت اون کی بے خطا نشانہ بازی تھی، شاہزادہ جرمنی اور ولیعہد روس (بعد کو شہنشاہ روس) سے جس وقت نشانہ بازی مین سابقہ ہوا تو وہ اون کی (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

حسن و عشق کے معاملات مین اور عاشق و معشوق کے خیالات، گویا اوس مین شراب ناب کا سرور پیدا کرتے ہین، جس کو سنکر عوام سر دھنتے ہین اور خواص مزے لیتے ہین،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱۷) قدر اندازی کو دیکھکر محو حیرت ہو گئے، اور اون کو ماننا پڑا کہ یہ اس فن مین بھی فرد فرید ہین، اپنی تھوڑی سی زندگی مین ہزارہا خونخوار شیر شکار کئے، اور ایسے صعب و دشوار گذار مقامات مین پہنچے جہان بڑے بڑے دلیرون کے بھی چھکے چھوٹتے تھے،

تیسری صفت اون کی جفاکشی اور محنت تھی، باوجود تنعم اور نازپروری کے جب کسی کام کی طرف متوجہ ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب اس کے سوا اور کوئی کام پیش نظر نہین، اہلکار اور مصاحبین تھک کر چور ہو جاتے تھے، اور وہ تازہ دم اوسی کام مین لگے رہتے آفتاب کتنے بار طلوع و غروب کرتا مگر وہ اوس کام سے ہاتھ نہین کھینچتے تھے،

چوتھی صفت رحم دلی اور رعایا پروری تھی، آج رعایا اون کو یاد کرتی ہو اور روتی ہو، جس کو ملک بدر بھی کیا تو اوس کی زندگی بھر کی آسایش کا انتظام اول کر دیا فرماتے تھے کہ پیٹھ کی مار دو پیٹ کی مار مت دو،

پانچوین صفت خاصان حق کی خدمت مین عقیدت و نیازمندی تھی،

چھٹی صفت سادہ زندگی۔

ساتوین صفت خودداری تھی، جس کی وجہ سے باوجود رحمدلی و بے آزاری کے لوگ ہمیشہ خائف رہتے تھے، مگر افسوس ہو کہ باین ہمہ ذہانت و ذکاوت بعض خود غرضون نے اون کو جام و ساغر پر لگا دیا تھا، جس کی وجہ سے یہ خداداد قوتین یہان تک کہ اون کی صحت جسمانی کمزور ہوتی گئی اور عمر طبعی تک پہنچنے سے پہلے انھون نے ۴ رمضان سنہ ۱۳۲۹ھ کو وفات پائی،

ان کو شعر و سخن کا بھی شوق تھا، اکثر دربارون کی اسپیچین بھی نظم مین ارشاد (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

حسن اتفاق سے زمانہ بھی ان کو اچھا ملا، شاعری کا آغاز لال قلعہ سے جوار دوے معلی کا گہوارہ تھا، اور اوس کے شباب کا زمانہ نواب کلب علی خان مرحوم جیسے قدردان کے سایہ عاطفت مین بسر ہوا، گلزار داغ، آفتاب داغ دو دیوان اور ایک مثنوی فریاد داغ اسی زمانے کی کمائی ہے. حیدر آباد مین تیسرا دیوان مہتاب داغ تیار ہوا، مگر اوس کو دیکھکر ایسا معلوم ہوتا ہی کہ ایک مسافر بڑی بڑی منزلین طے کرکے تھک کر کسی مقام پر بیٹھ گیا ہی

رام پور مین اسیر، امیر، بحر، جلال، اور تسلیم کا جگھٹا تھا، خود نواب سخن گو و سخن سنج. کلام کی نوک پلک کے دیکھنے اور کھرے کھوٹے کو پرکھنے مین مشاق، اس وقت طبیعت پر غیر معمولی زور ڈالنے کی ضرورت تھی، ذرا چوکے تو ٹکسال باہر حریفون سے دادِ سخن

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱۸) فرماتے تھے، جو کلام اون کی طرف منسوب ہے اوس مین سے چند شعر ملاحظہ ہون،

اے یاس تو نے داغِ تمنا مٹا دیئے	گلزار تھا یہ دل اوسے ویرانہ کر دیا

ایسے لوگون مین نہین ہم جو کہین اور نہ کرین	مرد جو کہتے ہین وہ کر کے دکھا دیتے ہین،

جھگڑے تو ہزارون ہین مگر بات ہی اتنی	ہم تم سے وفا کر کے پشیمان بہت ہین ،

ہوا بھی ہم اسیرون تک نہین آتی جو یہ پوچھین	فضائے باغ کیسی نکہت گلزار کیسی ہے

نہ کر کسی سے محبت یہ ہم نہ کہتے تھے	دلِ فریفتہ سنتا ہے تو بھلا کس کی

لینا ہنسی کھیل نہین تھا،

برخلاف اس کے حیدرآباد عیش وعشرت کا گہوارہ کاوش فکر جو شاعری کا جزو اعظم ہے مفقود وہان جاکر طبیعت بجائے محنت کش ہونے کے عشرت پسند ہو گئی، کچھ جوانی کی امنگین بھی رخصت ہو چکی تھین، ان سب وجوہ سے کلام پھیکا پڑ گیا، اور آخرکار ۹ رذی الحجہ ۱۳۲۲ھ مین زبان تک بند ہو گئی، مرنے کے بعد یادگار داغ اور ضمیمہ یادگار داغ کے نام سے دو مجموعے اون کے کلام کے اور بھی شائع ہو گئے ہین،

غزلون کے منتخب اشعار

ستم وہ چشم کافر سے ترے چلنا اشارون کا
غضب وہ دل پکڑ کر بیٹھ جانا بیقرارون کا

خدا جانے ہوئی ہین دفن کیا کیا حسرتین اسمین
پھپھولون سے مرے سینہ پہ عالم ہے مزارون کا

ہو کے ظاہر تو کیا عشق نے اک حشر بپا
حسرت اوس دل پہ کہ جس دل مین نہان ہوگا

عشق کیا شے ہے یہ وہ شے ہے کہ دلمین شوق وصل
خون ہو کر آ گیا، غم بن گیا، ہم ہو گیا،

اک حرف آرزو پہ وہ مجھسے خفا ہوئے
اتنی سی بات کہہ کے گنہگار ہو گیا

✓ خدا کریم ہے یون تو مگر ہے اتنا رنگ
کہ میرے عشق سے پہلے تجھے جمال دیا

لئے تو چلتے ہین حضرت دل تمھین بھی اوس انجمن مین لیکن
ہمارے پہلو مین بیٹھکر تم ہمین سے پہلو تہی نہ کرنا

مری تقدیر کی برگشتگی سب مین بری ٹھہری
حسینون کے لئے اک حسن ہی برگشتہ مژگان کا
بہت آنکھین مین فرشِ راہ چلنا دیکھکر ظالم
کفِ نازک مین کانٹا چبھ نہ جائے خارِ مژگان کا

ڈوب کر سینہ مین اس رنگ سے پیکان نکلا
دل سے بیساختہ نکلا کہ وہ ارمان نکلا

دل مین رے دیکر رکھا تھا ایک قطرہ خون کا
کچھ نیازِ غم ہوا کچھ صرفِ مژگان ہوگیا
بوسہ لیکر دل دیا ہی اور پھر نالان ہین داغ
کوئی جانے مفت مین حضرت کا نقصان ہوگیا

وہ میرا چھیڑنا آغازِ الفت مین شکایت سے
وہ رکھ کر ہاتھ کانون پر ترا کہنا کہ بھر پایا

ترے دستِ حنائی مین بھی ہی چور
کسی کو ہاتھ کا سچا نہ پایا

وصل مین ہائے وہ اترا کے مرا بول اٹھنا
اے فلک دیکھ تو یہ کون مرے گھر آیا

عرضِ وفا پہ دیکھنا اوس کی ادائے دلفریب
دل مین کچھ اعتبار سا آنکھ مین کچھ دلاسا

امید کرم ہو کر ہم سے کرین توبہ
دوزخ مین پڑے زاہد بے لطف ثواب ایسا

وعدہ پہ مرے اون کے قیامت کی ہی تکرار
اور بات ہی اتنی کہ ادھر کل ہی ادھر آج

جھکی ہی جاتی ہو کچھ خود بخود حیا سے وہ آنکھ ‏ ‏ گری ہی پڑتی ہو بیمار ناتوان کی طرح

اے شیخ جس کو حور نہ ملے گا بڑھے گا شوق ‏ ‏ جنت کو ہین پسند جہنم کو تو پسند،

عمر کیونکر نہ بسر کیجئے غافل ہو کر ‏ ‏ کہ ملا ہے ہمین اک قطرۂ دل مے ہو کر

بزم اغیار کا ظاہر ہی اثر آنکھون پر ‏ ‏ مہربان آنکھ کی خفت مرے سر آنکھون پر

اپنی نظر مین ہیچ ہے سارے جہان کی سیر ‏ ‏ دل خوش نہ ہو تو کس کا تماشا کہان کی سیر

دل مین سما رہی ہین قیامت کی شوخیان ‏ ‏ دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ مین

مجکو تباہ چشم مروت نے کر دیا ‏ ‏ ملجائے تو چھپاؤن کسی کی نظر کو مین

کس وعدہ ہی جو گھبرائے ہوئے پھرتے ہو ‏ ‏ یہ وہ گردش ہو کہ میرے بھی مقدر مین نہین

کبھی فلک کو پڑا دل جلون سے کام نہین ‏ ‏ اگر نہ آگ لگا دون تو داغ نام نہین

رہبر ورہ محبت کا خدا حافظ ہے ‏ ‏ اس مین دو چار بہت سخت مقام آتے ہین

رخ روشن کے آگے شمع رکھکر وہ یہ کہتے ہین — اودھر جاتا ہی دیکھین یا ادھر پروانہ آتا ہی

وہی جھگڑا ہی فرقت کا، وہی رونا ہی الفت کا — تجھے اے داغ کوئی اور بھی افسانہ آتا ہی

یاد سب کچھ ہین مجھے ہجر کے صدمے ظالم — بھول جاتا ہون مگر دیکھ کے صورت تیری

دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے — جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گذار دے

دنیا مین جانتا ہون کہ جنت ملی مجھے — راحت اگر ذرا سی مصیبت مین مل گئی

ہزار بار جو مانگا کرون تو کیا حاصل — دعا وہی ہی جو دل سے کبھی نکلتی ہی

ایک تو حسن بلا اوس پہ بناوٹ آفت — گھر بگاڑین گے ہزارون کے سنورنے والے

خوش نوائی نے رکھا ہمکو اسیر اے صیاد — ہم سے اچھے رہے صدقے مین اترنے والے

شرکت غم بھی نہین چاہتی غیرت میری — غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

نہین آتا تجھے گر اے تمنا — نکلنا سیکھ کے جان حزین سے

مرگ دشمن کی دعا مانگ کے پچھتاتا ہون — کہین ایسا نہ ہو وہ غیر کے ماتم مین رہی

وقتِ خرامِ ناز دکھا دو جدا جدا　　یہ چال حشر کی یہ روش آسمان کی ہے



تیرے جلوہ کا تو کیا کہنا مگر　　دیکھنے والے کو دیکھا چاہیے،

سیّد ظہیر الدّین ظہیرؔ

ظہیر الدین نام ظہیر تخلص، سید جلال الدین حیدر کے بیٹے اور دلی کے رہنے والے تھے، ان کے والد ابو ظفر بہادر شاہ بادشاہ کے خوشنویسی میں استاد اور دربار شاہی سے اصلاح الدولہ مرصع رقم خان بہادر کے خطاب سے سرفراز تھے،

بارہ سال کے سن میں فارسی کی درسی کتابیں اور عربی کی مختصرات پڑھنے پائے تھے کہ توریگی کے عہدے پر سرافراز ہوگئے، اور پڑھنا چھوٹ گیا، چند روز کے بعد کارگذاری کے صلہ میں راقم الدولہ کا خطاب پایا، تنخواہ پچاس روپیہ ماہوار تھی، وہی قائم رہی،

شعر و سخن سے خداداد مناسبت تھی، مکتب ہی میں کچھ غوغان کرنے لگے تھے، اتفاق سے ان کے مکان کے قریب قطب الدین مشیر شاگرد شاہ نصیر نے اپنے مکان پر مشاعرہ قائم کیا تھا، یہ بھی اوس میں آنے جانے لگے، اور جب زیادہ شوق بڑھا تو شیخ ابراہیم ذوق کے شاگرد ہوگئے، اوس وقت اون کا سن چودہ برس کا تھا،

غدر ۵۷ء میں ناچار دلی سے نکلنا پڑا، جھجھر سونی پت اور نجیب آباد ہوتے ہوئے

بریلی آئے، یہان سے لکھنؤ کا قصد تھا کہ معلوم ہوا کہ وہان انگریزون کا قبضہ ہو گیا، مجبور ہو کر کچھ دنون بریلی مین رہکر رامپور چلے گئے وہان چار برس رہے، اوس کے بعد دلی آئے اور محکمہ چونگی مین ملازمت مل گئی۔

چونگی مین زیادہ دنون نہین رہے تھے کہ اخبار جلوۂ طور (بلند شہر) کی اڈیٹری مل گئی، یہ اخبار مہاراجہ شیو دان سنگھ والی الور کی نظر سے گذرتا تھا، وہ نہایت ہنر پرور رئیس تھے، ان کو الور بلا بھیجا، چار برس الور مین رہے، علاوہ تنخواہ کے تقریبون مین قصائد کا صلہ بھی عنایت ہوتا تھا، جس سے بہت اچھی طرح ان کی گذراوقات ہوتی جاتی تھی، مگر بدقسمتی سے مہاراجہ کے بعض بدخواہون نے جھوٹی سچی شکایتین کر کر کے مہاراجہ کے اختیارات سلب کرا دیئے، یہ مجبور ہو کر پھر دلی آئے اور نواب مصطفےٰ خان شیفتہ کی سفارش لیکر جے پور گئے۔ سفارش کا یہ اثر ہوا کہ محکمۂ پولیس مین ان کو جگہ مل گئی،

کم وبیش انیس ۱۹ برس جے پور مین رہے، مہاراجہ رام سنگھ والی جے پور کے مرنے پر ان کا تعلق ریاست سے منقطع ہو گیا، چند روز پریشانی مین بسر ہوئی تھی کہ نواب احمد علی خان رونق خلف نواب میر خان مرحوم نے ان کو ٹونک بلا بھیجا، جب تک رونق زندہ رہے، یہ بہت آرام سے انکے ساتھ رہے۔ ان کے مرنے پر نواب ابراہیم علیخان بہادر فرمانروائے حال نے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا، اس طریقہ سے پندرہ سولہ برس ٹونک مین رہے،

آخر عمر مین حیدرآباد جانے کا شوق پیدا ہوا، ٹونک سے رخصت لیکر حیدرآباد چلے گئے اور آٹھ مہینہ تک باریابی کی تمنا مین وہین پڑے رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ ٹونک سے جو کچھ ان کو ملتا تھا، وہ بند ہو گیا،

حیدرآباد مین آٹھ مہینے کے بعد باریابی ہوئی اور ہر تقریب پر قصیدے بھی پیش

ہوئے، مگر تنخواہ مقرر ہونے کی نوبت نہ آئی تھی کہ موت نے ساری آرزوؤن کا خاتمہ کر دیا

بیکاری کے زمانہ مین مہاراجہ کشن پرشاد نے ایک سال بعد چالیس روپیہ ماہوار مقرر کر دیئے تھے راجہ بھگوان سہاے اور نواب محمد عمر خان وفا بھی کچھ کچھ خدمت کرتے رہتے تھے،

تصنیفات کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دیوان ان کا جس کا نام گلستان سخن ہے مطبع مفید عام آگرہ مین چھپ گیا ہے، دیوان دوم وسوم کا حق تصنیف قاضی عبد الکریم مالک مطبع کریمی بمبئی نے خرید لیا ہے، معلوم نہین چھپا یا نہین، دیوان چہارم جس مین بقول حسرت موہانی تین سو غزلون کے علاوہ بہت سے قصیدے اور مسدس شامل ہین، اون کے نواسہ کے پاس ہے،

کلام کے متعلق حسرت موہانی کی راے سے مجھے اتفاق ہے، اس مین بجاے ذوق کے مومن خان کا رنگ زیادہ پایا جاتا ہے، ذوق کے کلام کی ممتاز خصوصیت کلام کی پختگی، محاورہ کی صفائی اور زبان کی درستی کے ساتھ تعقید الفاظ کا عیب بھی ہے، جو ظہیر کے یہان نہین پایا جاتا،

مومن خان کے یہان شاعری کا مدار خیال کی نزاکت، ترکیب فارسی کی خوبی اور اسلوب بیان کی جدت پر ہے، جو ظہیر کی شاعری کا سرمایۂ ناز ہے، چنانچہ خود ظہیر نے جابجا اس کا اعتراف کیا ہے،

طرز مومن سے نہ آگاہ تھے جب تک کہ ظہیر سچ تو یہ ہے کہ کبھی رنگ غزل نے نہ دیا

دوسری جگہ فرماتے ہین،

کیا بنا ہی طرز مومن اے ظہیر، طاق ہین لاریب اپنے فن مین ہم

جہان کہین نزاکتِ خیال اور جدتِ اسلوب کے ساتھ الفاظ کی رنگینی اور ترکیب کی تازگی کی خوبیان جمع ہو جاتی ہین تو مرزا نسیم کی طرح سے دلپذیری کی شان ان کے کلام مین بھی پیدا ہو جاتی ہے اور جہان کہین استاد کا رنگ ہے، وہان مرزا داغ اور ان کے کلام مین فرق کرنا دشوار ہے،

غرض کہ مجموعی حیثیت سے ظہیر کی شاعری دلی کی اصلی اور قدیم شاعری کا ایسا نمونہ ہے جس کی مثال ان کے بعد اور کسی کے کلام مین نہین مل سکتی،

نمونہ ملاحظہ ہو،

فقط اک سادگی پر شوخیون کے ہین گمان کیا کیا
نگاہِ شرمگین سے ہو نہان کیا کیا عیان کیا کیا

دلِ خون گشتۂ حسرت نے کیا کچھ گل کھلائے ہین
بہار آگین ہو کچھ اب کی برس فصلِ خزان کیا کیا

تصور مین وصالِ یار کے سامان ہوتے ہین
ہمین بھی یاد ہین حسرت کی بزم آرائیان کیا کیا

قدم رکھتے نہین ہین وہ زمین پر بے نیازی سے
بڑھا جاتا ہے یان شوقِ سجودِ آستان کیا کیا

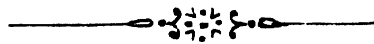
بہت ظہیر کو ہم یاد کر کے وان روئے
کہین جو ذکر حریفانِ بادہ خوار آیا،

اک مشغلہ ٹھہری ہی تمھین رنجشِ بیجا،
اک کھیل ہوا تم کو ستانا مرے دل کا،

بیخود ہون تصور مین کسی برقِ ادا کے
سرمایۂ تسکین ہے تڑپنا مرے دل کا

اعجازِ دلفریبیِ انداز دیکھنا
ہر ہر ادا پہ مجکو گمانِ نظر رہا،

قاصد بھی کوئی صبر دلِ ناشکیب تھا — آتے ہی آتے راہ مین کمبخت مر رہا
پرہیز عشق سے مجھے وحشت فزون ہوئی — مین کچھ دوا سے اور بھی رنجور تر رہا



بات کیا اون سے کرون اونکو اٹھاؤن کیونکر — مدعی بیچ مین دیوار بنے بیٹھے ہین،
کیا بری شے ہے محبت بھی الٰہی توبہ — جرم ناکردہ خطاوار بنے بیٹھے ہین،
وہ ہین اور غیر ہین اور عیش کے سامان ظہیر — ہم الگ سب سے گنہگار بنے بیٹھے ہین،



ہے مرے گھر پہ ابھی سے تیرگی چھائی ہوئی — گو ابھی شام شبِ ہجران سحر سے دور ہے



کہئے تو کہون انجمنِ غیر کی رو داد — کیا اب بھی اسے آپ کرامت نہ کہین گے



یہ شوخی ہے کہ تمکین ہو الٰہی کیا قیامت ہے — الجھتے ہین دمِ رفتار سو سو بار دامن سے
الجھکر خار دامن سے مرے کیا کیا پشیمان ہین — کہ اب دامن چھڑانا ہو گیا دشوار دامن سے



مرزا قربان علی سالک،

قربان علی نام سالک تخلص، نواب مرزا عالم بیگ کے بیٹے تھے، حیدر آباد مین پیدا ہوئے اور دلی مین نشو و نما پائی، اور فارسی کی درسی کتابین وہین کے اربابِ فضل و کمال سے پڑھین،

مومن و غالب بقید حیات تھے، اوس زمانہ مین شعر و سخن کا گھر گھر چرچا تھا۔ ان کو بھی اس کا شوق ہوا، پہلے بطور خود کچھ کہتے رہے، اوس کے بعد حکیم مومن خان کی خدمت مین پہونچے، اس وقت قربان تخلص کرتے تھے، غالباً خان صاحب کے مرنے پر مرزا غالب کے یہان رسائی پیدا کی اور سالک تخلص اختیار کیا۔

خوش مزاجی اور شگفتہ روئی کے ساتھ خدا نے اِن کو ذکاوت ایسی عنایت فرمائی تھی کہ چندروز کی مشق مین سخن سنجی اور سخن فہمی مین یہ اپنے معاصرین سے بہت بڑھ گئے اور مرزا غالب کے شاگردون مین سب سے بہتر نظر آنے لگے۔

۱۸۵۷ء کے عالم آشوب ہنگامہ کے بعد الور مین جا کر پناہ لی، اور خوش قسمتی سے وکالت کے عہدے پر سرفراز ہو گئے، ایک عرصہ تک وہان رہنے کے بعد اپنا مسقط الراس یاد آیا، اور حیدرآباد چلے گئے۔ وہان محکمہ تعلیمات مین سررشتہ داری کے عہدہ پر تقرر ہو گیا، اسی خدمت پر زندگی بسر کر دی،

حیدرآباد مین مخزن الفوائد کے نام سے ایک موقت الشیوع رسالہ زیر سرپرستی نواب عماد الملک بہادر نکالا جو اوس زمانہ مین ناظم سررشتہ تعلیم تھے، یہ رسالہ عرصہ تک جاری رہا، اور اوس مین بہت بکار آمد تاریخی مضامین نکالے گئے،

ساٹھ باسٹھ برس کی عمر تھی کہ ۱۲۹۱ھ مین سفر آخرت اختیار کیا، اور حیدرآباد مین مدفون ہوئے۔

ہنجار سالک دیوان کا نام ہے،

یون عمر گذاری تری فرقت مین کہ ہر دم ۔۔۔ جینے کا گمان تھا مجھے مرنے کا یقین تھا



دل وہ کافر ہے کہ مجکو نہ دیا چین کبھی ۔۔۔ بے وفا تو بھی اسے لے کے پشیمان ہو گا

نہین اکبار بھی اب سننے کی طاقت دلمین　　پہلے سو بار ترا نام لیا کرتا تھا،

میرا ہوا آشیانہ اور آدھا جلا ہوا،　　بجھ بھی گئی تھی آگ تو بجلی کو کیا ہوا

تم غیر کے ہوئے تو رہا کیا جہان مین　　گویا ہمارے واسطے کچھ بھی بنا نہ تھا

کچھ ہو پر اون کو جانب اغیار دیکھنا　　اک بار منع کیجے تو سو بار دیکھنا

گرے مین چشم خلائق سے خاک ہو کر ہم　　ستم سے تم نے کیا کس طرح جہان اپنا

اپنی ستم کشی کا مجھے امتحان ہے اب　　درکار ایک اور نیا آسمان ہے اب

ابتک بھی میرے ہوش ٹھکانے نہین ہوئے　　سالک کا حال رات کو ایسا سنا کہ بس

تم بھی وہی کہو تو کہے اک جہان بجا　　مین بھی وہی کہون تو کہے اک جہان غلط

کاش اے مہر تجھ سے بھی رکھتے تو سہل تھین　　وہ خواہشین کہ رکھتے ہین اوس بیوفا سے ہم

تم آگئے تو ہوش کہان میزبان ہو کون　　آج آپ اپنے گھر مین ہین کچھ میہمان سے ہم

پھرتے ہین وادخواہ ترے حشر مین خراب
تو پوچھتا نہین تو کوئی پوچھتا نہین

اعتبار نگہ ناز ہے کیا کیا اون کو،
قتل کو آتے ہین اور ہاتھ مین شمشیر نہین

اے خضر اتنے دن ترے کیونکر بسر ہوئے
ہم سے تو رات کٹ نہ سکی انتظار کی

ہون وہ خود رفتہ کہ کب جانے کہان دل کھویا
یاد آتا ہے تو اتنا کہ نہین یاد مجھے

جانے دے اے تصور جانان نکر تلاش
ایسا نہ ہو کہ وہ کہین دشمن کے گھر ملے

کنج مزار مین بھی وہی اضطراب ہے
دل ہے کہ اک فرشتہ قہر و عذاب ہے
پہنچے عدو کے گھر مین تو دامن جھٹک دیا،
ہم خاک بھی ہوئے ہین تو مٹی خراب ہے

صیاد اور بند قفس سے کرے رہا،
جھوٹی خبر کسیکی اڑائی ہوئی سی ہے

میر مہدی مجروح

میر مہدی مجروح، خلف میر حسین فگار دلی کے رہنے والے، اور مرزا اسد اللہ خان غالب

کے منظورِ نظر و تربیت یافتہ تھے، وہ زمانہ آنکھون سے دیکھا تھا جبکہ میر نظام الدین ممنون مفتی صدر الدین خان آزردہ، نواب مصطفےٰ خان شیفتہ شیخ ابراہیم ذوق اور حکیم مومن خان وغیرہ ارباب فضل و کمال بقید حیات تھے، اور اون کے نتائجِ فکر سے شاعرون مین زندگی اور زندہ دلی کے آثار نمایان تھے،

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد یہ بھی خانمان آوارہ ہو کر مدتون پانی پت مین رہے جب دلی مین امن و امان قائم ہو لیا تو واپس آئے، مگر وہان کیا دھرا تھا، ناچار گھر سے نکلے اور کچھ دنون مہاراجہ شیو دان سنگھ رئیس الور کی قدردانی سے الور مین رہے تھے کہ وہان بھی بدقسمتی نے رہنے نہ دیا،

خیر زمانہ مین قسمت نے یاوری کی اور نواب حامد علی خان رئیس رامپور کی عنایت و مہربانی سے زندگی کے آخری لمحے کسی قدر راحت سے بسر ہوئے،

۱۳۱۶ھ مین ایک دیوان مرتب کر کے مظہر معانی کے نام سے چھپوایا ہے، جس مین قصائد غزلین رباعیان مخمس، ترکیب بند، وغیرہ اصنافِ سخن موجود ہین،

مجروح کی زبان نہایت صاف و سادہ ہے، چھوٹی چھوٹی بحرون مین اکثر غزلین لکھی ہین جنمین محاورون کی چاشنی زیادہ پائی جاتی ہے مگر اسالیبِ کلام مین جدت و تازگی نہین ہے، انھین مضمونون کو جنھین متوسط طبقہ کے شعرا نے اپنی مخصوص زبان و طریقہ بیان مین ادا کیا ہے، یہ بھی کام مین لائے ہین، مگر بعض جگہ نزاکت خیال کی دلفریبی نبھ نہین سکی معمولی بات چیت کا رنگ پیدا ہو گیا ہے تاہم اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ زبان کی صفائی اور سادگی کے ساتھ کلام مین پختگی کے لوازم اچھی طرح پائے جاتے ہین،

خوش نصیبی ہے کہ مرزا غالب کے ان کے نام بہت سے خطوط ہین جو پڑھنے کے قابل ہین، اون کے ایک ایک فقرے سے پیار و محبت کی تراوش ہوتی ہے، ایک خط

مین لکھتے ہین،

"میر مہدی! جیتے رہو، آفرین صد ہزار آفرین اردو رباعیات لکھنے کا کیا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہے، مجھکو رشک آنے لگا، سنو! دلی کے تمام مال و متاع و زر و گوہر کی لوٹ پنجاب احاطہ مین گئی ہے، یہ طرز عبارت خاص میری دولت ہے، سو ایک ظالم پانی پت انصاریون کے محلہ کا رہنے والا لوٹ لے گیا، مگر مین نے اوس کو بحل کیا، اللہ برکت دے"

سخت مضطر دل ہنگامہ طلب ہے یارب آج ہی کیون نہ وہ ہو جائے جو فردا ہوگا،

کبھی چشم خمار آلود کی مستی نہین دیکھی بجا ہے حضرت ناصح کو دعوی ہوشیاری کا

ساقی کی چشم مست کا گر دور ہے یہی زاہد کو آج کل ہی مین میخوار دیکھنا

کچھ عرض تمنا مین شکوہ نہ ستم کا تھا، مین نے تو کہا کیا تھا، اور آپ نے کیا جانا

اچھا ہوا محفل مین مجروح نہ کچھ بولا، وہ حال اگر کہتا تو کس سے سنا جاتا

نہ سوجھی ہے رہائی نہ موت آتی ہے نہ مہربان ہے قسمت نہ مہربان صیاد

اس جہان مین نہین ہے جز مآل شادی گرتے ہین خاک مین گل، شاخ پہ خندان ہوکر

ہوائے گل ہے اب نے شوقِ پرواز — یہ تھے سارے بکھیڑے بال و پر تک

کوئی لختِ دل آ کے اٹکا ہے کیا — کھٹک سی ہے کچھ چشمِ پرآب مین

کسی نے کوٹ کر بجلی کو شاید بھر دیا دل مین — نئے ڈھب کی تڑپ ہے کچھ ہماری جانِ مضطر مین

تھی وہ مجنون کے دم ہی تک رونق — خاک اڑتی ہے اب بیابان مین،

جو دردِ دل کی ہے لذت وہ دل ہی جانے ہے — یہ دل لگی کی مین باتین کہ بیقرار ہون مین

اب ہم ہین اور کنجِ قفس کی صعوبتین — وہ نغمہ سنجیان وہ نشاطِ چمن کہان،

دل ہی سمجھے ہے کچھ تڑپ کو مرے — برق کو لطفِ اضطراب کہان ،

یہ بھی کچھ جی مین آ گئی ہو گی ، — کیا وہ میرے بٹھائے بیٹھے ہین .
طور جس آگ نے جلایا تھا ، — ہم وہ دل مین چھپائے بیٹھے ہین ،

ملتی ہے اوس کی وضع ذبس خوئے یار مین — آئے نہ کیون مزہ ستمِ روزگار مین
سوزِ درون نے مجکو کیا نخلِ آتشین — شعلے بھبوکے ہوئے ہین مرے برگ و بار مین

کب دیکھین چاک جیب سے فرصت ہے ہمین   دستِ جنون کا دھیان ہی اک ایک تار مین
گل سے تو لاکھ مرتبہ بہتر ہے روے یار   بلبل یہ کیا ہے مین تو یہ کہدون ہزار مین

مرے کس کام کا ہی بختِ خفتہ   اسے رشوت مین دونگا پاسبان کو،

تھا برا ہجر روح پر اتنا نہین ،   جس کے مرنے کی مبارک باد ہو،

ہے شکوہ سنجِ ستم ہم سدا   کبھی آسمان کے کبھی یار کے

وان ستم تک دریغ ہے ہم سے   یان توقع مین ہین عنایت کے ،
دل کو کوئی بچا سکے کیونکر   اوس کے انداز ہین قیامت کے ،

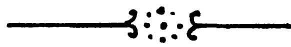
کچھ ان بن ہو چلی ہے باغبان سے   بس اب نکلا ہی سمجھو گلستان سے

مشکل ہی وصل مین بھی تلافی فراق کی   پہلو مین گر یہی دلِ حسرت مآب ہی

سوزِ غم سے نہ دل بھنے جب تک   سوزشِ عشق کا مزا کیا ہے ،

صبر کے فائدے بہت ہین وے   دل ہی بس مین نہ ہو تو کیا کیجے ،

کوئی ہمنوا ہے نہ یارِ آشنا ن   جو چھوٹے بھی ہم تو کدھر جائین گے
یہ اہلِ عدم مین اور ہم مین ہے فرق   گئے وہ تو ہم ٹھہر کر جائین گے



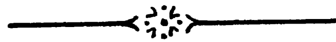
عاشق نہ سمجھتے تو وہ منھ کو نہ چھپاتے   کھویا دلِ بیتاب نے وہ لطفِ نظر بھی



ہم لوگون مین ہو ربط نہ باہم تو عجب کیا   جب گرم نہ صحبت رہی موسیٰؑ و خضرؑ کی



جز غمِ مرگِ دوستان اے خضرؑ   کیا دھرا عمرِ جاودانی مین ہے



حکیم ضامن علی جلال

ضامن علی نام، جلال تخلص، حکیم اصغر علی داستان گو کے بیٹے، اور لکھنؤ کے رہنے والے تھے، ۱۲۵۰ھ مین پیدا ہوئے، غدر سے پہلے لکھنؤ کچھ اور ہی لکھنؤ تھا، عیش و نشاط کی گرم بازاری کے ساتھ ہر علم و فن کے اربابِ فضل و کمال کا بے نظیر مجمع جن کے فیضانِ صحبت سے یہان کا معمولی سے معمولی آدمی بھی دوسری جگہ کے قابل اور لایق لوگون سے تقریر کی روانی اور شستگی مین بہتر نظر آتا تھا، اوس کی باتین سنکر کبھی اس کا گمان نہ ہو سکتا تھا کہ اس نے درسی کتابین نہین پڑھین،

جلال اوسی زمانہ کے آدمی تھے، لکھنؤ مین پیدا ہوئے. فارسی کی درسی کتابین اوس زمانہ کے رواج کے موافق پوری پڑھین، عربی کی ابتدائی کتابین پڑھتے ہی تھے کہ شعر و سخن کا شوق

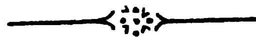
پیدا ہوا، امیر علی خان ہلال[1] کے پاس آنے جانے اور اپنا کلام دکھانے لگے، ایک عرصہ تک انھین سے مشق سخن کی،

چونکہ ان مین قابلیت اور مناسبت فطری موجود تھی، چند ہی روز مین اوس نے اپنا رنگ دکھایا، جب ہلال نے ان کے کلام اور اپنی اصلاح کا اندازہ کر لیا تو خود انھین اپنے استاد میر علی اوسط رشک کے پاس لے گئے، یہ کچھ عرصہ تک اون سے مشق سخن کرتے رہے، جب وہ کربلاے معلیٰ چلے گئے تو مرزا محمد رضا برق سے اصلاح لینے لگے، اور کثرت مشق سے کلام مین رنگ پیدا ہوگیا،

غدر ۵۷ء کے بعد رامپور چلے گئے، اوس وقت ان کا سن بائیس برس کا تھا، ان کے والد نواب یوسف علی خان ناظم کی سرکار مین داستان گوئی کی خدمت پر مقرر تھے، یہ بھی اسی سرکار مین نوکر ہوگئے، یوسف علی خان کے بعد نواب کلب علی خان مرحوم نے بھی قدردانی

[1] امیر علی خان ہلال پسر تراب علی خان باشندۂ لکھنؤ میر علی اوسط رشک کے شاگرد تھے، ۶۰ اون کا دیوان مقفی ومرد ف مثنوی اور سراپا اون کی تصنیفات مین بیان کیجاتی ہی، واجد علی شاہ کی سرکار مین ان کا توسل تھا، انھین کے ساتھ کلکتہ گئے، نمونہ کلام کا یہ ہے،

مجھ سے الگ جو دفن یہ ہوتا تو خوب تھا، پہلو مین میری قبر کے بنتا مزار دل



بڑھ بڑھ کے کیا ہی وار لگائے ہین جی مین ہی ہاتھون کے بدلے چوم لون اوس تیغزن کے پاؤن



یہ ہاتھا پائی بھی کہین دیکھی سنی نہین لاتون کے ساتھ آپ کی چلتی ہین کہنیان



فرمائی، جلال کو سو روپیہ ماہوار ملتا تھا، چند مرتبہ مستعفی ہو کر چلے آئے، مگر قدر دان نواب نے ایام معزولی کی بھی تنخواہ ادا کی، اور ان کو ہر مرتبہ بلوا بھیجا،

منگرول کے نواب حسین میان ان کو پچیس روپیہ ماہوار بھیجتے اور ہر قصیدہ پر سو روپیہ دیتے تھے، علاوہ ان کے اور لوگ بھی ان کی خدمت کرتے تھے، ان کا بھی یہ دستور تھا کہ بغیر مالی منفعت کے کسی کے کلام مین اصلاح نہ دیتے تھے، اور کسی خط کا جواب نہ دیتے جب تک اوس مین جواب کے لئے ٹکٹ نہ رکھا ہو،

ان کو اپنی زبان دانی کا بڑا دعویٰ تھا، اور اس بات پر ناز تھا کہ وہ محاورے کو صحیح طور پر ادا کرتے ہین، اس بارہ مین وہ کسی کو اپنا مدمقابل نہین سمجھتے تھے،

مگر باوجود مدمغ اور نازک مزاج ہونے کے اہل کمال سے تواضع پیش آتے اور اپنی فروگذاشت کو جلد تسلیم کر لیتے،

نواب کلب علیخان مرحوم کے بعد لکھنؤ چلے آئے تھے اور منصور نگر مین ایک مکان خرید کر کے مستقل سکونت اختیار کر لی تھی،

سرمایۂ زبان اردو کے نام سے ایک مبسوط کتاب لکھی ہی جس مین محاورے کنایے ور اصطلاحین زبان اردو کی بیان کی ہین، مفید الشعرا ایک رسالہ تذکیر و تانیث کی بحث مین ہے، قواعد المنتخب ایک اور رسالہ ہے، جس مین بعض مفرد و مرکب الفاظ کی تحقیق و تصریف بیان کی ہی،

علاوہ ان کتابون کے چار دیوان ہین، بعضے مبسوط بعضے مختصر، چھہتر برس کی عمر پائی اور ۱۳۲۵ھ مین جہان کے تھے وہان چلے گئے،

خبر کیا تھی کہ خاموشی ہی رازِ عشق کہدیگی　　　وہی غماز ہوگا جو ہمارا رازدان ہوگا،

جفا کرتے ہین کبتک باوفا ؤن پر وہ دیکھین تو   ہمین جو آزماتے تھے اب اون کا امتحان ہوگا

جی خوب بہلتا ہی بھلا ہو کہ برا ہو   سن لیتے ہین ناصح سے کچھ افسانہ کسی کا

دلِ ناکام کو ہم کھو کے بہت پچھتائے   کام اس سے بھی نکل جاتے تھے بیکار نہ تھا

گناہِ عاشقی خواہانِ تعزیر آپ ہوتا ہے   بنا دیتا ہے شوقِ دار خود منصور ہو جانا

طاقت نے سنبھالا نہ تحمل نے دمِ ہجر   سب دعویٰ ہی کرتے تھے کوئی کام نہ آیا

پائی راحت ترے خنجر ہی کے نیچے قاتل   پھر جو ٹھہرا تو یہین کچھ دلِ بسمل ٹھہرا

اُٹھے جو بزمِ یار سے تنہا ہم آئے گھر   طاقت کہین حواس کہین دل کہین رہا

بہت بہار کی آمد سے خوش ہین مرغِ چمن   شگوفے دیکھین انھین کیا نہال کرتے ہین

ترا دامن دبا لینا تہِ زانو سمجھتے ہین   ابھی کوئی نہ اٹھے ہم بھی یہ پہلو سمجھتے ہین

نقشِ قدم پکارتے ہین راہِ عشق مین   مٹ جائے جو چلے جسے نام و نشان کے ہین

اندازۂ طلب سے دیا بڑھ کے جب دیا　　کم حوصلہ ہمین ہین وہان کچھ کمی نہین

اداو ناز پر یون جان دیتے ہین بتا دے گا　　ذرا جینے تو دو چندے کسی مر جانے والے کو

جگر کا درد کھویا اور نہ کی دل کی تڑپ زائل　　تمھین سے پوچھتے ہین کس مرض کی پھر دوا تم ہو

آنسو کے تو کیا نہین چھپنے کا رازِ عشق　　حسرت ٹپک پڑے گی ہماری نگاہ سے

کوئی دامن جنون مین کھینچتا ہے آستین کوئی　　اتارے لیتے ہین خارِ بیابان پیرہن اپنا

گیا تھی کسی کی تیر بھی نظر کچھ نہ پوچھیے　　اک تیر تھا کلیجے کے جو پار رہ گیا،

رہتا ہی کلیجے مین نہان دردِ محبت　　یہ چوٹ وہ ہے جسکو ابھرنا نہین آتا

نہ ہو برہم جو بوسہ بے اجازت لے لیا مین نے　　چلو جانے دو بیتابی مین ایسا ہو ہی جاتا ہی

جو سمجھاتا ہے ناصح کب ہمارا دل سمجھتا ہے　　نہ یہ نادان سمجھتا ہی نہ وہ جاہل سمجھتا ہے

ایک سی شوخی خدا نے دی ہی حسن و عشق کو　　فرق بس اتنا کہ وہ آنکھون مین ہی یہ دل مین ہی

لو بند کئے لیتے ہین ہم دیدۂ مشتاق
اب دیکھین کہ آجاتے ہو تم دل مین کدھر سے

خوبرویون کے بگڑنے مین بھی ہین لاکھ بناؤ
کہین اچھون کی کوئی بات بری ہوتی ہی

سی لین گے گریبان کو ہم یہ تو بتادو
کس طرح رفو اُس مین ہو کہ دل تم سے جو پھٹ جائے

شیخ امیر اللہ تسلیم

احمد حسین نام تھا، مگر امیر اللہ کے نام سے مشہور رہین، مولوی عبد الصمد انصاری کے بیٹے تھے، نواحِ فیض آباد مین منگلیسی ایک گاؤن تھا وہان ۱۲۳۵ھ مین پیدا ہوئے، والد ان کے پلٹن مین ملازم تھے، اس تقریب سے لکھنؤ مین نشو ونما ہوا، باپ اور بڑے بھائی مولوی عبد اللطیف سے فارسی اور عربی کی کتابین پڑھین، اور خطاطی مین کمال پیدا کیا،

شعر و سخن سے مناسبت خداداد تھی، لکھنؤ مین صحبت بھی ایسے لوگون کی میسر ہوئی جو شعر و سخن سے مذاق رکھتے تھے، اس لئے وہ رنگ چمک گیا، جب مرزا اصغر علی خان نسیم لکھنؤ آگئے تو اس مین برگ و بار پیدا ہو گئے، اون سے مشقِ سخن کرنے کے بعد اپنی راہ اہل لکھنؤ سے الگ نکال لی،

ان کے والد پلٹن مین کسی عہدے پر مقرر تھے جس کی تنخواہ تیس روپیہ ماہوار اون کو ملتی تھی، جب وہ کبر سنی کی وجہ سے کام کرنے کے قابل نہ رہے تو انھون نے محمد علی شاہ کے زمانے مین ان کو اپنی جگہ پر کرادیا، یہ مدت تک کام کرتے رہے، اور مشق سخن بھی جاری رہی، واجد علی شاہ کے زمانے مین مسٹر سلیمن رزیڈنٹ لکھنؤ کی کسی شکایت پر ان کی پلٹن توڑ دی گئی، یہ بیکار ہو گئے،

تین برس مسلسل کوششین کین مگر بے سود،

اوس زمانے مین شاعری زورون پر تھی، ایک منظوم عرض داشت اپنے ہاتھ سے خوش خط لکھکر مقبول الدولہ مرزا مہدی علی خان قبولؔ کی وساطت سے پیش کی، وقت آگیا تھا بادشاہ کی نظر اوس پر پڑ گئی نظم مین حکم لکھوایا: ؎

بشنوائے خوشنویس والے خوش گو، ہر دو فن سیکنی و ہر دو نکو،
اسم تو مندرج بدفتر شد بست و دہ روپیہ مقرر شد

اوس دن سے ان کو تیس روپیہ ماہوار پھر ملنے لگے. ایام غدر مین جب لکھنؤ مین نوابی ہوگئی تو پھر کسی پلٹن مین اسی عہدہ پر یہ مقرر ہوگئے جو شاہی زمانے مین تھا، نو مہینے تک جنگ کی کشاکش مین مبتلا رہے، جب کام بگڑا تو رامپور چلے گئے، اور عرصہ تک وہان رہے،

جب لکھنؤ مین پھر انگریزون کا تسلط ہوا، اور راستے محفوظ ہوگئے. تو رام پور سے چلے آئے، نواب محمد تقی خان نے دس روپیہ ماہوار کردئیے، اور اپنا کلام اصلاح کے لئے ان کو دینے لگے اور منشی نول کشور نے اپنے چھاپہ خانہ مین بیس روپیہ ماہوار پر ملازم رکھ لیا،

نواب کی زندگی تک تیس روپیہ ماہوار ان کو ملتے رہے، اون کے مرنے پر بیس روپیہ رہگیا، تھوڑے دنون کے بعد نواب کلب علیخان مرحوم مسندنشین رام پور ہوئے، اور اون کی قدردانی سے ہر طرف سے نامی گرامی شاعرون نے رام پور پہنچکر خلعت ملازمت حاصل کیا، تسلیم اسی بیس روپیہ پر لکھنؤ مین پڑے ہوئے تھے،

نواب کو خود یاد آیا، اون کو بلوا کر تیس روپیہ ماہوار تنخواہ کردی. مگر اس تیس روپیہ مین انکی بسر اوقات کیا ہوتی، عید بقرعید مین قصیدے پیش کرتے. اور ہر موقع پر دو سَو روپیہ اون کو ملا کرتا، اس پر بھی یہ قرض دار ہوجاتے، نواب مرحوم کو خبر ہوئی تو وہ افسوس کرتے، اور بلا کر

پوچھتے کہ کتنا قرض ہے، یہ جو کچھ بتاتے اوس سے دونا چوگنا ان کو مل جاتا، اور تاکید ہوتی کہ آیندہ احتیاط رکھنا، مگر نواب کی فیاضیون نے سیرچشم بنا رکھا تھا، احتیاط کون رکھتا،

نواب کی زندگی بھر یہی تماشا رہا، نواب کے مرنے کے بعد ان کی پنشن ہو گئی اور بجائے تیس کے دس پندرہ روپیہ رہ گئے، اس پریشانی اور ناکامی مین ٹونک گئے اور وہان سے ناکام واپس ہوئے پھر مانگرول گئے، نواب حسین میان قدردان رئیس تھے، پچاس روپیہ ماہوار اور خرچ پر روکنا چاہا مگر وہان کی آب وہوا ان کو موافق نہ آئی، چلے آئے،

جب نواب حامد علی خان مسندنشین ہوئے تو داداجان کے وقت کا شاعر سمجھکر دربار مین بلایا اور حال پوچھا، معلوم ہوا کہ پنشن ہوئی ہے، فرمایا کہ پنشن کیسی، یہ کوئی سپاہی تھے کہ اب بندوق نہین چلا سکتے، یہ تو شاعر ہین جو کام پہلے کرتے تھے وہ اب بھی کر سکتے ہین، خلد آشیان کے عہد کے تیس ۳۰ روپئے بحال کئے جائین، اور ہماری طرف سے دس روپیہ ماہوار اضافہ،

اس طرح تھوڑی فراغت پھر نصیب ہوئی، مگر آنکھون اور کانون کی نعمتون سے محروم ہو گئے تھے، بقیۂ حیاتِ مستعار کو پورا کرکے چھیانوے برس کے سن مین ۱۳۲۹ھ مین وفات پائی،

غدر سے پہلے ایک دیوان تیار ہو گیا تھا، وہ غدر کے ہنگامہ مین ضائع ہو گیا، دوسرا دیوان غدر کے بعد مرتب کیا، جس مین قصائد غدر سے پہلے کے شامل ہین، یہ دیوان نظم ارجمند کے نام سے چند قصیدون اور دو مثنویون کے ساتھ لکھنؤ مین شایع ہو گیا ہی، اور اُس کی کاپی خود انھین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، رامپور مین تیسرا دیوان تیار ہوا جو نظم دل افروز کے نام سے چھپا ہے، اوس کے بعد چوتھا دیوان دفتر خیال کے نام سے شائع ہوا، پانچوین دیوان کے متفرق اجزا اون کے رامپوری شاگردون کے پاس ہین، جن کے شائع

ہونے کی توقع نہین،

مثنویون مین نالۂ تسلیم اور شام غریبان پہلے دیوان کے ساتھ شائع ہوئی ہین، اوس کے بعد صبح خندان، دل و جان، نغمۂ بلبل، شوکت شاہجہانی، گوہر انتخاب، اور تاریخ بدیع یعنی تاریخ رام پور وقتاً فوقتاً لکھین، اور شائع ہوئین، سفرنامۂ نواب رام پور جس مین پچیس ہزار شعر سے کم نہ ہون گے، رام پور کے سرکاری کتبخانہ مین قلمی موجود ہے،

تسلیم کو اصناف سخن مین جو قدرت مثنویون پر حاصل تھی وہ اون کے معاصرین مین سے کسی کو حاصل نہ تھی، اخیر زمانے کی مثنویان جو اون کی کمزوری اور بد حواسی کے زمانے کی تصنیف ہین، دیگر اساتذہ کی بہترین مثنویون کے برابر بلکہ اون سے بہتر کہی جا سکتی ہین،

قصیدون مین بھی اون کا رنگ خاص ہے، مضمون کی بلندی اور بلاغت کو الفاظ کی رنگینی اور فصاحت کے ساتھ ایسا نمایان کرتے ہین، کہ اکثر موقعون پر قصیدہ مین غزل کا رنگ جھلکنے لگتا ہے،

تغزل مین نظم ارجمند کی غزلین اپنی خصوصیتون اور گوناگون صفتون کے لحاظ سے اون کی عمر کا بہترین سرمایہ ہین، اس کے بعد کلام مین کمزوری کی علامتین ظاہر ہونے لگین،

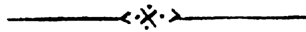
عام جوہر اون کے کلام کا پختگی کلام، رنگینی الفاظ اور دلپذیری مضامین ہو جس سے بے مثالی کی شان اوس مین کھلی ہوئی معلوم ہوتی ہو۔

قصیدون کا نمونہ ملاحظہ ہو،

نغمہ سنجی کے نہ قابل نہ سزاوارِ فغان | بلبلِ تصویر ہون رکھتا نہیں گویا زبان
ہر طرح پوشیدگی حاصل ہی مجکو غیب سے | سینہ مین مانند دل ہون دل مین ہون مثلِ گمان
بوے گل ہون گل کو بھی صحبت مری ہی ناگوار | ہون سبکروحی سے اپنے طبعِ نازک پر گران
عین پستی مین خیالِ سربلندی ہے وہی، | ہون ترقی آشنا مثلِ غبارِ ناتوان
ہوشیار اے خامۂ بیہودہ پیما ہوشیار، | تا کجا وقفِ زبان آئین و رسمِ شاعران
مطلع مضمونِ عالی یاد آیا ہے مجھے، | جس سے پیدا ہے عروجِ التماس قدریان



اوج دکھلاتا ہے حسن پست فطرت ہر زمان | بوسۂ روے زمین لیتا ہے کیا کیا آسمان
جوشِ مستی مین جوانانِ چمن کے سامنے | چلتی ہی بادِ صبا کرتی ہوئی اٹکھیلیان
منبرِ ہر شاخ پہ پڑھتی ہی بیٹھی عندلیب | خطبہاے مدحتِ واجد علی شاہِ جہان
جس کی ادنی ریزشِ زر کی بدولت دہر مین | مختصر ہے طولِ دامانِ زمین و آسمان



ٹپکے ہین دیدۂ بیخواب سے کیا کیا گوہر | دیکھتے دیکھتے مٹ مٹ گئے کیا کیا گوہر
بے ثباتی کو مرے دیکھ کے آنسو کی طرح | خود بخود ٹوٹ گیا ہاتھ جو آیا گوہر
تھا وہ غم دوست کہ صانعِ ازل کے آگے | اشک ہوتا مین بگڑ کر جو بناتا گوہر
دیتے ہین اہلِ صفا اہلِ صفا کو قوت | ضعفِ دل کے لئے لکھتے ہین اطبا گوہر
کس طرف جوش مین جاتا ہی کدھر اے تسلیم | تا کجا تارِ پریشان مین پروتا گوہر
عذرِ شوریدہ سری ہے جو تجھے سن مجھ سے | مطلعِ صاف کہ ہر نقطہ ہو جس کا گوہر



غور سے دیکھ ذرا ہمدم والا گوہر | آبرو مین در مضمون ہین سوا یا گوہر
یہ دل و جان ہو دل و جان صفا طینت کا | آبلہ ہے جگرِ چاک صدف کا گوہر
اس سے ہے حشر تلک زینتِ نامِ ممدوح | چند دم ہے سبب رونقِ دنیا گوہر
گر تامل ہے تو چل منصفِ دوران کے حضور | نہ رہے شک سخن اچھا ہے کہ اچھا گوہر

یون ہی چندے جو رہا حوصلۂ صرف و کرم | عالم بحر مین ہو جائے گا عنقا گوہر
پرتوِ عارضِ روشن جو دکھائے اعجاز | دمِ نظارہ ہو اک دیدۂ بینا گوہر
نقشِ پا ہے سببِ زینتِ عالم ایسا | جیسے ہو تاج سرِ شاہ کو زیبا گوہر

غزلون کا رنگ ملاحظہ ہو،

وطن مین تازہ وارد ہون طبیعت گھر مین کیا بہلے | ابھی پھرتا ہو آنکھون مین مرے نقشہ بیابان کا

وہ جو خواہِ اسیری تھے کہ آزادی کے بعد | رو دیئے ہم دیکھکر خالی قفس صیاد کا

ہائے کب تک نہ مین گھبراؤنگا اے دستِ جنون | اب تو دامن بھی نہین ہے کہ بہل جاؤنگا

اللہ رے اضطرابِ تمنائے دیدِ یار | اک فرصتِ نگاہ مین سو بار دیکھنا،

اجل مخاطب ہے، فلک مدعی، زمین دشمن، | مرا جہان مین کوئی نظر نہین آتا،
حجاب دیدۂ نرگس سے باغ مین نہ کرو | یہ دیکھنے کی ہین آنکھین نظر نہین آتا،

نالہ کھنچا ہی، دل ہی خفا، شوق ہی اوداس
تو کیا بدل گیا کہ زمانہ بدل گیا،

آبرو گر چاہتا ہے کنجِ خلوت کر قبول
قطرۂ نیسان صدف مین آکے گوہر ہو گیا

محبت مین یہ بیرحمی کہ جینا ہو گیا مشکل
خدا ناکردہ کیا ہوتا جو وہ کافر عدو ہوتا

تنگیِ کنجِ قفس، رنجِ اسیری، داغِ گل
اتنے سامانِ ستم اور ایک جانِ عندلیب

راحتِ طفلی، جوانی، غفلتِ پیری و مرگ،
جیتے مرتے ہم نے دو آنکھون سے دیکھے چار خواب

خشک گل، افسردہ سبزہ، شمع چپ، نالین اوداس
جی بھر آیا عالمِ گورِ غریبان دیکھ کر

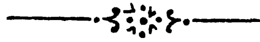
تڑپتی دیکھتا ہون جب کوئی شے
اٹھا لیتا ہون اپنا دل سمجھ کر.

پروازِ اولین مین اسیری ہوئی نصیب
گویا قفس مین تھے جو اڑے آشیان سے ہم

چاہئے سب کچھ مگر اے دوستو آتی ہے شرم
ان نصیبون مین کسی شے کی تمنا کیا کرون

مانا کہ حسنِ یار سے لبریز ہے جہان
لیکن وہ حوصلہ وہ شکیبِ نظر کہان

غیر کیا دوست بھی ہوتا نہین مشکل مین شریک — پھر گئین وقتِ اجل دیکھ کے بیدم آنکھین



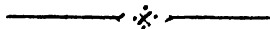
وہ برق مین شوخی وہ لگاوٹ تھی ہوا مین — دی رخصتِ مے خود مجھے توبہ نے گھٹا مین



لے چلے ہین دشت سے کیون اقربا سوئے وطن — اب تو مجکو وادیِ غربت بھی گھر سے کم نہین



دو دن کی زندگی ہو اسیری مین عندلیب — فکرِ قفس کرے کہ اسیری کا غم کرے،



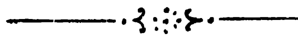
کیونکر کہون کہ لطف بھی اون کا ستم نہین — کب آئے دیکھنے کو کہ جب مجھ مین دم نہین
اوس کی سحر نہ اوس کی زمانے مین شام ہو — فرقت کی شب بھی روزِ قیامت سے کم نہین



کیا خبر مجکو خزان کیا چیز ہے کیسی بہار — آنکھین کھولین آکے مین نے خانۂ صیاد مین



ملین صبحِ وطن کی آرزوئین خاک مین آکر — مبارکباد دے اے بیکسی شامِ غریبان کو،



پارسائی کیسی اے زاہد بتون کے عشق مین — مین اسی کا شکر کرتا ہون کہ ایمان رہ گیا



ہٹ اوس کی رکھی یہ بڑی بات ہو مجھے — دل چیز کیا تھا ہاتھ سے اپنے گیا گیا،



گل ہون تو جگر چاک ہین، بو ہون تو پریشان ۔۔۔ ہر رنگ مین اک آفتِ غم دل سے لگی ہے

ہمسائگی بھی سوختہ قسمت کی قہر ہے ۔۔۔ بھڑکی جو دل کی آگ کلیجہ کو جا لگی

کیا خاک سنون ناصح مشفق تری باتین ۔۔۔ کہنے مین نہین میرے طبیعت کئی دن سے

رہا بھی ہون تو کیا پرواز کی دل سے ہوس نکلے ۔۔۔ کہ ہل سکتے نہین جو بال و پر زیر قفس نکلے
امیدِ فیصلہ محشر مین کیا ہو وہ جو بیٹھے ہین، ۔۔۔ وہان تھے جان کے دشمن یہان فریادرس نکلے
بر ارمان گردن و خنجر ہین دونون دیکھئے کیا ہو ۔۔۔ کسے ناکام رکھے آسمان کس کی ہوس نکلے
نکالے گا کوئی کب تک دلِ بسمل سے پیکان کو ۔۔۔ جو سو مین ایک بھی نکلے تو یہ لاکھون برس نکلے
یون ہی لڑتے جھگڑتے عمر دو روزہ گذر جائے ۔۔۔ نہ ہم نکلین نہ میخانہ سے اے ساقی عبس نکلے

قیامت ہین قفس مین دیکھکر بازو کو رہجانا ۔۔۔ بلا سے صبر آجاتا اگر بے بال و پر ہوتے
اٹھا لینے کی فرصت اضطرابِ دل اگر دیتا ۔۔۔ تو جیتے ہی مرے پامال کیون لختِ جگر ہوتے
مجھے تو طعنہ پرواز فصلِ گل مین کیون دیتا ۔۔۔ اِسی قابل اگر صیاد میرے بال و پر ہوتے
چلو ہم مر گئے فرصت ملی جھگڑا مٹا ورنہ، ۔۔۔ یہی شکوے گلے باہم مری جان عمر بھر ہوتے
دمِ پیری اجل کا رسے کیونکر نہ غفلت ہو، ۔۔۔ کہ اکثر آنکھ لگ جاتی ہے انسان کو سحر ہوتے
برنگِ شمع مہمان شب کا ہون رو لے جو رونا ہو ۔۔۔ کہان پائیگی تو اے بیکسی مجکو سحر ہوتے
نہ رہتا کفر و دین کا ایک بھی پابند دنیا مین ۔۔۔ خدائی اوس طرف ہوتی مری جان تم جدھر ہوتے

پس پردہ سے یہ پردہ دری ہے جانِ مضطر کی
قیامت جلوہ گر ہوتی جو تم پیش نظر ہوتے
فقط آواز سن کر دہ رو دیتے ہین غیرون کی
خدا معلوم کیا ہوتا جو نالے با اثر ہوتے

نہ شامیانہ، نہ شمعِ تربت، نہ موجِ سبزہ، نہ چادرِ گل،
بلا نصیبون مین ہنس کے کیا کیا خراب مٹی ہے بیکسی کی،

نالۂ تسلیم کا نمونہ

آغازِ کلام

شگافِ کلکِ رنگین خندہ زن ہی
مبارکباد آغازِ سخن ہے،
بھری ہے بے نیازی مدعا مین
سرِ تمکین ہے عرضِ التجا مین،
بڑھی ہے نا تمامی گفتگو سے
مرا مطلب سوا ہے آرزو سے
خیالِ آئینہ حیرت فزا ہے
زبان مصروفِ حمدِ کبریا ہے

دعائے عاشقانہ

الٰہی دے زبانِ نکتہ دانی
دکھاؤن جلوۂ حسنِ معانی
اجازت خواہِ لطفِ گفتگو ہے
خوشی بہرِ رخصت رو برو ہی،
نظر لوثِ سخن سے پارسا ہے
ابھی نادیدہ حسنِ مدعا ہے
سحاب آسا عطا کر چشمِ گریان
نسیبت زادۂ آغوشِ طوفان
رہے بیداریون کا حفظِ آداب
نہون آنکھین کبھی منت کشِ خواب

نہ کم ہو کوئی دن سامانِ سودا | رہے سر منزلِ احسانِ سودا،
ترقی پر رہے شوقِ اسیری | رہے وحشت کو پاسِ دستگیری
فلک کو لذتِ ذوقِ جفا سے | نہ دون فرصت تقاضائے بلا سے



خاتمہ

پلا ساقی شرابِ جامِ حسرت | کہ ہون خدمت سے اب مشتاقِ رخصت
جو تونے شیشہ و ساغر اٹھایا، | مجھے قولِ غنیمت یاد آیا،
بیا ساقی بیا اے قبلۂ شوق | کہ دور آخر شد و باقیست این ذوق
طبیعت جوش پر آنے نہ پائی | عروجِ فکر دکھلانے نہ پائی،
نہ نکلا حوصلہ اپنی زبان کا | قلق ہے دل کو انجامِ بیان کا
احبا نے کہا ہنگامِ اتمام | کہ اِس کا نالۂ تسلیم ہے نام،
یہان تک یہ پسندِ طبع آیا | کہ گویا دل سے میرے نقل پایا
ہوا ہاتف سے بہر سال ارشاد | قبولِ خاطرِ اربابِ فن یاد
۱۲۶۵



نمونۂ شامِ غریبان

حمد

اجازت او خیال قاصدِ دل | کہ آپہنچا ورمِ تکلیف مشکل،
طبیعت پھر مری کچھ ناز پر ہے | کوئی مطلب مگر آغاز پر ہے

مضامین لپٹے ہین شکر رسا سے
زبان جنبش مین ہے حمدِ خدا سے،
طلسمی کارخانہ اک بنا کے
نظر سے چھپ رہا صورت دکھا کے
کسی کو عشق کی لذت عطا کی
مزا دیتی رہی اندوہ نا کی
کہین ہے التماسِ شوقِ دیدار
کہین ہے محرمِ اسرار انکار
کہین طالب کہین مطلوب ہو وہ
غرض ہر رنگ مین کچھ خوب ہو وہ
تماشا دوستِ یارِ خودنما ہے،
تصور بن کے پھرتا جا بجا ہے،
کہان تک ایک سی آہنگِ فریاد
بدل اب اور کوئی رنگِ فریاد
ملک مشتاق ہین حرفِ دعا کے
فلک پر بھیج تحفے التجا کے،

مناجات عاشقانہ،

الٰہی دے کوئی دل سربسر جوش
برنگِ زخم خندان غم فراموش
ہمیشہ سایۂ خنجر مین تڑپے،
اگر محشر بھی ہو محشر مین تڑپے
ہنسے رسوائی حالِ زبون پر،
بہائے اشک تدبیرِ جنون پر،
نہ ہو پامال غم کی سرکشی سے،
اٹھائے نازِ دشمن بھی خوشی سے
بڑھے گر بدگمانی چشمِ تر کی،
قسم کھائی سرِ داغِ جگر کی،
نہ ہو کامل مذاقِ تلخ کامی
رہے ہر مدعا مین ناتمامی
رگِ سودا جنون مین جونکو ترسے
سنے طعنے زبانِ نیشتر سے،
مرون تیور اگر بدلین الم کے
رکے سینہ مین دم رکنے سے دم کے
اجل سامانِ شادی کا سبب ہو
صفِ ماتم صفِ بزمِ طرب ہو

بڑھین رتبے یہ جنس سرسری کے | اٹھاؤن ناز قحط مشتری کے،
سیہ کاری قبولِ لم یزل ہو | لباس کعبہ طومارِ عمل ہو،
بس اے تسلیم کب تک جوشِ مستی | کہان تک شیوۂ مطلب پرستی
کمی کر شوق عرضِ التجا مین | گرہ دے طولِ زلفِ مدعا مین
زبان ہے مائلِ ذکرِ پیمبرؐ | دہن ہے حلقۂ گردابِ کوثر،

مولوی محمد محسن محسنؔ،

مولوی محمد محسن تخلص مولوی حسن بخش خلف مولوی حسین بخش علوی کاکوروی کے بیٹے تھے، ۱۲۴۲ھ مین بمقام کاکوری پیدا ہوئے، سات برس کے سن مین سولہ برس کے سن تک اپنے دادا کے دامنِ تربیت مین پرورش پائی، اون کے انتقال کے بعد باپ اور مولوی عبدالرحیم سے تحصیل علم کی،

مولوی ہادی علی اشک ان کی مان کے خالہ زاد بھائی تھے، ثقہ، پرہیزگار، عالم باعمل، تحقیقات علمی اور اصول شاعری پر اون کو عبور کامل حاصل تھا، انھین سے مشقِ سخن کی،

مین پوری مین چند روز عہدۂ نظارت پر کام کیا، اور وہین سے وکالت ہائی کورٹ کا امتحان دیکر کامیابی حاصل کی، اوس زمانے مین صدر دیوانی عدالت آگرہ مین تھی، بعد کامیابی آگرہ مین بود و باش اختیار کی، غدر ۱۸۵۷ء تک آگرہ مین رہے، اوس کے بعد مین پوری مین مستقل قیام کر کے وکالت کو خوب ترقی دی، چند روز مین اون کی دیانت، راستبازی

صفائی معاملہ، نازک خیالی اور عالی دماغی کی دھوم مچ گئی، حکام اون کو خاص عزت و وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے،

ہر شخص سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے اور ہر کسی کے درد دکھ مین شریک ہوتے، انکسار جوہر طبعی تھا، پرانی وضعداری اور ایشیائی مروت کا وہ بے مثل نمونہ تھے، جس مین حکمت عملی ضرورت وقت اور پالسی کا گذر نہ تھا جس شخص سے جو برتاؤ ایک مرتبہ ہو جاتا، اوس کو وہ اخیر تک نباہتے رہتے تھے،

شعر و سخن کا شوق بچپن سے تھا، ابتدا مین کچھ غزلین بھی لکھین، اور کبھی کبھی کسی کی فرمائش سے قصیدہ یا مثنوی، یا دوستون اور بزرگون کی تحریک سے تاریخہاے ولادت و وفات لکھین اس کے سوا نعت کے سوا انھون نے کچھ نہین لکھا، کلیات ان کے بڑے بیٹے مولوی نور الحسن بی اے ایل ایل بی نے جمع کر کے چھپوا دیا ہے، اوس مین سب سے پہلے ایک نعتیہ قصیدہ گلدستۂ کلام رحمت ہی، ۱۲۵۸ھ مین لکھا تھا، اوس کے بعد سراپاے رسول اکرم ہے، جس کو ۱۲۶۶ھ مین تصنیف کیا تھا، پھر اون کا مشہور قصیدہ ہے، جو شہیدی کے قصیدے کے جواب مین ہی، اوس کو ۱۲۷۴ھ مین لکھا تھا، اور منشی امیر احمد امیر نے اُس کی تضمین کی ہی، پھر حیدر شاہنشاہی ایک ترکیب بند ہے، جو واجد علی شاہ کی تعریف مین کسی دوست کی فرمائش سے اور انھین کے نام سے لکھی تھی، پھر مثنوی صبح تجلی ہی، جو ۱۲۸۹ھ مین لکھی ہے، پھر فغانِ محسن اور نگارستان الفت دو چھوٹی چھوٹی مثنویان ہین، جن کو ۱۲۸۹ھ اور ۱۲۹۳ھ مین لکھا تھا، پھر مدیح خیر المرسلین اون کا وہ مشہور نعتیہ قصیدہ ہے، جس نے ہر کہ ومہ سے خراجِ تحسین وصول کیا ہے، اوس کا پہلا مصرع ہے، ع

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

اس کو ۱۲۹۳ھ مین لکھا تھا، اور اس کا خمسہ منشی عبدالمجید سحر نے بھی بڑے زور کا لکھا ہے،

پھر اون کی مشہور مثنوی چراغِ کعبہ شب معراج کے حال مین ۱۳۰۱ھ مین لکھی تھی،
پھر اون کی مثنوی شفاعت ونجات ہے، اوس کو ۱۳۱۱ھ مین لکھا تھا، اس کے بعد رباعیان غزلین اور تاریخین ہین،

عام جوہر ان کے کلام کا مضامین کی بلند پروازی، الفاظ کا شان وشکوہ، بندش کی چستی، استعارون کی رنگینی اور قصہ طلب تلمیحات ہین جسمین اون کے معاصرین مین کوئی ان کا شریک نہین بلکہ اردو شاعری مین اس کا جواب نہین،

ثاقب نے مکتوبات امیر مینائی کے مقدمہ مین ایک جگہ لکھا ہو کہ مین نے ایک مرتبہ منشی امیر احمد امیر سے محسن کاکوروی کی سخن آفرینی اور بلاغتِ کلام کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ "ان کا کلام ایک عالم ہے خیالاتِ نادرہ کا کہ اوس کو دیکھکر انسان حیران ہوتا ہے اور ان کا ہر شعر معراجِ بلاغت ہے"

۸ ارسفر ۱۳۲۳ھ کو اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کو رحلت کی، مرتے وقت پاسِ انفاس جاری تھا، تاریخِ وفات منشی زین العابدین فرحاد نے بڑی معقول نکالی، جو کہ آیۂ کریمہ ہے، انہ فی الآخرۃ لمن الصالحین،

صبحِ تجلّی

بیضاویِ صبح کا بیان ہے، تفسیرِ کتابِ آسمان ہے،
ہے خاتمۂ شبِ دل افروز دیباچہ نگارِ نسخۂ روز،

آثار سحر ہوے نمایان، سیپارہ لئے ہوے ہے دوران
واللیل کو ختم کر چکا ہے، آمادہ دورِ والضحیٰ ہے،
عنوانِ فلک ہے درِّ منثور لوحِ زرینِ سورۂ نور،
اطرافِ بیاضِ مطلعِ صاف والفجر کے حاشیہ پہ کشاف
ہر دشت ہے مثلِ دشتِ ایمن ہر کوہ برنگِ طور روشن
گردون کے غلاف مین ہے نہان مشکوۃ شریفِ مہر تابان
ظلمت کا چراغ بے ضیا ہے انجم کا ستارہ ڈوبتا ہے،
ہنگام سپیدۂ سحر گاہ ساعات مین روز و شب کے واللہ
اک مخبرِ صادق البیان ہے، پیغمبرِ آخر الزمان ہے،
کیفیتِ وحی مین ہے بلبل ہے وقتِ نزولِ مصحفِ گل
سبزہ ہے کنارِ آب جو پر، یا خضر ہے مستعد وضو پر،
نوبت ہے صدائے قمریان کی تیاری ہے باغ مین اذان کی
اک شاخ رکوع مین رکی ہے اور دوسری سجدہ مین جھکی ہے
سوسن کی زبان پر مناجات جاری لبِ جو سے التحیات
تسبیح شگوفہ یا مصوّر تحریمۂ تاک ربِّ اغفر
اللہ اللہ کیا سمان ہے، ہر شئ کو حیاتِ جاودان ہے،
سرسبزی ہے باغ مین جہان کی آمد ہے بہارِ بے خزان کی،
لوح و قلم ادیبِ تقدیر محو خطِ نسخِ عالمِ پیر،
ایام کا بخت پھر جوان ہے پھر عہد شباب آسمان ہے

ہستی و عدم میں ایک سے ہے　　لاشے کے بھی لب پہ آج نے ہو
کیفیتِ خرمی سے آج مسرور　　رنگین طبعانِ عالمِ نور،
رضوان نے کہیں سبیل رکھی　　ہر کوزے میں سلسبیل رکھی
تیار کئے بحکم باری　　میکائیل اک طرف نہاری
آئی ہے ساغر و صراحی　　کوثر سے کھنچی ہوئی صبوحی
گلدستے بہشت نے بنائے　　جبرئیل درود پڑھتے آئے،
بیٹھے ہوئے ہیں خوشی سے پھولے　　غلمان لئے ہار، حور گجرے
خاکہ ہے زمین میں آسمان کا　　نقشہ ہے مکان میں لامکان کا
گویا اُتر آئے ہیں زمین پر　　مینا بازارِ چرخِ اخضر،



ناگاہ بجلوۂ عبارت　　پیدا ہوئی غیب سے بشارت
یہ صبحِ سعادتِ جہان ہے،　　نوروزِ بہارِ جاودان ہے
نازل ہے زمین پہ کبریائی　　بندے کے لباس میں خدائی
اس وقت دیار میں عرب کے　　مطلع سے تجلیاتِ رب کے
برجِ شرفِ قریشیان میں　　اور ہاشمیوں کے خاندان میں،
کعبے کی زمینِ نامور سے　　اور عبد المطلب کے گھر سے
اسلام کا آفتاب چمکا،　　بے پردہ و بے نقاب چمکا
پیدا ہوئے سرورِ دو عالم،　　پیدا ہوئے فخرِ نوح و آدمؑ
محبوبِ خدا نبیِ مرسل　　صبح دو مینِ روزِ اوّل،

مقصود ازل اجل و اعلیٰ، منظورِ حضورِ حق تعالیٰ،
عین عرفانِ دمِ ردم و عین ابروے جبین، قاب قوسین
جان و دل مرسلین محمدؐ، روحِ روح الامین محمدؐ
کیفیتِ وجد مین ہے اب ذوق کہتا ہے خطیب خامۂ شوق
ہے ذکرِ ولادتِ پیمبرؐ اعلیٰ اوسے اہمّ و اکبر،

چراغِ کعبہ کا نمونہ

جبریلؑ

عمان کرم کے در منثور، قرآن شرف کے سورۂ نور
مانند دعا زمین پہ نازل مانندِ دعا سپہر منزل
منشورِ اوامر و نواہی، عنوانِ صحیفۂ الٰہی،
وارد ہوے ابرسان زمین پر ساتھ اون کے براقِ برق پیکر

براق

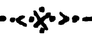
چھوٹا سا فرس فرشتہ ہیکل کھیت اوس کا بہشت خلد جنگل
مہ پارہ فلک سے آنے والا، اطلس کو کتان بنانے والا،
یون چرخ سے نکلے وہ سبک رو فانوس سے جس طرح کہ پرتو
شیشے سے پری چمن سے شبنم سیپی سے گہر حباب سے دم

گلشن سے بہار جسم سے جان　　آنکھون سے نیند دل سے ارمان



درود

حاضر ہوئے اوس کے آستان پر　　جس کا کہ مکان ہے لامکان پر
محبوب خدائے انس وجان کا　　مقصود رموز کن فکان کا ،
ہاشم کی کلاہ مین گلِ تر ،　　دامن مین قریشیون کے گوہر ،
امکان کے گھر کا ابر نیسان　　دریاے قدم کا شاخِ مرجان
صانع کے قلم کا رنگِ ایجاد　　بندون کے چمن کا سرو آزاد
ایمان کی سند کا نقشِ خاتم　　عرفان کے نگین کا اسم اعظم
لاہوت مقام عرش مسند　　شاہنشہِ انبیا محمدؐ ،



بیداری

آداب سے آپ کو اُٹھایا　　یا اپنے نصیب کو جگایا ،
بیدا ہوئی جو چشم حق بین　　آہو ہوئی شکل خواب شیرین
دیکھا کہ عجیب ماجرا ہے ،　　گھر برجِ قمر بنا ہوا ہے ،
انشاے رموز غیب مخبر ،　　ہونے کا نہین یہ دن کبھی پھر
سونا کبھی ہو نہ جگانا ،　　لیتا رہے کروٹین زمانا ،
طالع مین نہین یہ شب کسی کے　　اختر سو بار سو کے جاگے ،
ہوگی نہ یہ پھر زمین کی توقیر　　مٹی ہو ہزار بار اکسیر ،

انوار کا ہے ورود پیہم ، تارون کی برس رہی ہو شبنم ،
جبریل ہین اور براق بھی ہے ، قاصد بھی ہے اشتیاق بھی ہے ،

سیر مقام اعلیٰ

زیرِ قدمِ جنابِ والا ، اعلیٰ سے تھا جو مقامِ اعلیٰ
دِل کی تگ و دو تھی دم سے آگے سرچار قدم قدم سے آگے
چمکا ہوا ایمنِ تجلّی ، پھیلا ہوا دامنِ تجلّی ،
وحدت کا کھلا ہوا وہ ناکا جس مین نہین دخل ماسوا کا
رفتہ خیال جہت و جو کے ، چھاپے لئے خونِ آرزو کے
ایسر کے تہ نشین سفینے ، ٹوٹے ہوئے حوصلے کے زینے
ڈھیلی ہوئین ہمتون کی جانین اتری ہوئین چلّے سے کمانین
بیٹھے ہوئے دور باش ادب کی طوبیٰ و بہشت و عرش و کرسی
جانے کا نہ لے سکین ملک نام روحون کا پہنچ سکے نہ پیغام
تاثیر دعا کے در سے محروم کوشش شرفِ اثر سے محروم
انسان کی وان تھی کب رسائی آنکھون مین کشش اٹھا کے لائی
وہ مردمِ چشمِ دین و ایمان کحل البصرِ وجوب و امکان
آنکھون کو تلاشِ جلوۂ رب کانون مین صدائے نحن اقرب
آیا سوئے بزم لی مع اللہ آئینہ مین جیسے پرتو ماہ ،
پہنچا وہ وہان جہان نہ پہنچے جبریل کی عقل کے فرشتے

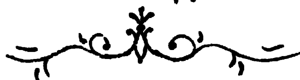
نزدیک خدا حضور پہونچے　　　اللہ اللہ دور پہونچے،



مدیح خیر المرسلین

تشبیب

سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل　　　برق کے کاندھے پہ لاتی ہو صبا گنگا جل
گھر مین اشنان کرین سرو قدانِ گوکل　　　جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہو اک طولِ امل
خبر اڑتی ہوئی آئی ہو مہابن مین ابھی　　　کہ چلے آتے ہین تیرتھ کو ہوا پر بادل
کالے کوسون نظر آتی ہین گھٹائین کالی　　　ہند کیا ساری خدائی مین بتون کا ہو عمل
جانبِ قبلہ ہوئی ہو یورشِ ابرِ سیاہ　　　کہین پھر کعبہ مین قبضہ نہ کرین لات و ہبل
دہر کا ترسا بچہ ہو برق لئے جل مین آگ　　　ابر چوٹی کا برہمن ہو لئے آگ مین جل
ابر پنجاب تلاطم مین ہو اعلیٰ ناظم　　　برق بنگالہ ظلمت مین گورنر جنرل
نہ کھلا آٹھ پہر مین کبھی دو چار گھڑی　　　پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل
ڈوبنے جاتے ہین گنگا مین بنارس والے　　　نوجوانون کا سنیچر ہے، یہ بڑھوا منگل
شاہدِ کفر ہے مکھڑے سے اٹھائے گھونگھٹ　　　چشمِ کافر مین لگائے ہوئے کافر کاجل
جوگی بھیس کئے چرخ لگائے ہو بھبوت　　　یا کہ بیراگی ہو پربت پہ بچھائے کمل
وہ دھوان دھار گھٹا ہو کہ نظر آئے نہ شمع　　　گرچہ پروانہ بھی ڈھونڈھے اوسے لیکر مشعل
ابر بھی چل نہین سکتا وہ اندھیرا گھپ ہے　　　برق سے عدیہ کہتا ہو کہ لا نا مشعل



غزل

سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
تیرتا ہے کبھی گنگا کبھی جمنا بادل

خوب چھایا ہے سرِ گوکل و متھرا بادل
رنگ مین آج کنہیا کے ہے ڈوبا بادل

سطحِ افلاک نظر آتی ہے گنگا جمنی
روپ بجلی کا سنہرا ہے روپہلا بادل

بجلی دو چار قدم چل کے پلٹ جائے نہ کیون
وہ اندھیرا ہے کہ پھرتا ہے بھٹکتا بادل

میری آنکھون مین سما نہین یہ جوش و خروش
کسی بیدرد کو دکھلائے کرشما بادل

دلِ بیتاب کی اُن سی چمک ہے بجلی
چشمِ پُر آب کا ہے ایک کرشما بادل

طپشِ دل کا اثر ہے یہ نقشہ بجلی
چشمِ پُر آب کا دھویا ہوا خاکا بادل

اپنی کم ظرفیون سے نہ فلک پر چڑھ جائے
میری آنکھون کا ہے اترا ہوا صدقا بادل

جامِ عمرِ فلکِ پیر ہوا ہے لبریز،
لئے آتا ہے جنازہ دیئے کاندھا بادل

راجہ اندر ہے پری خانے کا بانی
نغمۂ نے کا سری کشن کنہیا بادل

دیکھتا گر کہین محسن کی فغان و زاری
نہ گرجتا کبھی ایسا نہ برستا بادل

گریز

روئے معنی ہے بھٹکنے مین بھی اعلیٰ کیطرف
تاکتا ہے تو ثریا کی سنہری بوتل

اک ذرا دیکھئے کیفیتِ معراجِ سخن
ہاتھ مین جامِ زحل شیشۂ مہ زیرِ بغل

گرتے پڑتے ہوئے مستانہ کہان رکھا پاؤن
کہ تصور بھی وہان جا نہ سکے سر کے بل

یعنی اس نور کے میدان مین پہنچا کہ جہان
خرمنِ برق تجلی کا لقب ہے بادل

تار بارانِ مسلسل ہے ملائک کا ورود
پئے تسبیحِ خداوندِ جہان عز و جل

گلِ بیرنگیِ مطلق کے لہکتے گلزار
بے نیازی کے ریاحین مہکتے جنگل

باغِ تنزیہہ مین سرسبز نہالِ تشبیہ
انبیا جس کی ہین شاخین عرفان ہین کوپل

گلِ خوشرنگ رسولِ مدنی عربی
زیبِ دامانِ ابد طرۂ دستارِ ازل

سراپا کے چند بند

للہ الحمد شبِ غم نے اٹھایا بستر
مرحبا طالعِ بیدار مبارک ہو سحر،

مژدہ اے دل کہ ہوا نورِ خدا پیشِ نظر
بارک اللہ طبیعت کا ہو رنگِ دیگر

گرنہو پاس ادب تو مجھے کچھ دعوی ہے،
سجدہ کرتے ہین ملائک مرا وہ رتبہ ہے

لامکان تک لئے جاتی ہو مجھے طبعِ رسا
لڑگیا عرش کے پایے سے سخن کا پایا

ہو رہا ہے صفِ ارواح مین میرا چرچا
خیر مقدم کی چلی آتی ہو ہر سو سے صدا

بزمِ قدسی کا بلایا ہوا مہمان ہون مین،
ملک آنکھون پہ بٹھاتے ہین وہ انسان ہون مین

آج کس دھوم سے خدامِ سخن آتے ہین
مسندین فکر کی محفل مین بچھا جاتے ہین

تنگیِ بزمِ جہان دیکھ کے گھبراتے ہین
گاؤ تکیہ کرۂ ارض کا اٹھواتے ہین،

جشن کا روز ہے معنی کی شہِ اقدس کا،
اور اونچا کرو خیمہ فلکِ اطلس کا

ہم دکھاتے ہین طبیعت سے تماشے کتنے
عالمِ نور مین چھوڑ آئے ہین شوشے کتنے

حل کئے غنچۂ خورشید سے نکتے کتنے
عقدِ پروین سے لکھے ہم نے معمے کتنے

سادہ کاغذ ورقِ مہرِ درخشان ہے آج
دستِ پرنورِ عطار دمین قلمدان ہے آج

تضمین

کنوین جھانکا کردن کنعان کے تو سودا ہی مجھے — طور پر جاؤن تو ناحق کا بھٹکنا ہی مجھے
خبط ہے گر سرِ اعجازِ مسیحا ہے مجھے — سچ تو یہ ہے کہ ترے گھر مین کمی کیا ہی مجھے

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری،
انچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری



دور سوم

جدید شاعری کا آغاز

اردو شاعری کا یہ نیا دور اوس وقت سے شروع ہوتا ہے، جب کہ پنجاب کے دار السلطنت لاہور مین کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم ہوکر آئے، اور اون کو اردو زبان کی اصلاح کی طرف توجہ ہوئی، اس کے لئے انھون نے اردو مین قواعد کی چھوٹی چھوٹی کتابین تیار کرائین اردو نثر مین قصے لکھوائے، مضمون نگاری کو ترقی دینے کے واسطے ایک سرکاری اخبار نکالا، اور ایک مشاعرے کی بنیاد ڈالی،

اس مشاعرے مین بجائے مصرعۂ طرح کے عنوان مضمون دیا جاتا تھا تاکہ عاشقانہ خیالات کی جگہ پر مناظر قدرت اور جذباتِ انسانی کے خاکے کھینچے جائین، سب سے پہلے مولوی محمد حسین آزاد، اور مولانا الطاف حسین حالی نے جو اردو شاعری مین ذوق و غالب کی یادگار تھے، اور حسنِ اتفاق سے ان کا تعلق سررشتۂ تعلیم سے تھا، بطور نمونے کے چھوٹی چھوٹی مثنویان لکھین،

کوئی طرز بھی ہو اول اول اوس مین کمزوریان ہوتی ہین، لیکن رفتہ رفتہ اوس مین تراش خراش ہوتی ہے، اور وہ حسن کے سانچے مین ڈھل جاتا ہے، یہی حالت اس طرز کی بھی ہوئی، پہلے پہل، اخبارون مین غل شور برپا ہوا، پھبتیان اوڑائی گئین، اور کمزوریون کو خوب نمایان کر کرکے دکھایا گیا، مگر اب آندھی نکل گئی ہے، اور یہ طرز اتنا مقبول ہوگیا ہو کہ کہن سال اور کہنہ مشق شاعر جن کی ساری عمر گل و بلبل کی داستان سرائی مین بسر ہوئی تھی اسی طرز پر اتر آئے ہین

مولوی محمد حسین آزاد،

مولوی محمد حسین خلف مولوی باقر علی، آزاد تخلص، دلی کے رہنے والے اور قوم کے مغل تھے،
شمالی ہندوستان مین اردو اخبار پہلے پہل مولوی باقر علی کے قلم سے نکلا ہے،

مولوی باقر علی کا بچپن سے شیخ محمد ابراہیم ذوق سے یارانہ تھا، اوس زمانے کی یاری رشتے اور ناطے سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہوتی تھی، اس لحاظ سے استاد ذوق آزاد کو اپنا بھتیجہ سمجھتے تھے انھین کے سایۂ عاطفت مین آزاد نے تعلیم و تربیت پائی اور اون کے مرنے کے بعد حکیم آغا جان عیش[1] کے فیض صحبت سے فائدہ اٹھایا،

غدر کے ہنگامے مین آزاد کا گھر بار لٹ گیا، باپ شہید ہوئے اور استاد کی عمر بھر کی کمائی جکو اپنی جان کے برابر عزیز رکھتے تھے. برباد ہو گئی، کچھ دنون پریشان حالی مین ادھر اودھر مارے مارے

---

[1] خاندانی طبیب تھے، اور شاہی دربار سے تعلق تھا، آزاد کہتے ہین کہ زیور علم اور لباس کمال سے آراستہ، صاحب اخلاق خوش مزاج، شیرین کلام شگفتہ صورت. جب دیکھو یہی معلوم ہوتا تھا کہ مسکرا رہے ہین، ساتھ ہی شعر کا عشق تھا طبیعت ایسی ظریف و لطیف اور لطیفہ سنج پائی تھی کہ جسے شاعری کی جان کہتے ہین، غزل صفائی کلام، شوخی مضامین اور حسن محاورہ سے پھولون کی چھڑی ہوتی تھی، اور گویا لطائف و ظرائف کی پھلجھڑی،

آزاد نے ان کو پہلے پہل استاد ذوق کے ساتھ مشاعرہ مین دیکھا تھا، کہتے ہین کہ اوس وقت کی تصویر اس وقت آنکھون مین پھر گئی، میانہ قد، خوش اندام، سر پر ایک انگل بال سفید، ایسی ہی ڈاڑھی، اس گوری سرخ و سفید رنگت پر کیا بھلی معلوم ہوتی تھی، گلے مین ململ کا کرتہ، جیسے چنبیلی کا ڈھیر پڑا ہنس رہا ہے، استاد مرحوم کے بعد ذوق سخن اور اون کی کمال کشش نے کھینچ کر اون کی خدمت مین بھی پہنچایا، اب ان صورتون کو (بقیہ صفحۂ آیندہ پر)

پھرتے رہے، آخر کار لاہور پہنچے، او رسررشتہ تعلیم کے دفتر مین پندرہ ماہوار کی اسامی مل گئی، اس پر مدتون پڑے رہے، رفتہ رفتہ پچھتر روپیہ ہو گئے، پھر اور کچھ بڑھ گئے، اور ان کو موقع ملا کہ یہ اپنی کارگذاری کے جوہر دکھائین، اوس وقت گورنمنٹ کو بھی اردو کے نشو و نما و ترقی کی فکر تھی، ان کو اِس سے خاص طرح کا لگاؤ تھا، انجمن پنجاب مین مشاعرہ کی بنیاد ڈالی گئی اور بجاے طرح کے مصرع کے مضمون کا عنوان دینا قرار پایا، اُنھون نے نمونے کے طور پر کئی نظمین لکھین، اور مقبول ہوئین،

اسی اثنا مین تعلیمی کامون کے علاوہ ملکی کامون مین بھی ان کو شریک کیا گیا، ایک مرتبہ کسی سرکاری کام پر کلکتہ بھیجے گئے، کچھ دنون کے بعد پنڈت من پھول میر منشی گورنمنٹ پنجاب کے ہمراہ کابل و بخارا کا سفر کیا، پھر ایران گئے،

کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم نے قصص ہند کا دوسرا حصہ اِن سے لکھوایا، اوس کے بعد اونھون نے خود اپنی خواہش سے نیرنگ خیال کے دو حصے تالیف کیے اور اوس مین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶۶) آنکھین ترستی ہین اور نہین پاتین، غدر کے کچھ دنون بعد دنیا سے انتقال کیا، افسوس ہے کہ آزاد نے ان کے دو شعر بھی نہین لکھے،

سب سے زیادہ حیرت یہ ہے کہ نواب مصطفیٰ خان مرحوم نے گلشن بیخار مین اُن کا ذکر بھی نہین کیا، دو شعر مخزن شعرا سے اور ایک آبحیات سے نقل کرتا ہون،

کہتا ہے کوئی شعلۂ جوالہ کوئی برق　　　اس دل پہ گمان لوگون کا کیا کیا نہین ہوتا



اک لٹ کا بل ہو تو کہون سینکڑون بل ہین　　　پیشانی سے ابرو تلک ابرو سے کمر تک



انگریزی طریقہ کی مضمون نویسی کا چربہ اتارا،

سب سے بہتر اور عمدہ تصنیف اِن کی آبحیات ہے، جو اردو زبان اور ریختہ شعر کی تاریخ مین پہلی کتاب اور اردو انشا پردازی کا بہترین کارنامہ ہے، عبارت کی بیساختگی اور برجستگی، اور اوس مین شاعرانہ تخئیل استعارون کی دلفریبی کے ساتھ ایسی چیز ہے، جس پر غزلون کے سینکڑون دیوان قربان کردینے کے قابل ہین،

اس کتاب کی مقبولیت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ جو غلط اور نادرست روایتین مصنف کے جادو نگار قلم نے لکھدی ہین، وہ آج اردو کی انشا پردازی کے قالب مین روح کی طرح سے پیوست ہوگئی ہین اور ضرب المثل کی طرح زبانون پر چڑھ گئی ہین، جس طرح سے اقلیدس کے اُصولِ موضوعہ بے چون وچرا مانے جاتے ہین، اوسی طرح سے اون کو بے تکلف کام مین لایا جاتا ہے،

آزاد کی ایک اور تصنیف دربار اکبری ہے، جو اوسی قلم کی کشش کا نتیجہ ہے جس نے آبحیات لکھی تھی، فرق اتنا ہو کہ اوس کے سودے کو وہ خود صاف نہین کرسکے، یکایک دماغ بگڑ گیا، ف اون کے شاگردون نے اوس کو مرتب کرکے شائع کردیا،

ایک اور تصنیف اون کی سخندان فارس ہو، جو ایران سے لوٹنے پر لکھی تھی، علاوہ ان کتابون کے مجموعۂ نظم اردو، قواعد اُردو، اور چھوٹی چھوٹی درسی کتابین ہین جو سررشتۂ تعلیم کے تعلق سے لکھی تھین،

اخیر زمانہ مین پچھتر روپیہ ماہوار کی پنشن ہوگئی تھی، مگر دماغ کے بگڑ جانے سے یہ کام کے نہین رہے تھے، ۱۹۰۸ء مین وفات پائی،

صنم ہے گردشِ عالم نگاہِ مہر سے تیرے ... اگر تو مہربان ہوتا تو عالم مہربان ہوتا

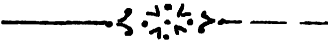
سراپنا کاٹ کے پھینک آیا کوے قاتل مین
یہ بوجھ تھا مری گردن پہ سو اُتار آیا،



جوان معرکۂ حسن وعشق تھا آزاد
چلا نہ دل پہ جو قابو تو جان ہار آیا،



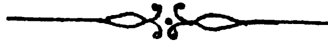
ادھر بھی چشمِ عنایات ہو ذرا ساقی
کہ مست دیر سے امیدوار بیٹھے ہین،
کمان ابروے جانان کے دل سے ہون قربان
کہ جتنے تیر ہین سینے کے پار بیٹھے ہین،



آفرین ہمت کو اوس کے دل کی جس نے عشق مین
جان تک پیاری نہ کی ایسا جگر والا تو ہو
ناخنِ خار ایک کے خود کر دیگا تیرا عقدہ وا،
پہلے پائے شوق مین پیدا کوئی چھالا تو ہو



پوچھتا حالت ہو کیا مرے دلِ ناشاد کی
آہ کی ہمت نہین طاقت نہین فریاد کی،



دیکھنا قیدِ تعلق مین نہ آنا آزاد،
دام آتے ہین نظر سبحہ و زنار مجھے



سنے گا دیکھنا رو رو کے آوازاک جہان میری
تمھارے عشق کی ہو داستان ورد زبان میری
تقاضا ہو گریبان کا کہ مجھکو چاک کر ڈالو
تمنا ہو یہ دامن کی اڑا دو دھجیان میری

از مثنوی شب قدر

اے رات ترے وصف کہان تک قلم کرون
اور اتنی روشنائی کہان سے بہم کرون

دہ آفتاب تھا جو چمکتا جہان پر، | بیٹھا تھا جس کا سکہ زمین آسمان پر
مُوسلے ہوئے شفق کا نشان زرق برق سے | رکھکر کرن کا تاج نکلتا تھا شرق سے
اوس کے عمل کا توڑنا تیرا ہی کام ہی | سکہ ہی اب ستارون پہ اور تیرا نام ہی
محنت ثمر تھا اِس کا تو راحت تھا پھل ترا | چاندی تھا اوس کا حکم تو سونا عمل ترا

از مثنوی ابرِ کرم

چلنا وہ بادلون کا قدم چوم چوم کر، | اور اٹھنا آسمان کی طرف جھوم جھوم کر
بجلی کو دیکھو آتی ہی کیا کوندتی ہوئی | سبزہ کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا روندتی ہوئی
آتی ادھر صبا ہی اودھر ہے نسیم بھی، | اور اون کے ساتھ ساتھ ہی آتی شمیم بھی
مستی مین جھومنا وہ جوانانِ باغ کا | جھک جھک کے لینا ہاتھ سے گل کے ایاغ کا
سبزے کے عکس سے در و دیوار سبز سبز | سیراب باغ و دشت تو کہسار سبز سبز
جھولون مین نوجوان ہین پینگین چڑھا ہے | اور بچے آم کے ہین پپیہے بجا رہے،
ساون کے گیت اٹھا رہی طوفان دلون مین ہین | پردیسیون کی یاد سے ارمان دلون مین ہین

ہر تان مین ملہار کی مستی کا شور ہے،
بادل گرج کے پردے مین دیتا ٹکور ہے،

خواجہ الطاف حسین حالیؔ،

" مولوی الطاف حسین خلف خواجہ ایزد بخش پانی پتی امروز در دہلی است در صحبت

حضرت شیفتہ کیلئے بسر بردہ مرزا غالب را فرو ہیدہ یادگار است و در نغز سرآئی نادرہ

گفتار، اعطر کلیم،

مولانا الطاف حسین حالی اس زمانہ کے مسلم الثبوت شاعرون مین شمار کئے جاتے تھے۔ اون کی نظمین ہندوستان مین بچہ بچہ کی زبان پر ہین، اون کی ولادت پانی پت مین ۱۲۵۳ھ کو ہوئی، دادھیال اون کا انصاری اور ننہیال سادات کے ایک معزز گھر انے مین تھا،

ولادت کے بعد اون کی والدہ کا دماغ مختل ہو گیا، جب نو سال کے ہوئے، تو والد نے رحلت کی، اس وجہ سے تعلیم و تربیت کا جیسا انتظام ہونا چاہئے تھا۔ وہ ان کو میسر نہین ہوا، قرآن شریف حفظ کرنے کے بعد اپنے شوق سے سید جعفر علی سے کچھ فارسی پڑھی؛ اوس کے بعد مولوی ابراہیم حسین انصاری سے جو شیعیون مین ایک جید عالم تھے، عربی شروع کی، ابھی اچھی طرح کتابین نکلی نہ تھین کہ اون کے سرپرستون نے مجبور کر کے شادی کردی، اوس وقت اون کا سن سترہ سال کا تھا، شادی کے بعد یہ روپوش ہو کر دلی چلے گئے،

دلی مین مولوی نوازش علی مرحوم سے صرف و نحو اور منطق کی کتابین پڑھین، عربی مین اچھی طرح استعداد نہ ہونے پائی تھی کہ اہل وطن نے ان کو پانی پت بلا لیا، یہ وطن مین تھے کہ ہندوستان مین غدر ۱۸۵۷ء کا محشر خیز ہنگامہ برپا ہو گیا، اور چھ سات برس تک ان کو نکلنے کا موقع نہ ملا، تاہم کچھ نہ کچھ کرتے رہے، مولوی محب اللہ، مولوی قلندر علی اور مولوی عبدالرحمن محدث سے بغیر ترتیب و انتظام سے کبھی کبھی منطق و فلسفہ کی کتابین پڑھین، کبھی حدیث و تفسیر کا درس لیا، جب یہ لوگ باہر چلے جاتے تو شروح و حواشی کی مدد سے ادب کی کتابین بطور خود

مطالعہ کرتے رہتے تھے۔

جس زمانہ مین دلی مین تحصیلِ علم کے لئے ٹھہرے ہوئے تھے، اون کو اکثر مرزا غالب کے پاس جانے کا اتفاق ہوتا تھا، اون کے اردو فارسی دیوان کے اشعار جو سمجھ مین نہ آتے تھے اون کے معنی اون سے پوچھا کرتے تھے، اُسی زمانہ مین مرزا نے اپنے فارسی کے دیوان کے چند قصیدے بھی ان کو پڑھا دیئے تھے، مرزا غالب کی عادت تھی کہ وہ اپنے ملنے والون کو اکثر فکرِ شعر سے منع کرتے تھے، انھون نے جو ایک دو اردو یا فارسی کی غزلین کہہ کر مرزا کو دکھائین تو انھون نے کہا کہ مین اگرچہ کسی کو شعر کہنے کی صلاح نہین دیتا، مگر تمھاری نسبت میرا خیال یہ ہے کہ اگر تم شعر نہ کہو گے تو اپنی طبیعت پر سخت ظلم کرو گے، مگر دلی مین ان کو ایک دو غزل سے زیادہ کہنے کا اتفاق نہین ہوا۔

غدر کے بعد جب کئی برس پانی پت مین ان کو بیکار رہتے گذر گئے، اور فکرِ معاش نے انھین وطن سے باہر جانے پر مجبور کر دیا، تو حسنِ اتفاق سے نواب مصطفٰے خان شیفتہ رئیسِ جہانگیر آباد سے شناسائی ہو گئی، اور ان کی مصاحبت مین رہنے کا موقع مل گیا، نواب مرحوم جس درجہ کے شاعر تھے اوس سے کہین زیادہ اون کا مذاقِ شاعری تھا، حکیم مومن خان کے بعد وہ اپنا کلام مرزا غالب کو دکھاتے تھے،

یہ جب اون کے پاس پہنچے تو اون کا پرانا شوق شعر و سخن کا جو ایک مدت سے افسردہ ہو رہا تھا، تازہ ہو گیا، اُنھون نے متعدد غزلین اردو فارسی کی لکھین اور جس طرح نواب مرحوم اپنا کلام جہانگیر آباد سے دلی مرزا کے پاس بھیجتے تھے اُنھون نے بھی بھیجین،

مرزا کی اصلاح نے ان کی طبیعت پر اتنا اثر نہین کیا جتنا کہ نواب مرحوم کے فیضِ صحبت سے یہ متاثر ہوئے، نواب مرحوم مبالغہ کو ناپسند کرتے اور حقائق و واقعات کے بیان مین لطف

پیدا کرنے اور سچی باتون کو محض حسنِ بیان سے دلفریب بنانے کو نتہائے کمال سمجھتے تھے، چھچھورے اور بازاری الفاظ و محاورات اور عامیانہ خیالات سے شیفتہ اور غالب کو یکسان نفرت تھی، انکی شاعری نے نواب مرحوم کے دامنِ تربیت مین پرورش پائی، اور اون کی صحبت مین رہکر ایک خاص مذاق اون کی طبیعت مین پیدا ہوگیا، جس پر انھون نے آگے چل کر جدید شاعری کی بنیاد ڈالی،

گورنمنٹ بک ڈپو کی ملازمت مین جب کہ اِن کو انگریزی سے اردو مین ترجمہ کی ہوئی کتابین درست کرنی پڑتی تھین تو رفتہ رفتہ اِن کو انگریزی خیالات اور انگریزی طرزِ ادا سے ایک خاص مناسبت پیدا ہوگئی، اور مشرقی شاعری، اور مشرقی انشا کے فضول حصون کی وقعت ان کے دل مین کم ہوتی گئی،

جب کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر صیغہ تعلیمات کے ایما سے لاہور مین ایک نئے قسم کے مشاعرے کی بنیاد ڈالی گئی، جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہندوستان مین پہلا مشاعرہ تھا اور جسمین بجائے مصرع طرح کے کسی مضمون کا عنوان شاعرون کو دیا جاتا تھا، مولانا حالی نے چار مثنویان لکھکر اس مشاعرہ مین پڑھی تھین، (۱) برکھارُت، (۲) نشاطِ امید، (۳) مناظرۂ رحم و انصاف، (۴) حبِ وطن، یہ مثنویان بہت مقبول، اور بار بار چھپ کر شائع ہوئین،

اینگلو عربک اسکول کی مدرسی کے زمانہ مین بھی کئی نظمین، اسی طرز کی لکھین جس کی تحریک لاہور کے مشاعرے مین ہوئی تھی، اسی زمانہ مین سر سید احمد خان مرحوم نے ان کو ترغیب دلائی کہ مسلمانون کے موجودہ تنزل اور پستی کی حالت اگر نظم مین بیان کیجئے تو بہت مفید ہوگی، انھون نے اون کی تحریک پر مسدس مد و جزر اسلام لکھا جو مسدس

حالی کے نام سے مشہور ہے، اور جس کے اشعار ہر شخص کی زبان پر ہین اور ہر قومی مجلس مین پڑھا جاتا ہے،

آخر عمر مین ایک حصہ اپنے عربی کلام کا شائع کیا ہے، اردو کا دیوان اُنھون نے مرتب کیا ہے، اور اردو شاعری پر سواد دسو صفحہ کا ایک مبسوط مقدمہ لکھکر اوس مین شامل کر دیا ہے، جو دیکھنے کے قابل ہے، اور اردو زبان مین اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل نئی چیز ہی، اوس سے مولانا کے مذاقِ شاعری کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہی،

اون کی مشہور تصنیف حیات سعدی ہے، جسمین شیخ سعدی شیرازی کے حالاتِ زندگی لکھے ہین، اور اون کی نظم و نثر پر نہایت عمدگی اور خوبی سے تنقید کی ہی،

ایک کتاب یادگار غالب ہی اوس مین مرزا نوشہ کے حالاتِ زندگی تفصیل سے لکھے ہین اور اون کے فارسی و اُردو اشعار کا انتخاب بھی شامل کر دیا ہی،

ایک کتاب حیات جاوید ہے، جس کی ضخامت ہزار صفحہ سے زیادہ ہے، اوس مین اونھون نے سرسید مرحوم کے حالاتِ زندگی لکھے ہین، اور اون کی تمام حیثیتون پر مورخانہ و فلسفیانہ بحث کی ہے،

علاوہ ان کتابون کے اور بھی اون کی تصنیفات ہین، جنمین سے کچھ شائع ہوئین، اور اب ملتی نہین، اور کچھ اب تک شائع نہین ہوئین،

بہر حال مولانا حالی اوس زمانہ کے اُن مشہور لوگون مین تھے، جھون نے پرانے مدرسہ مین تعلیم پاکر ایسے کارنمایان کئے. جن کی مثال تعلیم جدید اب تک نہین پیدا کر سکی،

۱۴ صفر سنہ ۱۳۳۳ھ کو مولانا نے وفات پائی،

یارب طلبِ وصل ہو یا ہو طربِ وصل　　جس دن کہ یہ دونوں نہ ہوں وہ دن نہ دکھانا

عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید　　خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

ملتے ہی اون کے بھول گئیں کلفتیں تمام　　گویا ہمارے سر پہ کوئی آسمان نہ تھا

روزِ وداع بھی شبِ ہجراں سے کم نہ تھا　　کچھ صبح ہی سے شامِ الم کا ظہور تھا

تعزیرِ جرمِ عشق ہے بے صرفہ محتسب　　بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد

دل سے خوشیاں سب ہوئی ہیں گوشہ گیر　　نام تھا شاید جوانی کا نشاط　ط

غنچہ چٹکا اور آ پہونچی خزاں　　فصلِ گل کی تھی فقط اتنی بساط

رہا ہوں رند بھی اے شیخ پارسا بھی میں　　مری نگاہ میں ہیں رند و پارسا اک ایک

اب بھاگتے ہیں سایۂ زلفِ بتاں سے ہم　　کچھ دل سے ہیں ڈرے ہوئے کچھ آسماں سے ہم

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور　　عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

بیقراری تھی سب امیدِ ملاقات کے ساتھ　　اب وہ اگلی سی درازی شبِ ہجران مین نہین

مین تو مین غیر کو مرنے سے اب انکار نہین　　اک قیامت ہے ترے ہاتھ مین تلوار نہین

یارانِ تیزگام نے محمل کو جا لیا　　ہم محوِ نالۂ جرسِ کاروان رہے،

چارہ گرِ کار باندازۂ تدبیر نہین　　کچھ بہت اگر وقتِ دعا یاد رہے

سخت مشکل ہے شیوۂ تسلیم　　ہم بھی آخر کو جی چرانے لگے

ہے کچھ اک باقی خلش اُمید کی　　یہ بھی مٹ جائے تو پھر کیا چاہیے،

ترکِ دنیا کے علائق تو کیے سب زاہد　　گر مناسب ہو تو اک ترکِ ریا اور سہی،

مشاعرہ کی طرح پر غزل نہ لکھنے کا عذر،

ہوئی ریعانِ جوانی کی بہار آخر حیف　　طبع رنگین تھی مے عشق کی جب متوالی
اپنی روداد تھی جو عشق کا کرتے تھے بیان　　جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی سراسر حالی
اب کہ نہ الفت ہے نہ چاہت نہ جوانی کی امنگ　　سر ہے سودا سے تہی عشق سے دل ہے خالی
گر غزل لکھیے تو کیا لکھیے غزل مین آخر　　نہ رہی چیز وہ مضمون سجھانے والی

آپ بیتی نہ ہو جو ہے وہ کہانی بے لطف — گرچہ ہون لفظ فصیح اور زبان ٹکسالی
ہان مگر کیجیے کچھ عشق کا غیرون کے بیان — لائیے باغ سے اورون کے لگا کر ڈالی
کھینچیے وصل صنم کی کبھی فرضی تصویر — کیجیے درد جدائی کی کبھی نقالی،
تاکہ بھڑکائے جوانی کے دل آتش کی طرح — وہ ہوا جس سے دماغ اپنا ہوا ہے خالی
پر یہ ڈر ہے کہین اپنی بھی وہی ہو نہ مثل — تجربہ چون پیر شود پیشہ کند دلالی

حملۂ نفس

ہم سمجھتے تھے کہ نفس دون ہمارے بس مین ہے — گر کبھی حملہ پہ اوس کے غالب آ جاتے تھے ہم،
پر جو دیکھا غور سے وہ بھبکیان تھین نفس کی — جنکو نادانی سے حملے اوس کے ٹھہراتے تھے ہم
جب کیا حملہ دیے سب عقل نے چھبّا ڈال — زور بازو پہ ہمیشہ جس کے اتراتے تھے ہم۔

قوم کی پاسداری

اک مسلمان خاص انگریزون پہ تھا یون نکتہ چین — پاس ان لوگون کو اپنی قوم کا ہے کس قدر
چاہتے ہین نفع پہنچے اپنے اہل ملک کو — گو کہ اون کے نفع مین ہو ایک عالم کا ضرر
کارخانہ کا یہ راجس کے کبھی چاقو نہ لین — اوس کا ہو بیچارہ ہندی بیچنے والا اگر
خوردنی چیزین جو یان سے لینی پڑتی ہین اونھین — اُن کو لندن سے منگائین بس چلے ان کا اگر
الغرض اہل وطن کی پاسداری کو یہ لوگ — جانتے ہین دین و ایمان اپنا قصہ مختصر
سن کے حالی نے کہا ہو حصر انگریزون پہ کیا — ایک سے ہو ایک قوم اس عیب سے آلودہ تر
ہین محبت مین سب اندھے اپنی اپنی قوم کے — یہ وہ خصلت ہو کہ مجبور اس پہ ہے طبع بشر
یکھیان جیسے نکل جاتے ہین یان قوم مین — اچھے اچھے امتیاز ور حق پسند اور دادگر
ہان بری اس حیثیت سے ۔۔۔ ۔ نہین ہے — چشم بد دور اے وراثت مرحوم اے جان پدر

اور قومون سے انھین لوگون کو ہے یہ امتیاز | حملہ جب کرتے ہین یہ کرتے ہین اپنی فوج پر
ہو گا خوف ایسا نہ دشمن سے کسی دشمن کو یہان | جس قدر ہے ان سے اپنون اور یگانون کو خطر

موجودہ ترقی کا انجام

پوچھا جو کل انجام ترقی بشر | یارون سے کہا پیر مغان نے ہنسکر
باقی نہ رہے گا کوئی انسان مین عیب | ہو جائین گے جہل جہلا کے سب عیب ہنر

توقع بیجا

ہین یار رفیق پر مصیبت مین نہین | ساتھی ہین عزیز لیک ذلت مین نہین
اس بات کی انسان سے توقع ہے عبث | جو نوع بشر کی خود جبلت مین نہین

کام کرنا جان کے ساتھ ہے

ہے جان کے ساتھ کام انسان کیلئے | بنتی نہین زندگی مین بے کام کئے
جیتے ہو تو کچھ کیجئے زندون کی طرح | مردون کی طرح جئے تو کیا خاک جئے

وقت کی مساعدت

اے وقت بگاڑ کا ہے سب کے چارہ، | پر تجھ سے بگڑنے کا نہین ہر یارا
ہو جائے گر ایک تو ہمارا ساتھی، | پھر غم نہین پھر جائے زمانہ سارا

فکر عقبیٰ

منزل ہے بعید باندھ لو زاد سفر | مواج ہے بحر رکھو کشتی کی خبر
گاہک جو کس ہے لے چلو مال کھرا | ہلکا کرو بوجھ ہے کٹھن راہ گذر



مولوی محمد اسمٰعیل صاحب میرٹھی،

محمد اسمٰعیل[۱] نام، وطن میرٹھ تھا، ۱۲ ر نومبر ۱۸۴۴ء کو پیدا ہوئے، ۱۶ سال کا سن تھا کہ سررشتۂ تعلیم کی ملازمت اختیار کی،

پہلے سررشتۂ تعلیم کے دفتر مین ملازم رہے، اس کے بعد اسکول مین ہڈ مولوی کے عہدے پر مامور ہوئے، اول سہارن پور، پھر میرٹھ مین مدت تک رہ کر ۱۸۸۸ء مین سنٹرل نارمل اسکول آگرہ کو تبدیل ہو گئے، چنانچہ اردو ریڈرون کی تصنیف قیام آگرہ کے زمانہ مین ۱۸۹۳ء کے درمیان کی، قریبًا ۱۲ سال آگرہ مین مدرس فارسی کے عہدہ پر مامور رہ کر ۱۸۹۹ء مین پنشن پائی، اور اپنے وطن مالوف میرٹھ مین واپس آکر قیام اختیار کیا،

ان کو تصوف کا بھی ذوق تھا، اور حضرت غوث علی شاہ قدس سرہ العزیز پانی پتی کے مریدانِ خاص مین تھے،

اردو زبان کی نظم اور نثر مین خواہ وہ عاشقانہ رنگ مین ہو یا تمدنی و اخلاقی و سیاسی ہو، قدیم و جدید ہر ایک طرز مین بلند پایہ رکھتے تھے، اور بقول مولانا شبلیؒ کے جدید رنگ مین مولانا حالی کے بعد اگر کسی نے سننے کے لائق کچھ کہا ہے تو وہ مولوی اسمٰعیل صاحب میرٹھی تھے،

مرحوم کا یہ بھی قصد تھا، کہ لغات اردو کی ترتیب اور قواعد اردو کی تکمیل

---

[۱] مرحوم مصنف نے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کا حال لکھنے کیلئے بیاض چھوڑ دی تھی مین اتنا حال لکھکر بڑھا دیا ہو، یہ حالات فیاض الدین صاحب میرٹھی نے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم کی وفات کے بعد دو مضمون مین لکھکر شایع کئے تھے، سید سلیمان ندوی،

جدید طرز پر اپنے خیالات مین کر جائین، چنانچہ اون کے مسودات محفوظ ہین، اور اون کے جانشینون سے اُمید ہے کہ اوس کی تدوین واشاعت کرکے پبلک کو مستفید کرین گے،

اون کی آخری علمی خدمت یہ تھی کہ وہ نواب محمد اسحٰق خان صاحب آنریری سکرٹیری ایم اے او کالج علی گڈھ کی فرمائش سے حضرت امیر خسرو کے کلام کی تنقید اور اونکی سوانح عمری نہایت مدلل طور پر مستند کتب و تواریخ وغیرہ سے مرتب کر رہے تھے، اور تنقید مثنوی قرآن السعدین منجملہ اس کے مکمل ہو چکی تھی، اور کچھ حصہ کتب مذکورہ کا مرحوم کے ناگہانی حادثہ کی وجہ سے نامکمل رہگیا،

پچھتر سال کی عمر مین یکم نومبر ۱۹۱۰ء کو اپنے وطن مین وفات پائی، اور وہین مدفون ہوئے،

کلیات ان کا چھپ چکا ہے، اور سررشتۂ تعلیم کے تعلق سے اردو ریڈرین ان کی اسکولون مین بسبب کمال سادگی اور سلاست کے مقبول ہو چکی ہین، ان سے بہتر درسی کتابین گورنمنٹ کا سررشتۂ تعلیم آج تک نہین لکھوا سکا،

نظم بے قافیہ کی بیرنگی کو اردو زبان مین گوارا اور پسندیدہ کرنا انھین کا کام ہے،

انھون نے غزلین بھی لکھی ہین اور وہ کلیات مین موجود ہین جو بلحاظ متانت بیان و پختگیِ الفاظ کے وہی انداز رکھتی ہین جو دیگر اساتذہ کے ساتھ مخصوص سمجھا جاتا ہے،

کھولا ہے مجھپہ سرِ حقیقت مجاز نے ۔۔۔ یہ پختگی صلہ ہے خیالاتِ خام کا

مین بے قرار منزلِ مقصود بے نشان ۔۔۔ رستہ کی انتہا نہ ٹھکانا مقام کا

وصل و فراق وہم سہی دل لگی تو ہے، ۔۔۔ پھر ہم کہان جو پردۂ رازِ نہان اُٹھا

اب اور ڈھونڈھئے کوئی جولانگہِ جنون | صحرا بقدرِ وسعتِ یک گام ہو گیا

سب جتایا کئے نیازِ قدیم | وہ کسی کا بھی آشنا نہ ہوا
کیا کھلے جو کبھی نہ تھا پنہان | کیون ملے جو کبھی جدا نہ ہوا
تو نہ ہو یہ تو ہو نہین سکتا | میرا کیا تھا ہوا ہوا نہ ہوا

ہے اشک و آہ راس ہمارے مزاج کو | یعنی پلے ہوئے اسی آب وہوا کے ہین
ان بدروون نے عشق کو بدنام کر دیا | جو مرتکب شکایتِ جور وجفا کے ہین

تو ہی نہین ہے رمزِ محبت سے آشنا | ورنہ دیارِ حسن مین رسمِ ستم نہین

خود فروشی حسن کو جب سے ہوئی مدِ نظر | نرخ دل بھی گھٹ گیا جانین بھی ارزان ہو گئین

کچھ ظلم ہے جو کرتے ہین کرم حضرت ناصح | تھے ورنہ مرے ایسے ہوا خواہ کہان کے

رہ گئی تیرے سوا شاید تمنا اور بھی | کچھ کھٹکتے ہین ابھی پہلوئے دل مین خار سے

بتلا دیا ہے راہ نمانے سمجھ بیتا | دنیا بھی اک مقام ترے رہگذر مین ہے
چل شاہراہِ دل مین اڑا توسنِ طلب | وحشت کا جوش چاہئے صحرا بھی گھر مین ہے

کشودِ کار سے تسکینِ دل کبھی نہ ہوئی — عجب نشاط تھی جو ترکِ مدعا نے دی،

کوئی دن کا آب و دانہ اور ہے — پھر چمن اور آشیانہ اور ہے
ہان دلِ بے تاب چندے انتظار — امن و راحت کا ٹھکانا اور ہے
شمع بھبکی، رات کم، محفل اوداس — اب مغنی کا ترانہ اور ہے،
اتفاقی ہے یہان کا ارتباط — سب ہین بیگانے یگانہ اور ہے

راحت جسے کہتے ہین وہ محنت کا صلہ ہے — راحت طلبی موجبِ راحت نہین ہوتی،

با این ہمہ درماندگی انسان کے یہ دعویٰ — کیا ذاتِ شریف ان کو بنایا ہے خدا نے

ہے آج رخ ہوا کا موافق تو چل نکل — کل کی کسے خبر ہے کدھر کی ہوا چلے،

برسات،

وہ دیکھو اٹھی کالی کالی گھٹا، — ہے چارون طرف چھانے والی گھٹا
گھٹا کے جو آنے کی آہٹ ہوئی، — ہوا مین بھی اک سنسناہٹ ہوئی
گھٹا آن کر مینہ جو برسا گئی — تو بے جان مٹی مین جان آگئی
زمین سبزے سے لہلہانے لگی، — کسانون کی محنت ٹھکانے لگی،
جڑی بوٹیان پیڑ آئے نکل — عجب بیل پتے عجب پھول پھل

ہر اک پیڑ کا اک نیا ڈھنگ ہے
ہر اک پھول کا اک نیا رنگ ہے

یہ دو دن مین کیا ماجرا ہو گیا،
کہ جنگل کا جنگل ہرا ہو گیا،

جہان کل تھا میدان چٹیل پڑا
وہان آج ہے گھاس کا بن کھڑا

ہزارون پھدکنے لگے جانور
نکل آئے گویا کہ مٹی کے پر



بارش کا پہلا قطرہ،

گھنگھور گھٹا تلی کھڑی تھی،
پر بوند ابھی نہین پڑی تھی،

ہر قطرہ کے دل مین تھا یہ خطرہ
ناچیز ہون مین غریب قطرہ،

تر مجھ سے کسی کا لب نہ ہوگا
مین اور کے گون نہ آپ جوگا،

کیا کھیت کی مین بجھاؤن گا پیاس
اپنا ہی کرون گا ستیا ناس

آتی ہے برسنے سے مجھے شرم
مٹی پتھر تمام ہین گرم،

خالی ہاتھون سے کیا سخاوت
پھیکی باتون مین کیا حلاوت،

کس برتے پہ مین کرون دلیری
مین کون ہون کیا بساط میری

ہر قطرہ کے دل مین تھا یہی غم
سرگوشیان ہو رہی تھین باہم

کھچڑی سی گھٹا مین پک رہی تھی،
کچھ کچھ بجلی چمک رہی تھی،

اک قطرہ کہ تھا بڑا دلاور
ہمت کے محیط کا شناور

فیاض و جواد و نیک نیت
بھڑکی اس کی رگِ حمیت،

بولا للکار کر کہ آؤ،
میرے پیچھے قدم بڑھاؤ،

کرگذرو جو ہوسکے کچھ احسان
ڈالو مردہ زمین مین جان

یارو یہ بچر بچر کہان تک
اپنی سی کرو بنے جہان تک

ملکر جو کروگے جانفشانی
میدان پہ پھیردوگے پانی

کہتا ہون یہ سب سے برملا مین
آتے ہو تو آؤ لو چلا مین،

یہ کہہ کے وہ ہو گیا روانہ
دشوار ہے جی پہ کھیل جانا

ہرچند کہ تھا وہ بے بضاعت
کی اوس نے مگر بڑی شجاعت

دیکھی جرأت جو اوس سخی کی
دو چار نے اور پیروی کی

پھر ایک کے بعد ایک لپکا
قطرہ قطرہ زمین پہ ٹپکا،

آخر قطرون کا بندھ گیا تار
بارش لگی ہونے موسلادھار

پانی پانی ہوا بیابان
سیراب ہوئے چمن خیابان

تھی قحط سے پایمال خلقت
اس منہ سے ہوئی نہال خلقت

جرأت قطرہ کی کر گئی کام
باقی ہے جہان مین آج تک نام

نظم بے قافیہ (تارون بھری رات)

اے چھوٹے چھوٹے تارو
کہ چمک دمک رہے ہو،

تمھین دیکھکر نہ ہووے
مجھے کس طرح تحیر،

کہ تم اونچے آسمان پر
جو ہے کل جہان سے اعلیٰ

ہوئے روشن اس روش سے
کہ کسی نے جڑ دیئے ہین

گہر اور لعل گویا

جو ہین آفتاب تابان
نے چھپایا اپنا چہرہ،

وہین جلوہ گر ہوئے تم
یہ تمھاری جگمگاہٹ

ہے مسافرون کے حق مین بڑی نعمت اور راحت
اگر اتنی روشنی بھی نہ میسر آتی اون کو،
تو غریب جنگلون مین یون ہی بھولتے بھٹکتے
نہ تمیز راس وچپ کی نہ طرف کی ہوتی اٹکل
نہ نشانِ راہ پاتے

وہ غریب کھیت والے وہ امیدوار دہقان
کہ کھڑی ہو جن کی کھیتی کہین کھیت کٹ رہا ہو
کہین گھہ رہا ہو خرمن کہین آنکھ اون کی جھپکی
یون ہی شام سے سحر تک ہین تمام رات جاگے
نہ گھڑی ہے وان نہ گھنٹہ نہ شمارِ وقت وساعت
مگر اے چمکنے والو! ہو تمھین انھین بتاتے،
کہ گئی ہے رات اتنی

وہ جہاز جن کے آگے ہے وسیع بحرِ اعظم
انھین ہولناک موجون سے مقابلہ ہے کرنا،
کوئی ہے چلا وطن سے کوئی آرہا ہے واپس
انھین کچھ خبر نہین ہو کہ کدھر ہے اونکی منزل
نہ تو مرحلہ نہ چوکی، نہ سراغ راہ کا ہے،
نہ کوئی دلیل و رہبر مگر اے فلک کے تارو
تمھین اون کے رہنما ہو،

سید اکبر حسین اکبر

سید اکبر حسین نام، اکبر تخلص میر تفضل حسین کے بیٹے، الہ آباد وطن ۱۲۶۲ھ ۱۸۴۶ء مین بمقام بارہ ضلع الہ آباد پیدا ہوئے، جہان اون کے چچا تحصیلدار تھے بچپن ہی سے آثار ذہانت و فرزانگی اون کے ناصیۂ اقبال پر درخشان تھے،

۱۲۸۴ھ ۱۸۶۷ء مین وکالت درجۂ اولی کا امتحان پاس کیا، ۱۲۸۶ھ ۱۸۶۹ء مین نائب تحصیلدار مقرر ہوئے، اور ایک سال بعد ہائیکورٹ مین مسل خوان ہو گئے، مگر اون کی ترقی خواہ طبیعت کے لئے یہ سہارا کافی نہین ہوا، ۱۲۹۰ھ ۱۸۷۳ء مین ہائیکورٹ کی وکالت مین کامیابی حاصل کی، اور چند برسون کے بعد منصف مقرر ہو گئے،

انگریزی بطور خود سیکھی تھی مگر عہدۂ منصفی مین قانونی قابلیت کے ایسے گران قدر جوہر ان سے نمایان ہوئے کہ سب ججی پر اون کو ترقی دیگئی، پانچ سال نہین گذرے تھے کہ ڈسٹرکٹ وسشن ججی کے لئے اون پر نظر پڑی، اور اوس کی قایم مقامی انھون نے سالہا سال کی، ۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء مین اپنے مستقل عہدہ ججی عدالت خفیفہ سے پنشن پر سبکدوش ہو کر خانہ نشین ہو گئے، اور گورنمنٹ نے بطور اعتراف خدمات کے "خان بہادر" کا خطاب عنایت کیا،

شعر و سخن کا ذوق اون کو بچپن سے تھا، کچھ دنون مولوی وحید الدین وحید[1] رئیس

---

[1] مولوی وحید الدین وحید کڑہ ضلع الہ آباد کے رہنے والے عالی خاندان اور ذی وجاہت بزرگ تھے، ایک بھائی مولوی رفیع الدین مرحوم لکھنؤ مین وکالت کرتے تھے، میرے بچپن مین اون کی وکالت اچھی تھی اور مہمان نوازی مین بہت مشہور تھے۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

کٹرہ ضلع الہ آباد سے جو مصحفی کے شاگرد تھے، مشق سخن کی، اور باوجودیکہ ساری عمر سرکاری ملازمت اور عہدہ ہائے جلیلہ کی ذمہ داریون مین بسر کی مگر چونکہ شعروسخن سے ازلی مناسبت تھی، ان مخصون پر بھی شاعری ترقی کرتی رہی،

جس زمانہ مین الہ آباد مین پڑھنے کو گیا ہون، اکبر کی شاعری کا آغاز تھا، ان کے چھوٹے بھائی اکبر حسن ستم اور نسبتی بھائی میر کاظم علی سے ہر وقت یکجائی رہتی تھی، اوس وقت اکبر کی نظمین اودھ پنچ مین چھپا کرتی تھین، اور اون کی شوخی اور ظرافت کا چرچا رہا کرتا تھا، یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ اکبر روم و روس کی جنگ کا حال نظم کر رہے ہین، خدا جانے انجام کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸۶) مولوی وحید الدین کہن سال اور کہنہ مشق شاعر تھے، مصحفی کا زمانہ انھون نے پایا تھا، اور اون سے مشورۂ سخن کیا تھا، الہ آباد کے اکثر شعراان کے شاگرد تھے، تحصیل علم کے لئے پہلی مرتبہ جو مجکو سفر کا اتفاق ہوا تو مین الہ آباد گیا، اوس وقت چودہ پندرہ برس کا سن تھا، وہان پہنچکر دیکھا کہ وحید میان کی شاعری کا غلغلہ بلند تھا، یون تو منشی غلام غوث خان بیخبر، مولوی غلام امام شہید، محمد جان حسرت، حکیم خلیل الدین خان وغیرہ بھی اپنے اپنے رنگ مین خوش گو سمجھے جاتے تھے، مگر وحید میان کا نام بہت وقار اور عزت کے ساتھ لیا جاتا تھا،

ایک مرتبہ وحید کے گھر مین آگ لگی، ان کو اپنا دیوان یاد آیا جو ساری عمر کی کمائی تھی، اوس کے نکالنے کو کوٹھڑی مین گھسے، دیوان تو ہاتھ آگیا، مگر دھوان اتنا بھر گیا تھا کہ نکلنے کو ان کو راستہ نہ سوجھا، جب لوگ تلاش کرتے ہوئے مکان کے اندر گھسے تو دیکھا کہ دیوان ہاتھ مین ہے، ایک کرسی پر بیٹھے ہین اور دم نکل چکا ہے، بچپن کے سنے ہوئے دو شعر اون کے یاد ہین،

ہم نے جب وادیِ غربت مین قدم رکھا تھا   دور تک یادِ وطن آئی تھی سمجھانے کو،



ہم نے اپنے آشیانے کے لئے   جو چبھے دل مین وہی تنکے لئے،

پہنچا یا نہین،

اوسی زمانہ مین انھون نے مسٹر بلنٹ کی فیوچر آف اسلام کا ترجمہ بھی اردو مین کیا تھا، جنگ روم وروس کا دلون پر اثر غالب تھا لوگون نے ہاتھون ہاتھ لیا، اور قدردانی کی،

پنشن لیکر خانہ نشین ہونے کے بعد اون کی شاعری چمکی، اور زمانے کے میلان عام اور جدید طرز معاشرت کی خرابیون کا جو اثر اون کے دل پر پڑا ہوا تھا، اوس کو ظرافت کے پردے مین ظاہر کرنے کی راہ اُنھون نے ڈھونڈھ نکالی،

میرے دوست شیخ عبدالقادر ایڈیٹر مخزن (حال خان بہادر جسٹس عبدالقادر) نے ایک بار مخزن مین اِن کے کلام پر بحث کرتے ہوئے خوب لکھا ہے، جو انھین کے لفظون مین سننے کے قابل ہے،

"ایک دن میرے ایک طباع دوست نے جو خود ایک نامور شاعر ہین مجھ سے پوچھا کہ تمھارے نزدیک اکبر کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت کیا ہے، مین نے کہا کہ مین یہ دیکھتا ہون کہ اکبر روشن خیالی کیساتھ مشرق کی سچی محبت کا دعویدار ہے، اوس کے نزدیک ہر مشرقی نژاد کا فرض ہے کہ اپنے وطن سے محبت رکھے، اپنے مذہب کی حفاظت کرے، اپنے بزرگون کا ادب ملحوظ رکھے، اور اپنے ہر رسم ورواج کو صرف اس لئے مذموم نہ سمجھے کہ وہ کسی مغربی رسم ورواج کے خلاف ہے، بلکہ جائز حد تک اپنی چیزون پر نازان ہو، اپنے ماضی سے واقف ہو، اپنے حال کی تنقید کر سکے، اور اپنے مستقبل کی نسبت اچھی امید رکھے، یہ خیالات اس زور اور اس خوبی کے ساتھ معاصرین مین سے کسی کے ہان نہین ملتے،

میرے دوست نے مجھ سے اتفاق رائے کیا اور یہ کہا کہ تمام باتین جو آپ نے بیان کین اکبر کے کلام مین پائی جاتی ہین، ایسی بہت سی اور جو گنی جا سکتی ہین، مگر آپ نے نہین گنین لیکن مین ان سب کو ایک مرکب لفظ مین ادا کرتا ہون اور کہتا ہون کہ اکبر لسان العصر ہے،

اکبر کے لئے لسان العصر کا خطاب اتنا موزون ثابت ہوا کہ ملک کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک اِس کی صدائے بازگشت پہنچ گئی، اور گورنمنٹ کے دیئے ہوئے خطاب سے اس نے زیادہ قبولیت حاصل کی،

افسوس ہے کہ ۱۳۴۰ھ کو لسان العصر کی زبان بند ہوگئی، اور جس منزل کی وہ دوسرون کو یاد اور زادِ راحلہ کے مہیا کرنے کی رغبت دلایا کرتے تھے وہی آخر کار اون کو پیش آگئی، ع

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

اِن کے کلیات کی تین جلدین اب تک شائع ہو چکی ہین، اور سنا ہے کہ خواجہ حسن نظامی اون کی سوانحعمری لکھ رہے ہین،

ہم آہ بھی کرتے ہین تو ہو جاتے ہین بدنام — وہ قتل بھی کرتے ہین تو چرچا نہین ہوتا

مری آنکھون سے ہی کیفیتِ مستیِ دل پیدا — لبِ ساغر سے افشا ہو رہا ہی رازِ مینا کا

ملا ہے ہم کو یہ مضمون روشن چشمِ بینا سے، — کہ چھوڑی جس نے خود بینی اوسے سب کچھ نظر آیا

ہے صاف نگاہون سے عیان جوشِ جوانی — آنکھون سے سنبھلتا نہین مستانہ پن اونکا

دیکھنے سے شوق پیدا شوق سے پیدا طلب — آفتِ دل آنکھ تھی دل آفتِ جان ہو گیا

ے اک جھلک ادن کی دیکھ لی تھی کبھی — وہ اثر دل سے آج تک نہ گیا ،

جو دل مین آتی ہے لے واعظو نہین رکتی — سکوت خوب ہے لیکن تمھین نے کیون نہ کیا

ضبط سے کام لیا دل نے تو کیا فخر کرون — اس مین کیا عشق کی عزت تھی کہ رسوا نہ ہوا

حیا سے سر جھکا لینا ادا سے سکرا دینا — حسینون کو بھی کتنا سہل ہے بجلی گرا دینا
ل یہ طرز احسان کرنیکا تمھین کو زیب دیتا ہے — مرض مین مبتلا کر کے مریضون کو دوا دینا

حلاوت زندگانی کی کہان اس تلخکامی مین ، — خدا کا حکم ہے ، جیتے ہین اے اکبر مزا کیسا

کیا پوچھتے ہو مجھ سے کہ مین خوش ہون یا ملول — یہ بات منحصر ہے تمھاری نگاہ پر ،

نہ تیر چشم جانان ہے نہ لطف غمزۂ ساقی — تو پھر صحن چمن مین دیدۂ نرگس سے کیا حاصل

ترچھی چتون سے خدا جانے وہ دیکھین مجھے کب — موت کا وقت کسی شخص کو معلوم نہین

ادھر ہم سے بھی باتین آپ کرتے ہین لگاوٹ کی — ادھر غیرون سے بھی کچھ عہد و پیمان ہوتے جاتے ہین

ہو جس طرف طبیعت لازم ہے شوقِ کامل — ہر بات مین اثر ہے ہر رنگ مین مزا ہی

کچھ قدر نہ کی عہدِ جوانی کی صد افسوس — ہم رہگئے غفلت مین یہ آیا بھی گیا بھی،

مین سمجھ گیا وہی ہے مرے پردۂ نفس مین — مجھے اب تو سانس لینا بھی ہی لطفِ زندگانی

میرے حواس عشق مین کیا کم ہین منتشر — مجنون کا نام ہو گیا قسمت کی بات ہی

اسبابِ انتشارِ جنون مجھ سے چھن گئے — مطلب ہی کہ عشق و جوانی کے دن گئے

اِس مے سے نہین مطلبِ دل جس سے ہی بیگانہ — مقصود ہی اوس مے سے دل ہی مین جو کھنچتی ہی

حضرتِ منصور انا بھی کہہ رہے ہین حق کیساتھ — دار تک تکلیف فرمائین جب اتنا ہوش ہی،

اخلاقی تعلیم ظرافت کے پیرایہ مین،

بے پردہ کل جو آئین نظر چند بی بیان — اکبر زمین مین غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو اون سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا — کہنے لگین کہ عقل پہ مردون کے پڑ گیا

معنوی کوئی بھی بہ نہ کہئے ترغیب ہے یہ — کس سے مین کہون کہ دل کی تخریب ہی یہ

شیطان کو رحیم کہدیا تھا اکؔ ن
اک شور مچا خلافِ تہذیب ہی یہ،

ہر چند کہ کوٹ بھی ہے پتلون بھی ہے،
بنگلہ بھی ہے، پاٹ بھی ہے، صابون بھی ہی
لیکن مین پوچھتا ہون تجھ سے ہندی
یورپ کا تری رگون مین کچھ خون بھی ہی

مذہب کی کہون تو دل لگی مین اڑ جائے
مطلب کی کہون تو پالسی مین اڑ جائے
باقی سر قوم مین ابھی ہی کچھ ہوش
غالب ہی کہ یہ بھی اس صدی مین اڑ جائے

جینا تھا جس قدر ہمین دنیا مین جی لئے
ساغر کئی طرح کے ملے اور پی لئے،
غم بھی رہا خوشی بھی، تحیر بھی فکر بھی،
جاتے ہین اب کہ آئے تھے ہم بس اسی لئے

عمل اون سے ہوا رخصت عقیدہ مین خلل آیا
کوئی پوچھے کہ اون کے ہاتھ کیا نعم البدل آیا
محلے مین نہ کی جب شیخ کی وقعت عزیزون نے
تو بیچارہ کمیٹی ہی مین جا کر کود اچھل آیا

مسجدین چھوڑ کے جا بیٹھے ہین میخانون مین
واہ کیا جوشِ ترقی ہے مسلمانون مین

پیر یون کے عاشقون کو سودا ہوا سون کا
جو پھاڑتے تھے جامہ اب کوٹ سی رہے ہین

آج بنگلہ مین مرے آئی تھی آوازِ اذان
جی رہے ہین ابھی کچھ اگلے زمانے والے

زوالِ قوم کی تو ابتدا وہی تھی کہ جب
تجارت آپ نے کی ترک، نوکری کر لی

صبر، خودداری، دلیری، حق پرستی اب کہاں
رکھ لیا اچھا سا اک نام اور مسلمان ہو گئے

فٹن نفیس، سڑک خوشنما، ڈنر ہر شب،
یہ لطف چھوڑ کے حج کا سفر یہ خوب کہی

نئی تہذیب مین دقت زیادہ تو نہین ہوتی
مذاہب رہتے ہین قائم فقط ایمان جاتا ہے

اسلام کی رونق کا کیا حال کہین تم سے
کونسل مین بہت سید، مسجد مین فقط جمن

حریفون نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے مین
کہ اکبر ذکر کرتا ہے خدا کا اس زمانے مین

اب تو اکبر بار ہے ہم پر نماز عید بھی
تم اگر رکھ سکتے ہو روزہ خدا روزی کرے

اغیار تو دنیا مین اُٹھائے ہوئے سر پر،
ہم بیٹھے ہین اس طرح کہ اُٹھتا نہین سر بھی
اغیار تو رگ رگ سے ہماری ہین واقف
ہم وہ ہین کہ پاتے نہین اوس بت کی کمر بھی

دیر مین محبوب بھی ہے وعظ مین قبلہ رو بھی ہے
شیخ ہمارا خوب ہے پیر بھی ہے گرو بھی ہے

وضعِ مغرب سے مجھے کچھ بھی تسلی نہ ہوئی
ناز تو بڑھ گئے دولت کی ترقی نہ ہوئی

ہم کیا کہین احباب کیا کارِ نمایان کر گئے.
بی اے ہوئے، نوکر ہوئے، پنشن ملی پھر مر گئے

یہ پردہ در کو سوے قوم کس نے بھیجا ہی،
کہ جس کی بحث سے مجروح ہر کلیجا ہے
یہی ہے عقدہ کشائیِ قوم تو اِک دن
ازار بند کو کھدین گے جس بیجا ہے،

بتاؤن آپ سے مرنے کے بعد کیا ہوگا
پلاؤ کھائین گے احباب، فاتحہ ہوگا،

حواس مختل سمجھ پریشان عمل مین سستی قدم مین لغزش
کبھی کوئی شوق رہنما ہی کبھی کوئی پالسی ہی غالب
مرے مشاغل کی کچھ نہ پوچھو کہ ہین ہو دورِ فلک مین اکبر
مقیمِ دیر و مریدِ شیخ و اسیرِ قانون و محوِ مغرب

آمادگی مجھے تو رہی ہر گناہ پر،
فضلِ خدا ہے بت بھی نہین آئے راہ پر

گزران کا ہوا اب عالمِ اللہ اکبر مین ،
پڑے کالج کے چکر مین، مرے صاحب کے دفتر مین

اوس نے میدان مین سر دیکے کیا قوم کا نام
آپ بنگلے مین منایا ہی کئے جان کی خیر
پارٹی یہ کچھ بھی نہین جب نہ ہو ذوقِ طاعت
قوم کی خیر نہین جب نہین ایمان کی خیر

لطف چاہو اک بتِ نوخیز کو راضی کرو | نوکری چاہو کسی انگریز کو راضی کرو
لیڈری چاہو تو لفظِ قوم ہے مہمان نواز | گپ نویسوں کو اور اہلِ میز کو راضی کرو
طاعتِ امن و سکون کا دلکو لیکن ہو جو شوق | صبر پر طبعِ ہوس انگیز کو راضی کرو

معاذ اللہ غفلت باریاں یہ اہلِ مغرب کی | کوئی آلودہ آئینہ کوئی صورت جو نئی ہے

ضمیمہ نمبر ۱

مراثی کا بیان

عرب مین شاعری کی ابتدا اظہارِ جذبات سے ہوئی تھی، اس لیے سب سے پہلے شاعری کی ابتدا مرثیہ سے ہوئی جو سب سے قوی تر جذبہ ہے، فارسی شاعری کی بنیاد تکلف اور داد و مداحی پر قائم ہوئی تھی، اس لئے اوس کی ابتدا قصیدہ گوئی سے ہوئی اور اس لئے شاعری کے وہ انواع جن کو جذبات سے لازمی تعلق تھا، دفعۃً پستی کی حالت مین آگئے، تاہم چونکہ آغاز مین ہر چیز مین فطرت کا اثر پایا جاتا ہی، اس لئے قدما کی شاعری مین جا بجا جذبات کا اظہار خوبی کے ساتھ نظر آتا ہی،

اردو شاعری کی ابتدا دکن مین ہوئی تھی، وہان شروع سے مرثیہ گو پیدا ہو گئے، علی عادل شاہ کے زمانہ مین ایک مرثیہ گو تھا، جو اردو مین مرثیہ کہتا تھا، اور بادشاہ کے اصرار پر بھی اوس نے اپنی زبان کو بادشاہ کی تعریف سے آلودہ نہین کیا، جب تک جیتا رہا صرف مرثیے کہتا رہا،

مولانا نصرتی کا دیوان مفقود ہے ورنہ معلوم ہوتا کہ دیگر اصنافِ سخن کے ساتھ انھون نے مرثیہ پر ہاتھ ڈالا ہے یا نہین، محمد قلی قطب شاہ کے کلیات مین معتد بہ حصہ مراثی کا ہی، ابوالحسن تانا شاہ کے زمانہ مین کثرت سے مرثیہ گو تھے جو اردو مین طبع آزمائی کرتے تھے، اون مین سے شاہ قلی خان شاہی تخلص بڑے اچھے شاعر تھے، میر حسن اپنے تذکرہ مین

کہتے ہین کہ شائقین ان کا کلام ہاتھون ہاتھ دکن سے ہندوستان لایا کرتے تھے، دکن کے شعرا مین سب سے پہلے وؔلی کا دیوان دلی مین آیا ہوا اور وہ چھپ کر شایع ہو چکا ہی، وؔلی نے کربلا کے حالات مین ایک مثنوی لکھی ہی،

میر و مرزا کے زمانے مین میان مسکین مرثیہ گو تھے، سوؔدا نے اِن کا نام شہر آشوب مین لیا ہے، اس وقت تک عموماً مرثیے چومصرع ہوا کرتے تھے، غالباً سب سے پہلے سوؔدا نے مسدس لکھا جو اون کے دیوان مین موجود ہے، اور اردو مین مرثیہ کی وسعت و ترقی کا پہلا قدم ہے، کیونکہ چومصرع مین اول سے آخر تک ایک خاص قافیہ کی پابندی کی وجہ سے ہر قسم کے مطالب ادا نہین کیے جا سکتے تھے،

اسی زمانہ مین میان سکندر ایک مرثیہ گو گذرے ہین، ان کا ذکر مصحفی نے اپنے تذکرہ مین کیا ہی، ان کے بعد میر ضمیر، میر خلیق، میان دلگیر، میان فصیح کا نام لیا جاتا ہی، مگر اس وقت تک مرثیے کم و بیش تیس تیس بند کے ہوتے تھے، اور ان مین حزن و غم کے سوا اور کوئی مضمون نہ ہوتا تھا، اور شاعری کے دربار سے ان کی کچھ عزت و حوصلہ افزائی نہین ہوتی تھی، اوس زمانہ کی یہ مثل مشہور ہے، "بگڑا شاعر مرثیہ گو اور بگڑا گویا مرثیہ خوان"

جہان تک معلوم ہوا ہے، سب سے پہلے میر مظفر حسین ضمیر نے اس مین جدتین پیدا کین، اور جس نظم کی بنیاد محض درد و غم پر تھی اس مین گھوڑے تلوار وغیرہ اسلحۂ جنگ کے الگ الگ اوصاف لکھے، سراپا ایجاد کیا، واقعہ نگاری کی بنیاد ڈالی، لڑائی کے داؤن پیچ اور اوس کے ٹھاٹ کا خاکہ کھینچا اور سب سے بڑھکر یہ کہ کلام مین زور، بندش مین چستی اور صفائی پیدا کی اور سوزخوانی کی جگہ تحت اللفظ پڑھنے کی بنیاد ڈالی،

میر انیس و مرزا دبیر نے اس بنیاد پر ایک بلند و مستحکم عمارت کھڑی کر دی، بیان کرنے

کے نئے نئے اسلوب اردو شاعری مین بکثرت پیدا کردیئے. ایک ایک واقعہ کو سوسو طرح سے بیان کرکے قوتِ متخیلہ کی جولانیون کے لئے ایک نیا میدان صاف کردیا، مناظرِ قدرت کی ایسی تصویرین کھینچین کہ فارسی شاعری مین بھی اوس کا نمونہ بمشکل مل سکے گا، اسی طرح سے جذباتِ انسانی کی صحیح ترجمانی کرکے اردو شاعری کو پستی سے بلندی پر پہنچادیا،

سچ تو یہ ہے کہ اگر اس حصہ کو اردو شاعری سے نکال لو تو پھر اوس مین سوا خط وخال اور گل وبلبل کے کچھ نہین رہ جاتا، اور اردو شاعری کی تاریخ نامکمل رہیگی، اگر اس مین اس کا ذکر نہ کیا جائے،

مرزا سلامت علی دبیر

مرزا سلامت علی نام. دبیر تخلص، مرزا غلام حسین والد کا نام تھا، کہتے ہین کہ سنہ ۱۲۱۸ھ کو دلی مین پیدا ہوئے، چھ سات برس کی عمر مین باپ کے ساتھ لکھنؤ آئے، فارسی اور عربی کی کتابین لکھنؤ کے نامور علماسے پڑھین،

حیات دبیر کے مصنف نے لکھا ہے کہ درسی کتابین ان کی نکلی ہوئی تھین، مولوی غلام ضامن اور مرزا کاظم علی اعجازی وغیرہ علما کے شاگرد تھے، اور استعداد علمی فاضلانہ رکھتے تھے،

شعر وسخن سے قدرتی مناسبت تھی، میر مظفر حسین ضمیر اوس زمانے کے مرثیہ گو شاعرون مین بہت ممتاز تھے، اون کی مجلسون مین شریک ہوتے ہوتے ان کو بھی ذوق پیدا ہوا اور یہ اون کے شاگرد ہو گئے،

جو کچھ استاد سے پایا اوسے بقول آزاد بہت بلند اور روشن کرکے دکھایا، جو مرثیے

بیس تیس بند سے آگے نہ بڑھتے تھے، ان کو دو سو ڈھائی سو تک پہنچا دیا، شوکتِ الفاظ المضامین کی آمد اوس مین جابجا غم انگیز اشارے، درد خیز کنایے، المناک و دلگداز انداز جو مرثیہ کی اصلی غرض ہی، ان وصفون مین وہ میر انیس سے ممتاز ہین۔

کچھ شک نہین کہ میر انیس زبان کی صفائی، بندش کی چستی اور مناظرِ قدرت کی صحیح تصویر کھینچنے مین اپنا مثل نہین رکھتے، مرزا صاحب کے کلام کا خاص جوہر تشبیہات و استعارات ہین، یہ اپنی قوتِ متخیلہ کے زور سے ایسے عجیب استعارے اور نادر تشبیہین ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر پیدا کرتے ہین، کہ وہان تک اون کے حریفون کا طائرِ وہم پرواز نہین کر سکتا، بقول علامہ شبلی خیال آفرینی، دقت پسندی، جدتِ استعارات، اختراعِ تشبیہات، شاعرانہ استدلال، شدتِ مبالغہ مین ان کا جواب نہین،

مگر میری رائے مین اس فیصلہ کا یہ مطلب نکالنا خطرناک غلطی ہے کہ مرزا دبیر زبان کی صفائی، بندش کی چستی اور مناظر قدرت کی صحیح تصویر کھینچنے سے عاری ہین، یا میر صاحب قوتِ متخیلہ مین بالکل بیٹھے ہین، اور اون کے ہان عجیب استعارے اور نادر تشبیہین نہین ہین، ایسا خیال کرنا ان دونون بزرگون کے دامنِ کمال پر دھبہ لگانا ہی،

مقصد یہ ہے کہ ہر شاعر کا رنگِ طبیعت، اندازِ بیان اور طرزِ مذاق مخصوص قسم کا ہوا کرتا ہی، ایک چیز ایک کے ہان افراط سے ملی گی دوسرے کے ہان اوس سے کم، یہی حال میر و مرزا کا بھی ہے، اس سے نہ ان کی تنقیص کیجا سکتی ہی، نہ اون کی، ع

ہر طرز مین جو خوب کہے خوب ہی وہ،

مرزا صاحب نے چوہتر برس کی عمر پائی، یہ چودہ پندرہ برس کے سن سے مرثیہ کہنے لگے، اس پچاس ساٹھ برس مین کم سے کم تین ہزار مرثیہ لکھا ہوگا، نوحون اور رباعیون

کا کچھ شمار نہین، ۳۰ محرم ۱۳۲۹ھ مین وفات پائی، اور اپنے ہی مکان مین مدفون ہوئے

صبح

گلگونہ شفق جو ملا حورِ صبح نے　　اسپند مشک شب کو کیا نورِ صبح نے
گرمی دکھائی روشنیٔ طورِ صبح نے　　ٹھنڈے چراغ کردیئے کافورِ صبح نے
لیلاے شب کی رات کو دولت جو لٹ گئی
افشان جبین سے مہر درخشان کے چھٹ گئی

پیدا ہوا سپیدۂ طلعت نشانِ صبح　　سلطانِ صبح نے کیا قصدِ اذانِ صبح
باندھا عمامہ نور کا پہنا کتانِ صبح　　چرخِ چہارمین پہ گیا خطبہ خوانِ صبح
منہ سب کے سوے قبلۂ امید ہو گئے،
سرگرمِ سجدہ عیسی و خورشید ہو گئے.

آیا جو تیغ روز لئے شاہ نیمروز　　ماہی شکار شیر سوار و جہان فروز
باندھے کمر مین خنجرِ بیضاے کینہ سوز　　پھر دیو ہفت سر ہوا صیدِ عقابِ روز
مہتاب لشکرِ شہ خاور مین گھر گیا،
آرہ شعاع کا سرِ انجم پہ پھر گیا،

بڑھ کر نقیبِ نور پکارا سحر سحر　　درون مین نور مہر درآیا قمر قمر
فرمان نور بدر کو پہنچا بدر بدر　　لوٹا سحر نے معدنِ شبنم گہر گہر
برقع جو اُٹھ گیا تھا رخِ آفتاب کا
پردہ تھا فاش صبحِ ملمع نقاب کا

دوسرے موقع پر کہتے ہیں،

پیدا شعاعِ مہر کی مقراض جب ہوئی
پنہاں درازیِ پرِ طاؤسِ شب ہوئی
اور قطع زلفِ لیلیٔ زہرہ لقب ہوئی
مجنون صفت قبائے سحر چاک شب ہوئی
فکرِ رفو تھی چرخِ ہنرمند کے لئے،
دن چار ٹکڑے ہو گیا پیوند کے لئے،

یوسفؑ غریقِ چاہِ سیہ ناگہاں ہوا
یعنی غروبِ ماہِ تجلی نشاں ہوا،
یونسؑ وہاں ماہیِ شب سے عیاں ہوا
یعنی طلوعِ نیّرِ مشرق ستاں ہوا
فرعونِ شب سے معرکہ آرا تھا آفتاب،
دن تھا کلیمؑ اور یدِ بیضا تھا آفتاب

تھی صبح یا کہ چرخ کا جیب دریدہ تھا
یا چہرۂ مسیحؑ کا رنگِ پریدہ تھا،
خورشید تھا کہ چرخ کا اشکِ چکیدہ تھا
یا فاطمہ کا نالۂ گردوں رسیدہ تھا
کہئے نہ مہر صبح کے سینہ پہ داغ تھا،
امیدِ اہلِ بیت کا گھر بے چراغ تھا،

نکلا افق سے عابدِ روشن ضمیرِ صبح
محرابِ آسمان ہوئی جلوہ پذیرِ صبح
کھولا سپیدی نے جو مصلائے پیرِ صبح
ہر سجدہ گاہ بن گیا مہرِ منیرِ صبح
کرتی تھی شب غروب کا سجدہ ودود کو
سیارے ہفت عضو بنے تھے سجود کو،

ظلمت جہاں جہاں تھی وہاں نور ہو گیا
پھر مشکِ شب جہاں سے کافور ہو گیا؛
گویا کہ زنگ آئینہ سے دور ہو گیا
باطل رسالۂ شبِ دیجور ہو گیا،

کیا پختہ روشنائی تھی قدرت کے خامے مین
مضمون تھا آفتاب کا ذرون کے نامے مین

گرمی کی شدت

وہ دھوپ کہ مرغانِ ہوا کرتے ہین نالا
بس ہاتھ دھرا قبضہ پہ اور پڑ گیا چھالا،
بریان ہوا دانہ بھی زراعت مین جو ڈالا
اس دھوپ مین اس لو مین کھڑے ہین شہ والا

پانی کے عوض آگ برستی ہے زمین پر،
پر تیرون کی بوچھار ہے جسم شہ دین پر

نایاب ہین مرغانِ ہوا صورتِ عنقا
بیٹھے ہین سراسیمہ چرندے لبِ دریا
بالاے فلک ایک پرندہ نہین پیدا
پر اوجِ امامت کا ہما رن مین ہی تنہا

کیا قہر ہے سایہ نہین اور دھوپ کڑی ہی
کیا ظلم ہے پانی نہین اور پیاس بڑی ہی،

دوسرے موقع پر،

تنہا کھڑے ہین رن مین امامِ فلک جناب
گرمی دکھا رہا ہی قیامت کی آفتاب
بے آگ مرغِ قبلہ نما ہوتے ہین کباب
خط غبار سے ہے لپی ابری سحاب

چھالا ہے آفتاب کا گردون کے پانون مین
خود چھپ رہی ہی دھوپ درختون کی چھاؤن مین

مٹی خراب چرخ پہ ہی برجِ آب کی
رنگت ہی برجِ حوت مین ماہی کباب کی
دریا مین آنکھ بیٹھ گئی ہے حباب کی
حدت ہی موج موج مین تیرِ شہاب کی

فوارے کو نہ حوض سے گرمی مین کل پڑی

پانی کی بہی زبان دہن سے نکل پڑی ۔

آتش بدل بھنو ہین تو موبین ہین شعلہ وش — آئے ہین مچھلیون کو حرارت سے غش پہ غش

سوز جگر سے مردم آبی ہین نالہ کش ۔ — نوحہ ہے تین روز کے پیاسون کا عطش

نزدیک ہو کہ زہد کو بے آبرو کرین ۔

تردامنی سے شہرون ہین زاہد وضو کرین

آمد آمد کا کوکبہ

برہم ہین صفین شاہ شہیدان کی ہو آمد — ہر مورچہ لرزان ہو سلیمان کی ہو آمد

فرعونیون پر موسئ عمران کی ہو آمد — تیغون کے جہازون پہ بھی طوفان کی ہو آمد

جن سیر کو نکلے تھے پہ رستے سے مڑے ہین

پریون کی طرح ہوش سلیمان کے اڑے ہین،

رن ہین پسر فاتح خیبر کی ہے آمد — صف گرتی ہو صف پر شہ صفدر کی ہو آمد

تاج شرف و فخر سکندر کی ہے آمد — شاہ شہدا سبط پیمبر کی ہے آمد ۔

پیشانی جن و ملک اب فرش زمین ہو.

چتر سر اقدس پر جبریل امین ہے،

خورشید ہو دن کو مہ نو شرم سے گھٹکر — اغلب ہو کہ سیدھا فلک کج ہو الٹ کر

پانی ہوئی جاتی ہو گھٹا ڈھالو نکی چھٹکر — اک سونے کا رنگ نکلتی ہو دھوپ سمٹکر

ثابت ہے کہ سیارہ ہر اک ماند ہوا ہے

سیارے ہین کیا شہر بدر چاند ہوا ہے،

فتح و ظفر و نصرت و شمشیر دو سر ایک — قہر و اجل و رعب شہ جن و بشر ایک

مولا کی سپر اور فلک ہفت سپر ایک افضالِ خدا اور نظرِ فیض اثر ایک
ہیبت ہے یہ بندے کی و یا خوفِ خدا ہے
سر خود سے، دل سینے سے، جان تن سے جدا ہے
نے چرخ ہے نے دشت، نہ کہسار نہ قلزم وہ سکتہ ہے وہ گرد، وہ رعشہ وہ تلاطم
ہے برج بھی گردش میں گرے پڑتے ہیں انجم جس طرح سے آندھی میں جدا خوشوں سے گندم
خالی ہیں رگیں خون سے اور خون رگوں سے
ناموں کے حروف اڑتے ہیں مہروں کے نگوں سے

عباس نامدار پانی لانے کو جاتے ہیں:

عباس جبکہ جانبِ باغِ جناں چلے شانے پہ رکھ شاں سے لیکر نشان چلے
زوجہ نے پوچھا اے مرے والی کہاں چلے بولے جہاں سے اب نہ پھرینگے وہاں چلے
اب آخری وداع کی باری نہ آئے گی
آئی ہے سب کی لاش، ہماری نہ آئے گی
عباس سے سنا جو یہ اُس تشنہ کام نے دنیا سیاہ ہو گئی آنکھوں کے سامنے
اک آہ کی کمر کو پکڑ کے امام نے پردہ اٹھایا بازوئے شاہِ انام نے
جھک کر ہلال برجِ فلک سے نکل گیا
نورِ نگاہ تھا کہ پلک سے نکل گیا
پاسِ ادب سے مجرے کو سب دور دور آئے عفوِ قصور کے لئے کبر و غرور آئے
غل پڑ گیا جلو کے لئے فوجِ نور آئے ہاں لاؤ مرکب دور کابِ حضور آئے
آیا سجا سجایا سمند رجناب کا

پا کھر کرن کی تارون کی زین آفتاب کا

انگلی سے لکھ کے گردنِ توسن پہ یا علی
اک جست مین سوار ہوا حق کا وہ ولی

فی الفور نور وطور کے معنی ہوئے جلی
بجلی جلانا بھول کے خود رشک سے جلی

ٹھنڈی ہوئی ہوا جو یہ گرمِ عنان ہوا
صرصر کی سانس رک گئی جب یہ روان ہوا

پا بوسی کو رکاب کا حلقہ دہان بنا
اور اس دہن مین پائے مبارک زبان بنا

پھر آستان خانۂ زین آسمان بنا
عرش جلیل زینِ تجلی نشان بنا

آنسو مگر نہ تھمتا تھا اوس راہوار کا۔
یعنی مجھی پہ آئے گا لاشہ سوار کا

رکھنے لگا جو ہاتھ تصور عنان پر
بگڑا بنا کے منہ کہ نہ کھیل اپنی جان پر

بولی زمین کدھر تو کہا آسمان پر
پوچھا جو آسمان نے کہا لامکان پر

یہ کہہ کے فکر و وہم کی حد سے گذر گیا
سایہ ہوا سے پوچھ رہا تھا کدھر گیا

غل ہر مکان سے واہ کا تا لامکان اٹھا
ایسا جھکا کہ پھر نہ سرِ آسمان اٹھا

شعلہ علم کے نور سے اک ناگہان اٹھا
جنگل مین دھوپ جل گئی کوسون دھوان اٹھا

انسان کیسے جان جنون کی نکل پڑی
گاوے زمین پہ تڑپی کہ مچھلی اچھل پڑی

تلوار کی روانی ملاحظہ ہو۔

نکلی غلافِ نور سے تفسیرِ جوہری
یا آ کے دست بوس سلیمان ہوئی پری

یا حجلے سے عروس نے کی جلوہ گستری — یا ہے یہ شاخ میوۂ طوبیٰ ہری بھری
اس ہاتھ سے مرادین تھین جو جو وہ مل گیئن
باچھین خوشی سے تیغ کے قبضہ کی کھل گیئن

شاخِ نیام سے ہوا اس طرح پھل جدا — بیرون کے قد سے جیسے جوانی کا بل جدا
ہستی جدا زمین پہ. تڑپی اجل جدا — خنجر جدا فلک پہ گرا اور زحل جدا
غل تھا کہ اب مصالحۂ جسم و جان نہین،
لو تیغِ برق دم کا قدم درمیان نہین،

سایہ بھی صاف تیغ سے فوراً جدا ہوا — مطلب ملا کہ پانی سے روغن جدا ہوا
تنہا نہ رنگ چہرۂ دشمن جدا ہوا — گردن سے سر تو روح سے ہر تن جدا ہوا
پیہم صدا دلون کے دھڑکنے کی آتی تھی،
آوازِ بوق اٹھتی تھی اور بیٹھ جاتی تھی،

سیدھی ہوئی جو تیغ تو لشکر الٹ گیا — میدان سے ہاتھون جینے سے دل سب کا ہٹ گیا
سب دبے تھے زور کو وان سے بھی گھٹ گیا — مانندِ ناف خوف سے سینہ سمٹ گیا
بولی یہ تیغ دم سرِ اعدا پہ لون گی مین،
برش پکاری تو بہ ٹھہرنے نہ دونگی مین

پڑھتی ہوئی زبان سے یہ لا فتا چلی — روشن نگاہ کہنے کو آگے قضا چلی.
بائین کو تھہر، داہنے جانب بلا چلی — بالکل چراغِ عمر ہوئی گل ہوا چلی،
کہیئے نہ تیغ دولھا کو برچھی لگائی تھی
ان پر حسنؑ کی آہ نے.. بجلی گرائی تھی؛

پھل وزن مین تھا پھول تجلی مین نخلِ طور   گرمی مین محض نار تو نرمی مین صاف نور
آسیب سایہ چال پری قبضہ چشم حور   خود نہر آب زہر تڑپ قہر شور صور
یون دفعتہً زمین سے گئی آسمان پر
جس طرح غصہ آئے کسی ناتوان پر

پھر تو پکارتی تھی یہ ادھر وہ ادھر گرا   وہ نیچہ وہ ہاتھ وہ خود اور وہ سر گرا
بن بن کے برق سایۂ تیغِ ظفر گرا   وان مورچہ سے باپ اٹھا یان پسر گرا
گر گر کے سر یہ رن مین برابر طپان ہوئے
جو رن مین سر زمین کی معنی عیان ہوئے

چہرون پہ مردنی کی طرح تیغ چھا گئی   ہر استخوان مین مثلِ تپِ دِق سما گئی
اعجاز خاکسائیِ حیدر دکھا گئی   مانند خاک ناریون کے تن جلا گئی
سب کے گلون سے ملتی تھی لیکن کھی ہوئی
جوہر یہ تھے کہ بوجھ سے خود تھی جھکی ہوئی

آتے تھے جوڑ توڑ عجب تیغِ تیز کو   سر سے گری جدا کیا پائے گریز کو
لپٹے سے گرم دیکھ کے اس شعلہ ریز کو   برق و شرر نے نذر کیا جست و خیز کو
بو گل نے ناز رنگ لالے نے ہمت ہوا نے دی
یہ ہدیہ کیا ہے اپنی نیابت قضا نے دی

قربان برق و بارقۂ تیغِ شعلہ تاب   موتی کی آب و تاب ہمندر کا پیچ و تاب
خود نوح خود سفینہ و خود ماہی و خود آب   سرگوشیان فرات مین کرنے لگے حباب
ظرفِ تنک مین تھی نہ جگہ آب و تاب کی

بند عتی تھی اور کھلتی تھی مٹھی حباب کی

کاٹا پلک مین آنکھ کو تپلی مین نور کو
پاؤن مین کجروی کو سرون مین غرور کو
سینہ مین بغض وکینہ کو دل مین فتور کو
نیت مین معصیت کو طبیعت مین زور کو
ذات اک طرف مٹا دیا بالکل صفات کو
کیسی زبان زبان مین یہ کاٹ آئی بات کو

عباسؑ فرات پر تو پہنچ گئے مگر پانی پینے سے وفاداری روکتی ہی۔

چلو بھرا فرات سے سرکا کے آستین
عبرت سے دیر تک اوسے دیکھا کئے وہین
پھر لائے امتحان کیلئے ہونٹون کے قرین
سینہ مین دل تڑپ کے پکارا نہین نہین
گو مہر فاطمہ ہے یہ مجھ پر حرام ہے۔
ہشتم سے فاطمہ کا پسر تشنہ کام ہے۔

پانی جو بے حسین کے منہ سے لگائیگا
ہے ہے وفا کا نام ابھی ڈوب جائیگا
اس وقت آبرو جو گئی پھر نہ پائیگا
یہ روز اب زمانے مین کاہے کو آئیگا
حضرت کہان فرات کہان کربلا کہان
تا عصر خاتمہ ہے یہ دکھ یہ بلا کہان

غازی نے دل کے مشورے پر مرحبا کہا
دریا سے رو کے پیاسون کا سب ماجرا کہا
کاندھے پہ مشک بھر کے رکھی یا خدا کہا
چلتے ہوئے اجل نے پیام قضا کہا
ہے ہے نصیب پیاسون کا رستے مین پھر گیا
سقہ حرم کا فوج مین طوفان کے گھر گیا

علی اصغر کا پیاس کے مارے حال بیحال ہے۔

سر ننگے گرد جھولے کے سب کنبہ ہی ہے ہم　　پھیلا رہے ہین سمٹے ہوئے پانون کو حرم
تکیہ پر سر ڈھلا ہوا رکھتے ہین دم بدم　　چھاتی پہ ہاتھ رکھ کے کبھی دیکھتے ہین دم
قرآن کی ہوا کبھی گھبرا کے دیتے ہین،
بانو کو دیکھتے ہین منہ پھیر لیتے ہین

آخر کہا یہ سب نے بلاؤ امام کو　　لاؤ خدا کے واسطے لاؤ امام کو
اس بے زبان کا حال سناؤ امام کو　　نیلی رگین گلے کی دکھاؤ امام کو
اکبر کی لاش لے گئے ہین قتل گاہ مین،
کوئی پکار لو وہ ابھی ہون گے راہ مین،

مظلوم کربلا شیر خوار بچہ کو پانی مانگنے کے لئے جاتے ہین،

ہاتھون پہ لے کے اسکو چلے شاہ اتقیا　　اور ساتھ ساتھ گود کو کھولے ہوئے قضا
لکھا ہے، دھوپ تیز بھی اور گرم تھی ہوا　　اصغر پہ مان نے ڈالدی اجلی سی اک ردا
چادر نہ تھی وہ چہرۂ پر آب و تاب پر
ٹکڑا سفید ابر کا تھا آفتاب پر

ہر اک قدم پہ سوچتے تھے سبط مصطفا　　لے تو چلا ہون فوج عمر سے کہونگا کیا
نے پانی مانگ آتا ہے مجکو نہ التجا　　منت بھی گر کرونگا تو وہ دینگے کیا بھلا
پانی کے واسطے نہ سنین گے عدو مری،
بچے کی جان جائیگی اور آبرو مری

پہنچے قریب فوج تو گھبرا کے رہگئے　　چاہا کرین سوال پہ شرما کے رہگئے
غیرت سے رنگ فق ہوا تھرا کے رہگئے　　چادر پسر کے چہرے سے سرکا کے رہگئے

آنکھیں جھکا کے بولے کہ یہ ہم کو لائے ہین،
اصغر تمھارے پاس غرض لے کے آئے ہین
گر ہین بقول شمر و عمر ہون گناہ گار — یہ تو نہین کسی کے بھی آگے قصور وار
شش ماہہ بے زبان نبی زادہ شیرخوار — ہفتم سے سب کے ساتھ پیاسا ہی بیقرار
سن ہے جو کم تو پیاس کا صدمہ زیادہ ہے
مظلوم خود ہے اور یہ مظلوم زادہ ہے
یہ کون بے زبان ہے تمھین کچھ خیال ہے — درِ نجف ہے بانوے بیکس کا لال ہے
لو مان لو تمھین قسم ذوالجلال ہے — یثرب کے شاہزادی کا پہلا سوال ہے
پوتا علیؑ کا تم سے طلبگار آب ہے،
دیدو کہ اس مین ناموری ہے ثواب ہے۔
پھر ہونٹھ بے زبان کے چوسے جھکا کے سر — رو کر کہا جو کہنا تھا وہ کہہ چکا پدر
باقی رہی نہ بات کوئی اے مرے پسر — سوکھی زبان تم بھی دکھا دو نکال کر
پھیری زبان لبون پہ جو اس نور عین نے
تھرا کے آسمان کو دیکھا حسینؑ نے،

میر ببر علی انیس

میر مستحسن خلیق کے بیٹے، میر حسن کے پوتے اور میر ضاحک کے پرپوتے تھے، ان کی بلکہ ان کے گھرانے کی زبان اردوے معلی کے لحاظ سے تمام لکھنؤ مین سند تھی، اور انھین بھی

اس پر ناز تھا،

ابتدائی کتابین مولوی حیدر علی صاحب منتہی الکلام سے پڑھین، اور ضروریاتِ فن سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد اپنے خاندانی کمال مین باپ کے شاگرد ہوئے، اور جب سے مرثیہ کہنا شروع کیا اوس وقت سے تمام عمر اسی مین صرف کر دی،

بیان کرنے کے نئے نئے اسلوب اردو شاعری مین بکثرت پیدا کر دیئے، ایک واقعہ کو سو سو طرح سے بیان کر کے قوتِ متخیلہ کی جولانیون کے لئے ایک نیا میدان صاف کر دیا، اور زبان کا ایک معتد بہ حصہ جس کو اب تک شاعرون کے قلم نے مس تک نہین کیا تھا، اور جو محض اہل زبان کے بول چال مین محدود تھا، اوس کو شعراسے روشناس کر دیا، بقول مولانا حالی کے اردو شاعری مین جو مادراکد کی طرح مدت سے بے حس وحرکت پڑی تھی تموج بلکہ تلاطم پیدا کر دیا،

مولوی محمد حسین آزاد نے آبحیات مین ٹھیک لکھا ہے کہ "شاہنامہ کے ساٹھ ہزار شعر فردوسی کی عمر بھر کی کمائی ہین، انھون نے ایجادِ مضامین کے دریا بہا دیئے، ایک مقرری مضمون کو سیکڑون نہین ہزارون رنگ سے ادا کیا، ہر مرثیہ کا چہرہ نیا، آمد نئی، رزم جدا، بزم جدا، اور ہر میدان مین مضمون اچھوتا، تلوار نئی، نیزہ نیا، گھوڑا نیا، انداز نیا، مقابلہ نیا، اور اس پر کیا منحصر ہے، صبح کا عالم دیکھو تو سبحان اللہ، رات کی رخصت، سیاہی کا پھٹنا، نور کا ظہور، آفتاب کا طلوع، مرغزار کی بہار، شام ہے تو شام غریبان کی اُداسی، کبھی رات کا سناٹا، کبھی تارون کی چھاؤن کو چاندنی اور اندھیرے کے ساتھ رنگ رنگ سے دکھایا ہے، غرض جس حالت کو لیا ہے، اوس کا سمان باندھ دیا ہے"

میرزا مجد علی اشہری نے حیات انیس مین اور مولانا شبلی نے موازنۂ انیس و دبیر مین انکے شاعرانہ کمال کو جس جس رنگ سے ظاہر کیا ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے،

میرانیس کا کلام پانچ جلدون مین شایع ہوا ہے، ان کی ابتدائی مشق مین قدیم محاورے اور غلط الفاظ کثرت سے متداول تھے، اور شعرا بے تکلف استعمال کرتے تھے، وہ ان کے ہان بھی ابتدائی کلام مین پائے جاتے ہین، پھر جس قدر زمانہ گذرتا گیا ان الفاظ اور ترکیبون کو چھوڑتے گئے،

میرانیس نے ۷۲ بہتر برس کی عمر پائی، غدر سے پہلے اون کو لکھنؤ سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہین آئی، غدر کے بعد اول اول نواب قاسم علیخان کے اصرار سے عظیم آباد تشریف لے گئے۔ اور وہان کی مجلس عزا مین اپنی شاعری کے زور اور بے مثل پڑھنے سے قیامت برپا کردی، پھر ایک مرتبہ سید شریف حسین خان کی تحریک سے حیدرآباد تشریف لے گئے نواب تہور جنگ بہادر نے اون کی شان کے موافق خیر مقدم کیا. سامعین کی مجلسون مین یہ کثرت ہوتی تھی. کہ صدہا لوگون کو سننے کی حسرت رہجاتی تھی،

میر صاحب کا کلام جس طرح لاجواب ہے اون کا پڑھنا بھی بے مثل تھا. اون کی آواز، قد و قامت صورت کا انداز غرض ہر شے اس کام کے لئے ٹھیک اور موزون واقع ہوئی تھی، ان کا قاعدہ تھا کہ پہلے خلوت مین بڑا آئینہ سامنے رکھکر بیٹھتے اور مرثیہ پڑھنے کی مشق کرتے، وضع حرکات سکنات اور بات بات کو دیکھتے اور آپ ہی اون کی موزونی و ناموزونی کو اصلاح دیتے تھے، آخر کار ۱۲۹۲ھ مین وفات پائی، اور سبزی منڈی مین اپنے ایک مکان کے اندر مدفون ہوئے،

نور کا تڑکا

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح　　ہونے لگا افق سے ہویدا نشانِ صبح
گردون سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح　　ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح

پنہان نظر سے روے شبِ تار ہو گیا،
عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا،

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ صبح کا ظہور / یادِ خدا مین زمزمہ پردازیِ طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نُور / خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور

انسان زمین پہ محو ملک آسمان پر،
جاری تھا ذکرِ قدرتِ حق ہر زبان پر،

وہ سرخیِ شفق کی اُدھر چرخ پر بہار / وہ بارور درخت وصحرا وہ سبزہ زار
شبنم کے وہ گلون پر گہرہاے آبدار / پھولون سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار

نافے کھلے ہوئے وہ گلون کی شمیم کے،
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے،

دوسرے موقع پر فرماتے ہین،

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکون کا دمبدم / مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیان بہم
وہ آب وتابِ نہر وہ موجون کا پیچ وخم / سردی ہوا مین پر نہ زیادہ بہت نہ کم

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا،
تھا موتیون سے دامنِ صحرا بھرا ہوا،

وہ صبح نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار / تھے طائرون کے غول درختون پہ بیشمار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے باربار / کوکو وہ قمریون کی وہ طاؤس کی پکار

وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے،
ہرسو روان تھے دشت مین جھونکے نسیم کے

ایک اور موقع پر،

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا　　دراج کبک تیہو و طاؤس کی صدا

وہ جوشِ گل وہ نالۂ مرغانِ خوش نوا　　سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا

پھولون سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے

تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار　　پھولون پہ جابجا وہ گہر ہائے آبدار

اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخون کا بار بار　　بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار

خواہان تھے زیبِ گلشنِ زہرا جو آب کے

شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے

گرمی کا سمان

وہ لون وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تب　　کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثالِ شب

خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب　　خیمے جو تھے حبابون کے تپتے تھے سب کے سب

اڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا

کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

آب روان سے منہ نہ اٹھاتے تھے جانور　　جنگل مین چھپتے پھرتے تھے طائر ادھر ادھر

مردم تھے سات پردون کے اندر عرق مین تر　　خسخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر

گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ مین

پڑ جائین لاکھ آبلے پائے نگاہ مین

کوسون کسی شجر مین نہ گل تھے نہ برگ و بار　　اک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار

ہنستا تھا کوئی گل نہ چمکتا تھا سبزہ زار ۔ کانٹا ہوئی تھی پھول کی ہر شاخِ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتے بھی مثل چہرۂ مدقوق زرد تھے،

گرمی کی شدت مین لوگون کی عادت،

وہ گرمیون کے دن وہ پہاڑون کی راہ سخت ۔ پانی نہ منزلون نہ کہین سایۂ درخت
ڈوبے ہوئے پسینون مین ہین غازیون کے رخت ۔ سونلا گئے ہین رنگ جوانانِ نیک بخت
راکب عبائین چاند سے چہرہ پہ ڈالے ہین
تو نسے ہوئے سمند زبانین نکالے ہین
وہ دن ہین جن دنون کوئی کرتا نہین سفر ۔ صحرا کے جانور بھی نہین چھوڑتے ہین گھر
بچے مسافرت مین ہین سلطان بحر و بر ۔ لب برگِ گل سے خشک ہین چہرہ عرق مین تر
آتی ہے خاک اڑ کے یمین و یسار سے
گیسوئے مشکبار اٹے ہین غبار سے

گھوڑے کی جست و خیز،

وہ جست و خیز و سرعت و چالاکیِ سمند ۔ سانچے مین تھے ڈھلے ہوئے سب اسکے جوڑ بند
سم قرصِ ماہتاب سے روشن ہزار چند ۔ نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سر بلند
تیلی جدھر سوار نے پھیری وہ پھر گیا،
اترا براق بن کے پری ہو کے مڑ گیا
جرات مین رشکِ شیر تو ہیکل مین پیلتن ۔ پوئی کے وقت کبکِ دری جست مین ہرن
بجلی کسی جگہ تو کہین ابرِ قطرہ زن ۔ بن بن کے آنے جانے مین طاؤس کا چلن

سیماب تھا زمین پہ فلک پر سحاب تھا،
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا،

افزوں تھی زلف حور سے خوشبو ایال کی
دیکھیں تو لیں بلائیں سدا بال بال کی
پریاں خرامِ ناز میں شاگرد چال کی
غصہ میں جست شیر کی، شوخی غزال کی

وہ حسن تن پہ ساز کا جوبن یراق کا،
دلدل کے ہاتھ پاؤں تو چہرہ براق کا

غصہ میں انکھڑیوں کے ابلنے کو دیکھئے
بن بن کے جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھئے
سانچے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھئے
تھم کر کنوتیوں کے بدلنے کو دیکھئے

وہ تھوتھنی کہ غنچۂ سوسن سے تنگ تر
وہ انکھڑیاں خجل ہوں ہرن جن کو دیکھکر،

تلوار کی روانی

بجلی گری کہ فوج پہ تیغِ دو سر گری
کٹ کر کسی کی تیغ کسی کی سپر گری
چمکی کبھی فلک پہ کبھی فرق پر گری
سر کاٹ کر ادھر سے جو اٹھی ادھر گری

زرہیں تنوں پہ مثل کفن چاک ہو گئیں،
اک آن میں صفیں کی صفیں خاک ہو گئیں

اک شور تھا کہ تیغ ہے یہ یا خدا کا قہر
بہتی ہے جس کی آگ سے کوسوں لہو کی نہر
ناگن ہے یہ کہ کاٹے کے جسکے نہیں ہے لہر
اتری گلے سے چڑھ گیا سارے بدن میں زہر

زخموں سے جسم ڈر سے کلیجے فگار ہیں،
جوہر نہیں ہیں تیغ میں دندانِ مار ہیں،

غل تھا کہ وہ چمکتی ہوئی آئی یہ گری | برچھی سے اوڑ گئی وہ سنان یہ گرہ گری
ترکش کٹا کمان کیا نی سے زہ گری | یہ سر اُٹھا وہ خود اڑا نیہ زرہ گری

آتی ہو لشکروں پہ تباہی اسی طرح
گرتی ہے برقِ قہرِ الٰہی اسی طرح

ہر ہات مین اڑ کے کلائی نکل گئی | کوندی گری زمین مین سمائی نکل گئی
کاٹی زرہ دکھا کے صفائی نکل گئی | مچھلی تھی اک کہ دام مین آئی نکل گئی

چار آئینہ کے پار تھی اس آبِ تاب سے
جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

دیگر،

چم خم وہ تیغ کا وہ لگاوٹ وہ آب تاب | آتش کسی جگہ کہین بجلی کہین سحاب
سیلی تھی اک پری کے شکم پر کہ اوسکی تاب | تیزی زبان مین وہ کہ فرشتون کو دے جواب

جوہر سے اس کا جسم جواہر نگار تھا،
گویا گلے مین حور کے ہیرے کا ہار تھا،

پیاسی بھی خونِ فوج کی اور آبدار بھی | غل تھا کہ ایک گھاٹ مین پانی بھی نار بھی
بجلی بھی ابرتر بھی خزان بھی بہار بھی | تلوار بھی چھری بھی سپر بھی کٹار بھی

پانی نے اوس کے آگ لگا دی زمانے مین
اک آفت جہان تھی لگانے بجھانے مین،

ہنگامۂ جنگ

نقارۂ وغا پہ لگی چوب یک بیک | اٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگا فلک

شہپور کی صدا سے ہراسان ہوئے ملک قرنا پھونکی کہ گونج اٹھا دشت دور تک
شور دہل تھا حشر تھا افلاک کے تلے،
مردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

کانپے طبق زمین کے ہلا چرخ لاجورد مانند کہربا ہوا مٹی کا رنگ زرد
اٹھ کر زمین سے بیٹھ گئی زلزلہ مین گرد تیغون کی آنچ دیکھ کے بھاگی ہوائے سرد
گرمی سے رن کی ہوش اڑے وحش و طیر کے
شیر اس طرف اتر گئے دریا کو پیر کے،

تھرا رہا تھا خوف سے مینائے لاجورد ہلتے تھے کوہ کانپتا تھا وادی نبرد
تھا دن بھی زرد، دھوپ بھی زرد اور زمین بھی زرد خورشید چھپ گیا یہ اٹھی کربلا کی گرد
اک تیرگی غبار سے تھی چشم مہر مین،
ٹاپو پڑے ہوئے تھے محیط سپہر مین،

حملہ کا زور شور

نکلی جو رن مین تیغ حسینی غلاف سے اڑنے لگے شرر دم خارا شگاف سے
بجلی تڑپی چمک کے جو دشت مصاف سے صاف آئی الامان کی صدا کوہ قاف سے
طبقے فلک کے صورت گہوارہ ہل گئے
دب کر پہاڑ خاک کے دامن سے مل گئے

جنگل مین تھی علم جو وہ تیغ شرر فشان تھرا کے آسمان مین چھپتا تھا آسمان
غار اژدرون سے چھٹ گئی شیرون نیستان برپا تھا بر و بحر مین اک شور الامان
مانند موج مچھلیون مین اضطراب تھا

زہرہ ہر ایک سنگ کا پانی مین آب تھا

تھا فوج قاہرہ مین تلاطم کہ الحذر
تھین موج کیطرح سب ادھر کی صفین ادھر

چکر مین تھی سپاہ کہ گردش مین تھا بھنور
پانی مین تھے نہنگ ابھرتے نہ تھے مگر

فوجین فقط نہ بھاگی تھین منہ موڑ موڑ کے

دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارہ کو چھوڑ کے

پریون سے قاف چھوٹ گیا اور جنون سے گھر
شیرون سے دشت گرگ سے بن اژدرون سے در

شاہین و کبک چھپ گئے اک جا ملا کے سر
اڑکر گرے جزیرون مین جنگل کے جانور

سمٹے پہاڑ منہ کو جو دامن مین ڈھانک کے

سیمرغ نے گرا دیئے پر کانپ کانپ کے

دو حریفون کی معرکہ آرائی

یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزے کو دی تکان
چمکی انی تو برق پکاری کہ الامان

اک بند باندھ کر جو فرس سے کہا کہ ہان
ڈانڈ آئے ڈانڈ پر تو سنان سے لڑی سنان

بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا

غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

جھنجھلا کے چوب نیزہ کو لایا وہ فرق پر
قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پر مارا بچا کے سر

دو انگلیون مین نیزۂ دشمن کو تھام کر
جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر

نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا

دو انگلیون سے کام لیا ذوالفقار کا

سنبھلا وہ بے شعور یہ جھٹکا اٹھا کے جب
قبضہ مین لی کمان کیانی بصد غضب

چلے مین تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب تیوری چڑھائی قاسمِ نوشاہ نے بھی تب
تیرِ نگاہ سے وہ خطاکار ڈر گیا،
کانپے یہ دونون ہاتھ کہ چلہ اتر گیا،

لایا جو حرفِ سخت زبان پر وہ بدخصال جھپٹا مثالِ شیرِ درندہ، حسن کا لال،
گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا بصد جلال اتنے بڑھے کہ لڑ گئی اوس کی سپر سے ڈھال
اوجھڑ لگی کہ ہوش اڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پاؤن رکھدیئے سر پر سمند کے

عباسؑ نامدار نے پہلو سے دی صدا ہان اب نہ جانے دیجیو احسنت و مرحبا
دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا سنتے ہی بس فرس کو فرس سے کیا جدا
گھوڑا بھی اس طرف کو اُدھر ہو کے پھر پڑا
مار اگر یہ ہاتھ کہ دو ہو کے گر پڑا

امام کی بیکسی اور دشمنون کا نرغہ

آج شبیر پہ کیا عالمِ تنہائی ہے ظلم کی چاند پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہے
اوس طرف لشکرِ اعدا مین صف آرائی ہی یان نہ بیٹا، نہ بھتیجا، نہ کوئی بھائی ہے
برچھیان کھاتے چلے جاتے ہین تلوارون مین
مار لو پیاسون کو ہے شور ستمگارون مین

زخمی بازو ہین، کمر خم ہے، بدن مین نہین تاب ڈگمگاتے ہین نکل جاتی ہی پاؤن سے رکاب
پیاس کا غلبہ ہے لب خشک ہین آنکھین ہین پر آب تیغ سے دیتے ہین ہر وار کا اعدا کے جواب

شدت ضعف سے جس جا پہ ٹھہر جاتے ہین
سیکڑون تیر ستم تن سے گذر جاتے ہین

گیسو آلودۂ خون لپٹے ہین رخسارون سے
شانے کٹ کٹ کے لٹک آئے ہین تلوارون سے
تیر پیوست ہین خون بہتا ہے سوفارون سے
لاکھ آفت مین ہے اک جان دل آزارون سے

... ... ہو دم مردینے کو
وار ... ... کے فرصت نہین ... کی

خون مین تر پیچ عمامے کے سر زخمی ہے
ہے جبین چاند سی پر نور مگر زخمی ہے
سینہ سب تیرون سے چھنتا ہے کمر زخمی ہے
تیر بیداد سے دل زخمی جگر زخمی ہے

ضرب شمشیر سے بیکار ہین بازو دونون
ظلم کے تیرون سے مجروح ہین پہلو دونون

برچھی آکر کوئی پہلو پہ لگا جاتا ہے
مارتا ہے کوئی نیزہ تو غش آجاتا ہے
بڑھتے ہین زخم بدن زور گھٹا جاتا ہے
بند آنکھین ہین سر پاک جھکا جاتا ہے

گرد زہرا و علی گریہ کنان پھرتے ہین
غل ہے گھوڑے سے امام دو جہان گرتے ہین

مرثیہ گوئی کی تاریخ مین اتنی بات صاف کہنی چاہیے کہ حضرات اہل بیت اطہار (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی اصلی شان دکھانے مین مرثیہ گویون نے بڑی کمی کی ہے، اکثر وقار و ثبات کو جزع و فزع و اضطراب تک پہنچا دیا ہے، بی بیون کی شان اوس پیرایہ مین لکھی ہے، جس سے معلوم ہو کہ یہ نہایت بزدل اور خوف زدہ دکھ کی ماری ہستی محو نوحہ و بکا ہے، حالانکہ وہ پاک بزرگ

ان کمزوریون سے بہرحال دور تھے، مدعا عوام کو رلانا تڑپانا تھا، اِس نے مراثی کا پایہ بہت پست کر دیا ہے۔ شاعری مین جان پڑی ہو مگر اخلاقی ومذہبی پہلو مفلوج ہوکر رہ گیا، شہادت نامہ خواہ کتنا ہی موثر ہو گیا، مگر وقائع نگاری کا خون ہو گیا،



ضمیمہ نمبر ۲

اس کتاب مین میرے والد بزرگوار کا ذکر کئی جگہ آیا ہے، نیز اس لئے کہ وہ بہت بڑے شاعر اور بہت بڑے مورخ تھے. اون کے حالات زندگی کے بیان کرنے کا اس سے بہتر کوئی موقع نہین، جہان تک ممکن ہے اختصار کے ساتھ لکھونگا. تاکہ جو حالات مجھے معلوم ہین وہ اون کی اکثر تصنیفات کی طرح ضائع نہ ہو جائین .

مرحوم کا اسم گرامی مولوی سید فخر الدین' اون کے والد کا نام مولوی سید عبد العلی سادات قطبیہ حسنیہ کے چشم و چراغ تھے، نسب کا اتصال امام حسن مثنیٰ خلف الصدق سبط اکبر امام حسن مجتبیٰ سے ہوتا ہے، حسن مثنیٰ اپنے عم نامدار شہید کربلا امام حسینؑ کی چھوٹی صاحبزادی فاطمہ صغریٰ سے بیاہے ہوئے تھے، اسی لحاظ سے اس خاندان کے لوگون کو حسنی حسینی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس خاندان مین سید شاہ علم اللہؒ، سید محمد جیؒ، سید شاہ لعلؒ، شاہ ابو سعیدؒ، شاہ محمد واضحؒ، مولانا قطب الہدیٰ محدث، مولانا محمد ظاہرؒ، مولانا خواجہ احمدؒ، مولانا ضیاء النبیؒ، سید مصطفےٰ اور سب سے زیادہ نامور حضرت سید احمد شہیدؒ بڑے زبردست علما و مشایخ گذرے ہین،

والد مرحوم کی ولادت تکیہ شاہ علم اللہ بیرون شہر رائے بریلی مین سنہ ۱۲۵۶ھ مین ہوئی کم سنی مین اپنی والدہ کے ساتھ ناگود تشریف لے گئے، جہان اون کے والد ماجد تحصیلدار تھے وہین فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابین مولوی سید محمد طٰہٰ نصیر آبادی اور حکیم احمد جان دہلوی سے پڑھین، تیرہ برس کا سن تھا کہ اون کے والد کا انتقال ہو گیا، سرکار نے اون کی خدمات جلیلہ پر نظر کر کے کچھ وظیفہ تعلیم مقرر کر دیا، جو عرصہ تک والد مرحوم کو ملتا رہا،

ناگود سے آنے کے بعد اپنے نانا مولانا سید محمد ظاہر مرحوم کے دامن تربیت مین پرورش پائی، اور شرح وقایہ تک اون سے اور مرزا رحیم اللہ بریلوی سے وطن مین رہکر تعلیم پائی، اپنے نانا کے وفات پانے کے بعد لکھنؤ تشریف لائے اور مولانا محمد نعیم فرنگی محلی کے حلقۂ درس مین شریک ہوئے اور طب کی کتابین حکیم محمد یعقوب لکھنوی سے شروع کین، شعر و سخن کا ذوق ناگود مین حکیم احمد جان کی صحبت مین پیدا ہوا تھا، پھر اپنے نانا سید محمد ظاہر کی صحبت مین ترقی ہوئی. وہ علمی فضل و کمال کے ساتھ فارسی اردو خاص کر بھاشا کے بہت اچھے شاعر تھے، لکھنؤ پہونچ کر وہ شوق تازہ ہوگیا، شیخ امیر اللہ تسلیم کے شاگرد ہوئے، وہ تین برس مسلسل لکھنؤ مین رہکر متعدد علوم و فنون کی تحصیل کی اور خطاطی مین بھی کمال پیدا کیا، نسخ و نستعلیق و شفیعہ بہت اچھا لکھتے تھے، اور اون کے شکست مین عجیب طرح کی شیرینی تھی،

لکھنؤ سے وطن گئے اور چند روز وہان رہے، اوس کے بعد وجہ معیشت حاصل کرنے کو باہر نکلے، چند روز راجپوتانہ مین. چند روز ساگر مین رہے. ساگر مین مہتمم بندوبست کے اجلاس مین نائب سررشتہ دار ہوگئے تھے، مگر شاید سال ڈیڑھ سال کے بعد کسی بات پر برہم ہوکر نوکری چھوڑ دی اور وطن چلے آئے، پھر دنون رہکر حیدرآباد روانہ ہوگئے

اوس زمانہ مین ہر جگہ ریل نہین تھی، یہان سے حیدرآباد تک کہین گھوڑے پر کہین ریل پر کہین بہلی اور تانگے پر شاید بیس دن مین مراد کو پہونچے تھے، حیدرآباد مین چند روز کی امیدواری کے بعد کسی اسکول مین صدر مدرس مقرر ہوگئے، اور تقریباً آٹھ برس تک مختلف اضلاع مین اسی خدمت کو انجام دیتے رہے،

ضلع بدر مین سید محمود اصفہانی حریف تخلص سے شناسائی ہوئی، یہ وہان صدر مدرس تھے اور وہ صدر تعلقہ دار (کمشنر) کے میر منشی تھے، اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اون سے

فارسی زبان اور محاورے کی تصحیح کی اور جب تک وہان رہے اون کو اپنا کلام دکھاتے رہے،
حیدرآباد سے بوجہ بعد مسافت کے ترک تعلق کرکے وطن گئے، اور دو ڈیڑھ سال وطن
مین رہکر بھوپال تشریف لے گئے، وہان بھی چند سال رہے جب وہان سے آئے تو عرصۂ دراز
تک کہین نہین گئے، مرحوم کی عادت تھی کہ رخصت لیکر بہت کم آتے تھے، جب کہین رہتے
رہتے دل گھبرا جاتا تھا، تو نوکری چھوڑ کر چلے آتے تھے،

عرصۂ دراز تک وطن مین رہتے رہتے جب دل گھبرایا تو ٹونک تشریف لے گئے، وہ
بھی مثل وطن کے تھا اکثر اعزہ دور دراز پار پشت سے رہتے رہتے وہین کے ہو گئے تھے، نواب
ابراہیم علی خان نے صیغۂ طبابت سے تنخواہ مقرر کر دی، دو ڈیڑھ سال رہنے کے بعد پھر
وطن چلے آئے، اور ایسے آئے کہ پھر کہین نہین گئے، وطن کے گوشۂ عزلت مین زندگی پوری
کر دی، بیعت طریقت اپنے پھوپھا مولانا سید خواجہ احمد علیہ الرحمہ سے کی تھی، ان کی طرف سے
نیز اپنے نانا مولانا سید محمد ظاہر کی جانب سے خلیفہ مجاز تھے، اور ذکر و شغل خاندان نقشبندیہ
کے طریقہ پر کرتے تھے، مگر پیری مریدی نہین کرتے تھے،

مزاج مین خاموشی، متانت حلم اور عزلت پسندی، انتہا درجہ کی تھی، برادرانہ
جھگڑون سے ان کو کچھ واسطہ نہین تھا، ہر شخص سے دوست ہو یا دشمن اچھی طرح سے ملتے
اور کسی سے پرخاش نہ رکھتے، صبر و قناعت کی صفت اون کی ہر ادا سے ظاہر
ہوتی تھی، تمکنت اور غرور اون کو چھو نہین گیا تھا، ایک چمار یا کولی رات کے
وقت آتا تو گھر سے باہر نکل کر اوس کا حال پوچھتے، اگر وہ کسی مریض کے دکھانے
کو لیجانا چاہتا تو اسی وقت اوس کے ساتھ ہو لیتے اور بڑی شفقت سے اسکو دیکھتے
اور دوا بتاتے تھے،

ایک زمانہ مین طاعون شدت سے پھیلا ہوا تھا، گاؤن کے گاؤن ویران پڑے ہوئے تھے، مرد وعورت، لڑکے بوڑھے سب جھونپڑون مین پڑے ہوئے تھے، اون جھونپڑون مین خود جاکر بیمار پرسی کرتے اور دوا بتاتے ایک مرتبہ اتفاق سے مین بھی حاضر تھا، مجھے ساتھ لیکر تشریف لے گئے، اور دیر تک گنوارون کو سمجھاتے اور دوا بتاتے رہے، اس تنگ جھونپڑی مین دیر تک مریض کے پاس کھڑے رہنے سے جو تکلیف مجھے ہوئی تھی وہ آج تک یاد ہی،

طبیعت مین کاہلی نام کو نہ تھی جو کام جس وقت کرنے کا ہوتا اوسی وقت انجام کو پہنچتے ایک شخص نبض دکھا رہا ہے، اوس کے مرض کی تشخیص کرکے نسخہ لکھ کر دیا، ایک نے کہا مجھے تعویذ لکھ دیجئے اسکو تعویذ لکھ کر دیا، ایک کھڑا ہے کہ اس طرح پر مجھے غزل لکھ دیجئے، کوئی کسی کی ولادت یا وفات کی تاریخ یا شادی کی منظوم نوید لکھوانے آیا ہے، وہ ہر ایک کی فرمائش پوری کر رہے ہین، پڑھنے والے کتاب لئے بیٹھے ہین، اون کے سبق شروع ہوگئے، گھر مین اون کا خلوتخانہ علحدہ تھا، وہان صرف ایک مشغلہ تھا کتب بینی اور تصنیف و تالیف،

تصنیفات کا ایک دفتر بے پایان تلف ہوچکا ہی، جو نام مجھے یاد ہین وہ یہ ہین ؛- تاریخ نکھیل کھنڈ اردو، ناگو دمین لکھی تھی، چمنستان اردو، اردو صرف و نحو کی بسیط کتاب ناگو دیا ساگر مین لکھی تھی، جوشش دل اردو کا پہلا دیوان، پریم راگ بھاشا کا دیوان، دیوان فارسی اور رقعات فخریہ دونون حیدرآباد مین لکھے تھے، کیا عجب ہے کہ ان دونون کی نقلین اون کے حیدرآبادی شاگردون کے پاس ہون، دیوان خیالی تیسرا دیوان اردو کا جس کو بھوپال مین ترتیب دیا تھا، مثنوی بہار تسلیم، جان فخر، فغان فخر، تینون مثنویان لکھنؤ مین یا وہان سے آنے کے بعد وطن مین لکھی تھین، ان مین سے فغان فخر ذو بحرین تھی، انکے مسودے میرے بچپن تک موجود تھے، فغان فخر کے چند اشعار ملاحظہ ہون،

یاس ہے اب عشق کی تاثیر سے
پھر گیا نالہ دلِ شبگیر سے ۔

آہ سے جاتا رہا بالکل اثر
کرتی ہے اب نفع کے بدلے ضرر

حسن کے گل سے اڑی بو مہر کی
لذتِ الفت نہین باقی رہی

جل گئے پروانہ کے مانند ہم
خاک مین ابتک وہی ہو سوزِ غم

وحشتِ دل کا وہی ہو زور و شور
ہو گئی شیرینیِ جان ہاے شور

آتشِ جان سوز ہے یہ بد بلا
پانی سے بجھتا نہین اس کا جلا

بے سلسلہ

جوش مین وحشت کے جب آتا خلل
تھام کے دل پڑھتا یہ آخر غزل

عادتِ مشقِ ستم اچھی نہین
اتنی بھی غفلت صنم اچھی نہین،

چشم تھی تیر آہ کا لب پر دھوان
نبض بھی ساقط دل مضطر تپان

لوٹتا تھا خاک پہ بسمل کی شکل
پھرتی تھی ہر آنکھ مین قاتل کی شکل

جلتا تھا اوس آگ مین جس کا دھوان
دیدۂ ظاہر سے رہتا تھا نہان

برق کی صورت کبھی آتی ہنسی
ابر کے مانند مین روتا کبھی،

ناخن وحشت سے تھا سینہ فگار
فاش تھا رازِ دل و جان بے قرار

بہارِ تسلیم کا رنگ ملاحظہ ہو

مدح سخن

ہے لطفِ سخن نیا ہمیشہ ۔ یہ بات ہے شوق زا ہمیشہ ،
ہے مخزنِ رازہاے لاریب ۔ کہتے ہین اسے خزانۂ غیب
گلزارِ سخن سدا ہے باقی ۔ فانی ہے زبان صدا ہے باقی
کرتی ہے کرشمہ شکلِ دلدار ۔ آغوشِ سخن مین بکرِ افکار
شیدیزِ سخن ہے کلکِ شاعر ۔ ہے ملک کلام ملکِ شاعر ،
گلزارِ خیال ہو سخنور ۔ رکھتا ہے بہار تازہ و تر ،

جانِ فخر کا نمونہ

ہوگئی باہم جو دونون کی نظر ۔ آئی آفت ایک بیچارہ کے سر ،
ہاتھ سے جاتا رہا دامانِ صبر ۔ دل کی وحشت نے بگاڑی شانِ ضبط
راہ راہ اپنی گئی وہ تو گنہ ۔ یہ دلِ صد پارہ اپنا تھام کر
بسترِ غم پر گرا زار و نزار ۔ دم بدم بڑھنے لگا رنج و فشار
دل مین برپا اک قیامت کا الم ۔ یہ بہ پاسِ وضع آنکھین تھین نہ نم
تھم نہ سکتا اوس سے جب گریہ کا جوش ۔ اٹھتا یہ بیساختہ دل کا خروش

غزل

پاس جبتک وہ قمر آتا نہین ۔ دل سنبھلتا اب نظر آتا نہین ،
ٹوٹے اشکون کا بھی ٹوٹا سلسلہ ۔ سوے مژگان اک گہر آتا نہین ،
فرطِ بیتابی سے وہ دن کون ہو ۔ منھ تلک اپنے جگر آتا نہین
دیدہ و دل مین تو کب کا آ بسا ۔ گھر مین وہ ظالم مگر آتا نہین

ایک مثنوی بھوپال مین کسی کی فرمایش سے لکھی تھی، زرافشان اوس کا نام تھا، گلزارِ نسیم کی بحر اور نسیم کے رنگ کی مثنوی تھی، علاوہ ان کے فارسی اور اردو کے بیسیون قصیدے جو حمد و نعت یا اپنے شیوخ و اساتذہ کی مدح مین لکھے تھے تلف ہو گئے، اون کے کچھ کچھ شعر بطریق انتخاب بہر جا انتخاب مین درج ہین، نمونہ کے طور پر چند قصیدون کے اشعار نقل کرتا ہون،

فی التوحید،

ای بحیم ساتگین از بادہ جان انداختہ — مرزبان از نکتۂ اندر زبان انداختہ

نسر عرفان طائرت در جیب منقار خودش — پر عنقا بہر نسبت آشیان انداختہ

نو عروس لفظ را از حرفہا بستہ نگار — زلۂ معنی بلفظ اندر دہان انداختہ

تیر فکر ہر کہ بر روئے نشان شد بوسہ گیر — خویشتن را از سرِ نام و نشان انداختہ

بہرِ بیع جنس سرسبزی امید بہار — دستِ امکان زیر دامان خزان انداختہ



منم کہ مہر جہانتابم از بریق ضمیر — برخ کشیدہ ز آزرم آن نقاب زریر

چو عکس خامۂ من چشم حاملہ بیند — شود مشیمہ درون کور عقل نقد بصیر

بزہرہ آب کند شیر در نعیتانہا — برآرد از نئے کلکم ز حرف نرم صریر

کند بپائے چو طاؤس خامہ نقش بزم — ہمائے ہوش عطارد کند بدام اسیر

بجام لفظ شراب معانیم طوقیست — بگردن خرد و پائے فہم را زنجیر



رفتم اے آرزو باب تو بحرمان رفتم — خلعت آرزو آوردم و عریان رفتم

غنچہ بودم ز کشودن چو سبکروح شدم — بر سر باد چو بوئے گل خندان رفتم

نکہت اندر دہنِ غنچہ بداین آمد و رفت | آمدم صورتِ باد و صفتِ جان رفتم
گاہ چون الحرہ از ارض بر افلاک شدم | گاہ چون قطرہ فرو گشتہ بعمان رفتم
از نگاہ عرفا دور فتادم چون بخل | وز دلِ اہل نظر صورتِ احسان رفتم
کس ندانست و لے دلِ عصیان خیزم | بر در گبر شدم پیش مسلمان رفتم



عشق با کم نگر اے دل کہ پس از خاک شدن | خانہ بر دوش ہوا بر در جانان رفتم
ہمچو ذرات در انوار رخش رقص کنان | تا بجولانگہ قدس از رہِ ایقان رفتم



لالہ گونم کفن از تیغ تمنا بسمل | جامہ رنگین چو گلے زنگِ شہیدان رفتم
زلف فکرم شدہ پیچان بہ یخ دولت وزر | گاہ در ہند شدم گاہ بکرمان رفتم



مکرم دست کشد لطفِ کریمی کہ از و | تا بصبح ال از شام غریبان رفتم
آن رحیمے کہ بہر بار سرائے قربت | در دلش بے زدن حلقہ لبندان رفتم
معصیت گشت دلیل رہ غفران از وے | خار در پاے ز صحرا بخیابان رفتم



فی التوحید

نور وحدت ز ضرورت از حجاب کثرت ست | ذرۂ خاکم ولیکن ہست گوہر آفتاب
سیرت اندر صورتم بین نقطہ را معنی طلب | بازی دیگر کند ہمچون کبوتر آفتاب

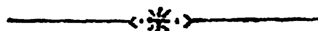
اخگر روشن ز خاکستر حجاب اندر بود — جرم تن چون مجمر خاکی و اخگر آفتاب
همت عالی فرو نارد سر خود پیش کس — طبع من مانا ست با بخشندهٔ زر آفتاب
گرچه دل گرم همی لرزد ز چرخ سرد مهر — سایه بر آبے همی لرزد چو مضطر آفتاب
هان مگر دستم کشد اصلم که پیش از فنش — همچو من فرعی بود وز ذرهٔ کمتر آفتاب
شامگاهان چون همی بوسد زمین خدمتش — می بر آید هر سحر با تاج انور آفتاب
گر رخ او جلوه ننمودے بچشم دیده ور — می نمودش حلقهٔ زلف معنبر آفتاب



اے باکسیر نوالت بوتهٔ زر آفتاب — بهر ظرف سفرهٔ عام تو زرگر آفتاب
نوعروسان بهاران را حلے بند از تست — میدهد هم مهرگان را از تو زیور آفتاب
زلف لیلاے شب از سوداے لطف مشکبو — عارض سیمین قیس روز کیسر آفتاب



چیست که مهر منیر خلعت زر یافته — چرخ ز ماه شهیر تاج گهر یافته
خشک خزان را دهن فصل گل اندر چمن — بلبل شیرین سخن نغمهٔ تر یافته
آب بقا را اثر باد نمو را هنر — خاک سکون از سفر شعله شرر یافته
صحن چمن را بهار شاخ پر از برگ و بار — دشت گل نوبهار خردهٔ زر یافته
ابر سیه قطرها قطره گهر را بها — گوهر روشن ضیا بحر درو یافته
تاک مے خوشگوار نرگس شهلا خمار — گل ورق آبدار تازه و تر یافته



عالم کون و فساد دل بسکون در نهاد — ملک دکن را سواد زیب دگر یافته

جشنِ نوروزی عید است گل افشان امروز — غم فردا الم دی شده پنهان امروز

بہ بہاری شده افلاک خزان را گردش — کہ زمین را خس و خار است گلستان امروز

عمل نیک تو آورد فردوس ز بہشت — کہ بہر سو چمن آرا شده رضوان امروز

بسکہ شد سوختہ و بیختہ عود و عنبر — مشک بیز است ہواے پر مرغان امروز

بادۂ ناب بر در رشک آبِ خالص — سبزه شد غیرتِ صد دستہ ریحان امروز



ایک سو بیس شعر کے قصیدہ مین سے چند شعر بغیر کسی سلسلہ کے،

سپیدہ دم تتق خواب شب ز دیدہ چو دور — نمود جلوه در آغوش دل عروس سرور

مہ دو ہفتہ ز لوح جبینش داغ بدل — عرق لجہ تشویر بیشِ او کافور،

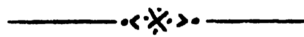
کمان ابروے آن بت کشیدہ گر بہ تید — کنند چلہ کشان خم بسجده فرق غرور

بدیدنش شده بادام بندۂ بے دام — بشوخیش شده بیمار نرگسِ مخمور

ستادہ یک طرف اسپانِ باد پیمایان — کہ طے کنند بیک گام عرصہ ہاے دہور

بیال کاہکشان و بدم چو پروینی — چو گل بکثرتِ رنگ و بچہرہ ہمچون حور

گہ رکوب چو برق و گہ سکون چو زمین — گہ قتال چو رعد و دم صدا چون صور



دہ چہ خرم بود گلستانے، — غنچہ خندان و ابر گریانے،

بر کلالہ بنفشہ چشمک زن — بر سر زلف سنبلستانے،

گلِ تر رشک خد گلرویان — یاسمین ہمچو ماہ تابانے،

نرگس نیمخواب در دیدہ — دیدہ بکشادہ چون نگہبانے

شدہ رطب اللسان گل سوسن — چمنِ دہر را غزل خوانے،
باد از رشح آب بر سرِ خاک — فرش گسترده سبز دامانے،
طوطی سبز فام از مستی — بر سر شاخ شکر افشانے
وین ہمہ زیب وزین کے باشد — کاندران باغ باشد انسانے
ہست او آنکہ بے شک وشبہت — عالمش تن بود و او جانے
حل کنِ عقد ہاے لانیحل — ملت و ملک را نگہبانے
پایہ برتر کنِ فنونِ ملل — مایہ دار علوم ادیانے



اردو قصیدون مین سے صرف ایک قصیدے کی تشبیب پیش کرتا ہون،

آگیا سامنے وہ بت دل و دین کا دشمن — رخصت اے شیخِ حرم کفر ہوا توبہ شکن
کیا کہون کیا نظر آیا رخِ کافر مین مجھے — طالبِ رشتۂ زنار ہے ہر دم گردن
ہے تمنا کہ لکھون اس کا سراپاے جمال — سخنِ حسن سے لبریز ہے آغوشِ دہن
زلف ہے یا شبِ دیجور کہ جس کے آگے — شامِ غربت سے زیادہ ہے شبِ ہجرِ وطن
اسکی ہر ایک گرہ سے ہے پڑی دل مین گرہ — کھل گئی یان گرہ زلفِ چلیپاے سخن
ہے شکیفتہ کہون اوسکو اسے ابرِ سیاہ — یا اسے بال کہون اوسکو جبینِ روشن
شکل ابرو سے یہ ہوتا ہے نظر کو دھوکا — دو ہلال ایک جگہ حق نے کئے جلوہ فگن
شرگین ناز بھرے دید کے قابل دیدے — نشۂ حسن مین سرشار خرد کے رہزن
بینی اوس شوخ کی ہے حسن کے شعلہ کی لو — دیکھکر جس کو ہو پھر غنچۂ گل برگِ سمن
ہر دو سر صدقہ ہوا کرتے ہین دونون رخ پر — پانی پانی ہوئے جاتے ہین جوانانِ چمن

لب ہین یا تعبیہ مین درج دہن پر یاقوت — یا ہین دو پنکھڑیان گل کی لطیف و احسن

غنچۂ گل ہی دہن اوس پہ مسی کا جوبن — ایک ہی شاخ مین پھولے ہین گلاب و سوسن



والد مرحوم کی جو تصنیفات ضائع ہونے سے بچ گئی ہین، اون مین سب سے زیادہ عجیب کتاب مہر جہانتاب ہی، فارسی زبان مین ایک جلد اوس کی فلسکیپ کی تقطیع مین تیرہ سو صفحون پر تمام ہوئی ہی، دوسری جلد آدھی لکھی تھی، کہ عمر نے وفا نہ کی،

پہلی جلد مین تین دفتر ہین، دفتر اول مین علوم و فنون متعارف وغیر متعارف کے مسائل لکھے ہین، جس طرح سے سیوطی نے نقایہ اور اوس کی شرح مین لکھے ہین، دوسرے دفتر مین انبیاے کرام، اہلبیت، صحابہ، تابعین، محدثین، علما، حکما، اور مشایخ کے حالات جدا جدا قلمبند فرمائے ہین، تیسرے دفتر مین عربی، فارسی، اردو اور بھاشا شاعرون کے تذکرے علیحدہ علیحدہ درج کئے ہین،

دوسری جلد مین دنیا کا جغرافیہ اور تاریخ لکھنی چاہی تھی، جسمین سے ایشیا کا بڑا حصہ ہو چکا تھا، یہ جلد آدھی ہو چکی تھی کہ اون کو یہ بات محسوس ہوئی کہ جس زبان مین یہ کتاب لکھ رہے ہین اوس کا زمانے نے ورق اُلٹ دیا ہی، اور چند دنون مین اس کا کو سمجھنے والا بھی باقی نہ رہیگا، اس خیال کے آنے سے بہت پست ہو گئے، چند دنون کے لئے قلم رکھدیا، پھر اپنی گذشتہ محنت پر تاسف ہوا، اور اردو مین از سر نو لکھنا شروع کیا، دس بارہ جزو لکھ چکے تھے، کہ داعی حق کو لبیک کہکر خلد برین کو سدھارے،

ایک کتاب اون کی سیرۃ المسادات فارسی مین ہی، اوس مین بھی بڑی تفصیل کے ساتھ سادات کی بہت سی شاخون کا نسب نامہ دیا ہی اور جن بزرگون کے حالات ملے ہین

اون کو بھی ساتھ ہی ساتھ لکھتے گئے ہین، اس کتاب کا شمار بھی اون کی بہترین تصنیفات مین ہے،
ایک اور کتاب فارسی مین سیرۃ علیہ ہے، اس مین سید شاہ علم اللہ کے حالات اور
اون کے خاندان کے تمام علما مشایخ اور سادات کے حالات بیان کئے ہین، یہ بھی بہت مفید
اور عمدہ کتاب ہے،

ایک کتاب عربی مین سبیل النجات ہے، اس مین ہر قسم کی دعائین جمع کی ہین، اور بطور
حزب الاعظم کے اوس کو احزاب پر تقسیم کیا ہے، اور بین السطور ترجمہ اوس کا اردو مین
کر دیا ہے،

ایک کتاب مجرباتِ حسنی اردو مین ہے، اوس مین وظیفے دعائین اور خاندانی
اعمال ہر ایک مرض اور ہر ایک حاجت کے جمع کئے ہین،

مخزالمطالب سیوطی کی ایک تصنیف کا ترجمہ ہے، ایمان الوین کی بحث مین یہ کسی کی
فرمایش سے کیا تھا، شاہ ولی اللہ کی انصاف فی بیان اسباب الاختلاف کا ترجمہ بھی اردو مین
کسی کی فرمایش سے کیا تھا، اور حاشیہ پر فوائد لکھے تھے، طالب علمی کے زمانے مین شرح وقایہ
کا حاشیہ عربی مین لکھنا شروع کیا تھا، اوس کے اجزا بطور مسودے کے موجود ہین۔

شعر و سخن مین جو کتابین مین نے پائین یا چھپ گئی ہین اون مین دیوان فخر حضرت کا
دوسرا دیوان ہے، جو لکھنؤ مین مرتب کیا تھا، یہ مجکو اتفاقاً اون کے ایک شاگرد سے مل گیا،
اس مین چند قصیدے غزلون کا دیوان، نامے مسدس، رباعیان اخیر مین مناظرہ شب و روز
اردو نثر مین ہے،

مثنوی ماہ و خورشید بھوپال مین غلام احمد فروغی کی فرمایش سے لکھی ... تقریباً پانچہزار
شعر کی کتاب ہے، اوس کا ناتمام مسودہ میرے پاس ہے، کتاب صاف ... نے فروغی کو

دیدی تھی معلوم نہین انھون نے کیا کی،

مثنوی نگار خانۂ چین فروغی کی فرمایش سے بھوپال مین لکھی تھی، یہ بھی ماہ و خورشید کے برابر ہے، اس کو فروغی نے چھپوالیا تھا،

مسدس خیالی، مسدس حالی کے جواب مین مولوی عبدالعلی مدراسی نے لکھوائی تھی اور انھین نے اس کو چھاپ دیا ہی،

نثر خیالی، یہ نثر ظہوری کے طرز پر لکھی تھی، فروغی نے احمد جان صوفی کے مطبع مین چھپوایا تھا، مگر اب ملتی نہین مناجات خیالی ایک مختصر مجموعہ نعت کی غزلون کا مین نے چھپوایا تھا، اوس کے اور ٹکڑے مثلاً واردات خیالی، مناجات خیالی وغیرہ ابھی رکھی ہوئی ہین، یہ اخیر زمانہ کی تصنیفین ہین جبکہ اون کو شاعری کا ذوق جاتا رہا تھا، بچون اور عورتون کی فرمایش سے اون کے مناسب حال کچھ فرمادیا کرتے تھے،

میرے مامون مولینا سید عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ نے جب رحلت فرمائی تو اون کے شاگردون اور مریدون نے فارسی اردو بھاشا مین اون کے حالات لکھے کبھی نے مثنوی لکھی، کسی نے نثر مین لکھا، میرا سن اسوقت چودہ برس کا تھا، دیکھا دیکھی اون کے وفات کی تاریخ فارسی مین مین نے بھی لکھی، اور اردو مین مثنوی لکھنا چاہی، مگر اوس کا سلیقہ نہ اوس وقت تھا نہ اب ہے، اس لئے مین نے والد مرحوم سے استدعا کی، انھون نے نظم عالی کے نام سے ایک مثنوی لکھی جو میری طرف منسوب ہی،

شروع مین اردو فارسی اشعار مین فخر اور بھاشا مین میر تخلص تھا، حیدرآباد مین اردو فارسی مین خیالی تخلص قرار دیا، جو اخیر زمانہ تک قائم رہا،

عربی مین بھی کبھی کبھی تغزل یا مناجات کے اشعار نظم فرمایا کرتے تھے، مہر جہانتاب مین

اوس کا بھی انتخاب کیا ہے، مگر وہ بہت تھوڑا ہی، شاید تیس چالیس شعر ہون گے،

راجپوتانہ کی کسی ریاست مین جب چندروز رہنے کا اتفاق ہوا، تو ہندی بھی سیکھ لی تھی، اور بے تکلف اوس مین لکھتے پڑھتے تھے،

اون کے حالاتِ زندگی پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت بڑے ذہین و ذکی تھے، جس طرف توجہ کرتے تھے اوس کو بآسانی حاصل کر لیتے تھے، حافظہ کمزور تھا، مقرر بھی نہ تھے، اوس کے ساتھ طبیعت مین کم آمیزی کا مادہ تھا، اور اظہارِ کمال سے سخت نفرت تھی،

یہی وجہ تھی کہ زندگی مین اون کو کم کسی نے جانا، اور بااین ہمہ کمالاتِ علمی و عملی وہ گوشۂ گمنامی مین چھپے رہے۔ اور آخرکار ۱۰ ر رمضان ۱۳۲۶ھ کو تصنیفات کا بہت بڑا ذخیرہ چھوڑ کر وفات پائی،

فارسی غزلون کا انتخاب،

چمن نادیدہ دامِ صید در پایم رسید اینجا — تمنائے تماشائے گلم بیخود کشید اینجا
پر و بالم بیک پروازِ صیادے شکست اکنون — کرا باشد بہ پروازِ دگر امید اینجا

زود آئی کہ یادت بکمینِ دل و جانست — مشتاقِ قدومِ تو بہر سو نگران است
بشکست دلم چرخ و ہنوزم نگران ست — در مشقِ ستم پیر شدہ و جور جوان است
اے دوست مپرس از دلِ چون لفِ پریشان — بنگر برخِ زردِ عیان ہرچہ بیان است

ز چشمِ انتظارِ من سیاہی وقفِ شبہا شد — تمنا مژدہ بعد از من صباحِ وصل پیدا شد

حو بودم پر دل از غم خالی از شادی پس از مردن　　دلم شد خاکِ ساغر گشت و گریان چشم مینا شد
دل پر آبلہ می داشت آبِ رز زبے کیفی　　نگاہ چشم مستش را بدل جا داد و صہبا شد

از شکستِ بند کار از بیش بہتر می شود　　تیغ چون بر خود شکست آورد خنجر می شود
صحبتِ روشن دلان تاریکیِ دل می برد　　پیش آتش دردمی انگشت اخگر می شود

جان را بہ برق جلوۂ جانانہ سوختیم　　شوقش زبانۂ زد و مستانہ سوختیم
از گرمیِ ہجوم تمنائے دل چو عود　　پنہان بسوز ہجر دلیرانہ سوختیم
تابِ سخن نماند بس اینست مختصر　　با شمع ساختیم چو پروانہ سوختیم

اردو غزلون کا انتخاب

رہے ہم ہاتھ ہی ملتے جنون نے پاؤن پھیلا کر　　نشانِ تار تک چھوڑا نہین جیب و گریبان کا
جسے سمجھا تھا دل آرام جان اے والے بیدردی　　وہ اک آتش کا پرکالہ ہی خرمن سوزیِ جان کا
زمین ہے مدفنِ نعش اور سینہ مخزنِ حسرت　　دلِ پر آرزو بھی رشک ہی گورِ غریبان کا

ارمان وصل کا دلِ شیدا مین رہگیا　　مین عمر بھر فریبِ تمنا مین رہ گیا
کیا کیا دیا ہے ساتھ رفیقِ جنون نے آہ　　ٹوٹا جو خارِ دشت کفِ پا مین رہ گیا

مر کے ٹھنڈے ہوئے تو یہ سمجھے　　عشق تھا وہ جو شعلہ افگن تھا

حسرت ہی بھروہی کوئی ایسا ہو دلفریب　　　کیا کیا نگاہِ ناز نے ظالم مزا دیا،

مجبور سچ ہے آدمی اس جی کے ہاتھ سے　　　دل جس پہ آیا، آیا جدھر سے پھرا پھرا،

زندگی ایک خواب کی سی تھی　　　یہ کھلا ہم پہ بعد مردن آج،

مسافرانِ خیالات گذرے ہین کیا کیا　　　ہمارے دل کا بھی ہی حال، رہگذر کی طرح

شجر گل پہ جو دو چار پر آتے ہین نظر　　　تھا کسی وقت یہ بلبل کا نشیمن آباد

مر کر بھی شوخیون کا تقاضا نہ کم ہوا،　　　بادِ صبا سے کرتا ہے میرا غبار ناز،

نکبت ہے ابتو ثمرۂ دانش زمانے مین　　　سایہ کا بھی نہین ہی نہالِ ہنر سے فیض

ہم کو برسون مین رقیبون کے لئے　　　تین دن مین آنے اُسکے چار خط

فخر اس زہد ریائی پہ نہ کرنا زنہار　　　بندگی کی نہین پروا ہی وہان اے واعظ

ہے فصلِ گل خزان گئی بدلا ہوا کا رنگ　　　جمنے لگا چمن مین نسیم و صبا کا رنگ

نکہتِ گل کی طرح آزاد بربادی سے ہین
پھرتے ہین بے قید کیا کیا خانہ ویرانی سے ہم،
بے نشانی سے نہین احسان کسی کا بعدِ مرگ
پاک ہین یارون کی رسمِ فاتحہ خوانی سے ہم

دیکھا تو آپ میرے ہی گھر مین تھے گوشہ گیر
ڈھونڈھ آیا ابلہانہ مین اون کو جہان تمام

انکار وصل ہوتا تو اقرار سہل تھا،
دشوار تو یہی ہے کہ انکار بھی نہین

وصل مین بھی ادبِ عرضِ بیان مانع ہی
ہاے جو دل مین ہی وہ منہ سے نکلتا ہی نہین

دیکھی اکدن بھی نہ اس باغِ جوانی کی بہار
فصل گل مین بھی ہم اے فخر خزان رکھتے ہین؛

گل کھلے گا اور اے بلبل نہ چھیڑ
منہ جو غنچے کا کھلا اچھا نہین،

ہے ابتداے عشق خیالی ابھی سے آپ
دل پکڑے پکڑے پھرتے ہین گھبراے جاتے ہین

مانا کہ حوصلہ وہی ابتک فغان کا ہے
لیکن ہجومِ یاس امیدِ اثر کہان،

غضب کی تیز یان کرتا ہی ابلقِ شب و روز
کسی سوار کا جمتا نہین رکاب مین پاؤن

محبت سے یہ بت کدھر دیکھتے ہین
برا دیکھتے ہین جدھر دیکھتے ہین ،

خود گم رہے کسی کی کبھی جستجو نہ ہو ،
دل دے خدا وہ جس مین کوئی آرزو نہو
نظرون سے مین گرا صفتِ اشک بے اثر
مجھ سا بھی خلق مین کوئی بے آبرو نہو

خلاف قاعدہ کی مدح تم نے میری غیرون کے
سمجھتا ہون مگر مین خوب ان باتون کے پہلو کو

بہار باغ مین ہو یا خزان جو ہو سو ہو،
اگر ہمین نہ رہے تو وہان جو ہو سو ہو،

ایک عالم ہے برابر تپشِ پیہم سے ،
میرے پہلو مین کوئی دل ہی کہ اخگر کیا ہی
خارِ صحرائے جنون چارہ گری کرتے ہین ،
جوشِ وحشت مین مجھے حاجتِ نشتر کیا ہی،

آج آیا ہے دل زار جو لیتے ہو تو لو
کل مرے پاس یہ نادان رہے یا نہ رہے،

بتو سنگِ مزارِ فخر دیکھو،
کہ بعد از مرگ بھی چھاتی پہ سل ہی

حسرت برس رہی ہو مری مشتِ خاک پر
چادر نہ پھول کی ہے نہ شمع مزار ہے،
دکھلا رہا ہے چرخ پس از مرگ فتنہین
بادِ صبا کے دوش پہ میرا غبار ہے،

غنچہ ہے مدتون سے گلِ آرزوئے فخر، نا آشنائے لطف نسیم بہار ہے،

اپنے ہوتے غیر بیٹھین اون کے پاس یہ بھی اے دل گردشِ ایام ہے،

بدن پر دم نہ کیونکر آئے جس دم ہمنشین دلکو وفا کی جس سے ہو امید وہ ہی بیوفا نکلے
برآئی اے فلک تجھ سے نہ امید ایک بھی اپنی رہا یہ حوصلہ برسون کہ کوئی حوصلہ نکلے،

شیخ صاحب کی نرالی ہے بات یہ سن اور لہو ولعب کیا کہئے،

دل وجگر کیون نہ پیش کردون سنون نصیحت مین کیا کسی کی ستم ہے چتون وہ ترچھی ترچھی وہ بانکی بانکی ادا کسی کی
لٹین یہ چھوٹی ہین گیسوون کی کہ سرگرانی ہے عاشقونکو ادھر سے اتری ادھر کو آئی کسی کے سر پر بلا کسی کی

بھیروین ۶ گھڑی سے ۹ گھڑی دن تک موسم بارش مین
بدریا گھیرے پیا ناہین آئے رے
کیری سوت جس بادر گرجت آنس چوین رت پاوس کیرے لے
یہ تن کبھون دامن جس پہ جھکے وہ کی گلن بنت بھیری رے،
بچھوہ رین ساون کیری رتیان بھور دھوپ پرلے کیری رے
نس اندھیاری نہ تہ نہ سوجھے میر پیا تمہین اب کت ہیری اے

الہیا ۹ گھڑی دن سے ۱۱ گھڑی تک

جاؤ جی تم کشن کنہیا

تم الگرجی اپنے گر جے ، پھر کیئو کے ناہین سُنیا ،
میر کہون کیا سیام کی گھاتین ہے چھیلاپت کا لیو یا ۔

سارنگ آدھے دن سے ۳ گھڑی دن تک

ٹھنڈہی چھیان بنیا ٹھاؤن

بَبرِیا ڈولے جیرا الہسا دے بولے کوئلیا لے پیا ناؤن
پپیہا کوکو، مو روا بولے تیر پیا کا کہہ بدہ پاؤن

گوری ۳ گھڑی دن سے آخر تک یعنی ۷ گھڑی تک

جیرا رہت بجھاوے

او کلی جوبن بالک ہے کنہیا ، سنگ کی سکھی سب پیا سنگھ کھیلین ، ہل ہل دھوم مچائے ،
ہمری بلمہ بلنا مان جھولین ہم بیٹھے مرجھائے ۔۔ ساس ننند موہین لسدن واگین ، نا کو ہوئے
سُہائے ،، تیر بلمہ نادان نہ ہون تو ، کس یہ دکھ ہم پائے ،

یمن ۷ گھڑی شام سے ۹ گھڑی رات تک

اتنا نا آئی تم جیرا جارو ،

سوتن سنگھ تم رین ونا رہو چھانڈو پر نہتہ بج پا چھو ہمارو
تیر پیارو سے کہ میارو تم تونس دن تن من وارو

جھنجھوٹی ۹ گھڑی سے آدھی رات تک

لاگ رہی نت سرت تہاری سدھ بہ لبیار بو بلمھو ہماری

من کے من کے پھیر رہی ہون تن چل بھن کے بن گئو چھاری،
بیٹھی ہون تمہری آس لگائے راکھیو نراس ناموہین بین واری
تیر سون بھینٹ کرو ہو موہن نسدن تم پہ رہت بلہاری،

بھاگ آدھی رات سے تین گھڑی رات تک

جن چھوؤ بانکے یار پائل موری ان جھن باجی
ساس ہی موری بھوری نیرے نند ہٹیلی گا جی،
بھیے جان تو آنکھ ملیو کلمہ کرم کٹو جو ساجی،
بہت ستاؤ نہ جگیون سائن الیو ٹھٹھول جائے راجی،
تیر کہیو کاہے کے جگ مان آئے رہیو کہہ کا جی،

سورٹھ ایضاً

اب مین جوگن ہو ٹھیون لے پیا رتے ساتھ،
گھائل کر موہن پیا کہوں ن چھائے بھنس گئے پر آری ناری ہاتھ
تیر جو ندر موری میل بھی ہے، سیج پیا دھو کا رس کھات

پہر ج ۳ گھڑی رات سے ۶ گھڑی صبح تک

سیام کون گن گاے اودھو

نین کچو الکیمن بسرا ہین ۔ بھوہین دو بچ بجائے اودھو،
سارنگ بین این رس ادہرن بیچ دسن چمکائے اودھو،
میرہ جیا ہر لیگیو تنکھن ۔ لے کر مرلی بجائے اودھو،

کالنگڑا ۱۴ گھڑی رات سے ۷ گھڑی صبح تک

سونی سندرین سیج ہماری

سو رہوں سنگار بر ہوں ابرن — موتین مانگ سنواری،
چوا چندن سوگندھ کیو گہر، — چو مکھ دنیا باری،
میر پیا بلمو کہوں جائے، — سدھ یہ تن کے بساری،

بسنت بر وقت،

آئی بسنت بہار سکھی ری کہیں ہر نسے چھائے

نو و چو ندر کو و ساری نگائے کیسر رنگ ہے چائے — پھرت لئے کر سون ڈارے، کیل مجو سنسار
ٹیسو پھول آنبو رائے کوئل سبد سنائے — ہم ہی بلمہ پردیس مان چھائے بسرو ہو سگر سنگار
ہنسا سیوں کہ لیکھا ان کھیل کھلے — یہ پیر ہر ابن ل جو چاہو آپکار

ہولی

مو پہ رنگ کیو نن بیا — کیسے کروں جیا گھو ہی چنتا
گرہ انرو گ بے پار نکست — نین مین کے مینن ڈھٹ پڑیا،
جیو کریگا اسدھ نہین ایکو، — ہر گز نیا جو کا کر یا،

جامع گئے ہر شدے کے للک

جھارا پیر کے رنگ ہو مکھ پر، — آنسو رنگ ہین نس بہتیا،
روپ سنگار اہے سب بگرا — ن ہے نہیں جو بن کا لو بھیا،

جاس ننبت کل رنگ چک

لاگے کر بیچ پریم کے گانسے — گھاؤ کا نا ہین دکھیتا،

پیرو دکھ نہین کوئو دھرت ہے، بیٹ ہے جیرا کا و کھیا،
جاس جات کریگا سک،

توری چتون کے میر بلہاری پیسم بجریا چستو یا ،
ایک بجر ٹک دیکھین موہن مورے جیا کے بلبیا،
ابتو مٹاؤ انکھین کی کلک

متفرقات

رات کی تیاں میٹھی میٹھی تورے جیاسے نکس گئین رے
قول قسم کیو بہیتان کہہ کے اپنی غرض کیو پت موری لے کے
بسر گیو اب سب گن کے کے وہ تیان اب کس گئین رے
پیتم جب سے بدیس سدھارے ہرم جو ر کرت ادھکا ئے
سیر جیا مہین رہت سبنھارے انکھیان درس کا ترس گئین رے

ایضاً

موہ گئے من سانوریا نینین نین ملائے

اک تو روپ انوکھا تاپہ ٹھمک وا کی چال سنکہ ہوتے بجریا دیت جیا ہو لساے
اس جھل بل دیکھ کے دھیر دھر کب جیا دیکھ کے سونی سجریا میرہ ہونا ہن جائے،

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حصہ چہارم [illegible]

اس حصہ میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ ایران کی آب و ہوا اور تمدن اور دیگر اسباب نے شاعری پر کیا اثر کیا، کیا کیا تغیرات پیدا کئے، اور شاعری کے تمام انواع و اقسام میں سے مثنوی پر [illegible] تبصرہ [illegible] معارف پریس، ضخامت ۲۳۶ صفحے، قیمت: [illegible]

حصہ پنجم

اس میں قصیدہ، غزل اور فارسی زبان کی عشقیہ، صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تنقید و تبصرہ ہے، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۲۸ صفحے، قیمت: [illegible]

شعر الہند

حصہ اول

جس میں قدماء کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۴۸۵ صفحے، قیمت [illegible]

حصہ دوم

جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۵۹ صفحے، قیمت: [illegible]

کلیات شبلی اردو

مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ، جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف جلسوں میں پڑھے گئے